



فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (القرآن)
پس اہل علم سے سوال کرو اگر خود تم نہیں جانتے

الکلام المفید في اثبات التقليد

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صمدی
دامت برکاتہم

مکتبہ صفدریہ

نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قَاتِلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (قرآن کریم)

پس اہل علم سے سوال کرو اگر خود تم نہیں جانتے

انصاف والہی سوال (ابوداؤد ص ۲۹۹ و ابن ماجہ ص ۲۴۰ وغیرہ کتب حدیث)

اور یقینی بات ہے کہ عاجز کی شہادت دریافت کرنے ہی میں ہے

۔ جب چھوڑ کر تسلیم کو تم ہو گئے آزاد ہے خوف کہ ایمان کو برباد کر دے

الکلام المفید

فی

اثبات التقلید

جس میں ٹھوس اور صحیح حوالوں سے قرآن و حدیث کے مقابل میں تقلید کی قطعی حرمت حضرات ائمہ مجتہدین کے معصوم عن الخطا ہونے کی واضح دلائل سے تردید و شک و اہول دین میں تقلید کا بطلان اور دیگر مخصوص مسائل میں اجتہاد اور قیاس کا جائز اور صحیح ہونا۔ اور ایسے مسائل میں تقلید کا اثبات حضرات غیر متقدمین سے بھی اس کا اقرار۔ تقلید شخصی اور غیر شخصی کی اصولی بحث۔ تقلید کا لغوی اور اصطلاحی معنی۔ اور بعض غیر متقدمین حضرات کی خالص تفسیر اور ان میں سے بعض منصف مزاج حضرات کی میانہ روی۔ تقلید کے اثبات و نفی کے نقلی و عقلی دلائل اور ان کی اصلیت و حقیقت۔ جمہور اہل اسلام کا مقلد ہونا۔ تقلید کے آغاز و ترویج کا باحوالہ تذکرہ، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مجتہد مطلق اور تابعی ہونا۔ فقہ حنفی کی مقبولیت، ترک تقلید کے نتائج اور فرائض ثانی کی طرف سے تقلید پر کیے گئے جملہ اصولی اعتراضات کے جوابات اور احناف پر قیاس اور رائے کو حدیث پر مقدم کرنے کے الزام کی محکم اور باحوالہ تردید اور دیگر کی ضمنی مسائل و اباحت پر بفضل اللہ تعالیٰ جس توفیقہ سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ

ابوالزاہد محمد سرسرازی

فہرست مضامین الکلام المفید

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|----------|---|----------|--|
| ۳۶ | مقام اول کسی پر اعتماد کرتے ہوئے اکی بات کو تسلیم کرنا | ۱۹ | عرض حال |
| ۴۱ تا ۴۳ | اس پر متعدد حوالے | ۲۱ | بحث تالیف |
| ۴۱ تا ۴۲ | اقام حجت، فرق ثانی کے شیخ اگلے سے مسئلہ کا ادب | ۲۳ | تقلید اور تقلیدین کی مذمت میں مزید حوالے |
| ۴۲ | لطیفہ | ۲۴ | سقوط بعد او کا سبب |
| ۴۲ | بحث اول تقلید سے کوئی مخلص نہیں | ۲۵، ۲۴ | متعدد تاریخ حوالے |
| ۴۲ تا ۴۲ | متعدد حوالے | ۲۵ تا ۲۵ | غیر تقلیدین حضرات کے مزید حوالے |
| ۴۲ | بحث دوم کہ خیر القرون میں تقلید نہ تھی | ۲۹ | تقلید کا لغوی معنی |
| ۴۵ | اس کا جواب | ۳۰ | تقلید کا اصطلاحی معنی |
| ۴۵ | مقام ثانی کہ تقلید دلیل کا محتج نہ ہو | ۳۰ | فرق ثانی کے شیخ اگلے سے |
| ۴۶ | تبیین ضروری میں غیر محرمہ کا مطلب فرق ثانی کے شیخ اگلے سے | ۳۱ | مولانا محمد اعلیٰ تھانوی سے |
| ۴۶ | قانونی مذہب کا حوالہ | ۳۱، ۳۱ | متعدد حوالے خیر التقلید سے |
| ۴۷ | اس کا جواب | ۳۲ | تقلید اور اتباع ایک ہے |
| ۴۸ | اعتراف کہ تقلید نے دین کی تخریب کر دی | ۳۲ | تقلید اور اتباع میں بغایت کا دعویٰ مولانا تھانوی سے |
| ۴۸ | جواب | ۳۲ | اس کا جواب |
| ۴۸ | مذہب کا لفظ فقہی مسلک پر بھی بولاجاتا ہے | ۳۳ | حافظ ابن قیمؒ کا ارشاد اور اس کی حقیقت |
| ۵۰ تا ۴۸ | متعدد حوالے | ۳۳ | فقہ حوزہ منذرہ کا مقام |
| ۵۱ | باب اول قرآن کریم سے تقلید کا ثبوت | ۳۴ | دیگر جوابات |
| ۵۲ | پہلی آیت و اُولٰٓئِکُم مِّنْکُمْ کُو | ۳۵ | اعتراف مسلم الثبوت کے حوالہ کے پیش نظر فقہاء کے کہ تم تقلید نہ |
| ۵۲ | اکی تشریح کہ اٹھ معصیت میں جائز نہیں بخاری کی حدیث | ۳۵ | الجواب کہ مسلم الثبوت کی پوری عبادت یہ ہے۔ تقلید العمل |
| | | ۳۶ | یہاں دو مقام ہیں |

| | | | |
|----|---|----------|--|
| ۷۰ | ترمذی و مستدرک کی حدیث سے | ۵۳ | اولوالایمان سے علماء یا حکام کچھ مراد ہو یا نہیں ثابت ہے |
| ۷۱ | میسری آیت ^۱ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ | ۵۴ | اس سے علماء اور فقہاء مراد ہونے پر متعدد حوالے |
| ۷۱ | اس کی تفسیر روح المعانی سے | " | حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ |
| ۷۲ | مسند ابی یوسف سے | " | صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے |
| ۷۳ | چوتھی آیت ^۲ فَاسْتَشِصُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ | ۵۴ | اہم ایضاً صاحب علماء آگاہی اور قاضی ثوکانی وغیرہ سے |
| " | امام رازی اور علامہ آگاہی سے اس کی تفسیر | ۵۸ | اس سے اگر صرف حکام مراد ہوں تو پھر بھی کچھ مضائقہ نہیں |
| ۷۵ | حدیث میں بھی انصاف شفاء العی السوال کا حکم ہے | ۵۸ | بقرض کہ حکام کی لکشاؤں اور نویدی میں ہوتی ہے نہ کہ دینی میں |
| " | اہل علم کی طرف مراجعت کی اور حدیث | " | جواب یہ نہ مخالف ہے |
| " | اقرض اہل الذکر سے یہاں علماء کی مراد نہیں | ۵۹ | اس پر چند حوالے |
| ۷۶ | جواب اعتبار کو ملاحظہ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا | ۶۰ | حکام بھی علماء کے محمل ہیں |
| " | اس پر متعدد حوالے | ۶۱ تا ۶۰ | امام فخر الدین الرازی اور ایضاً صاحب الرازی سے |
| " | فقہوی تفسیر کا حوالہ | ۶۲ | نواب صدیق حسن خان صاحب سے |
| " | لطیفہ اگر خصوص سبب ہی ملحوظ ہو تو پھر بیشتر | " | جو امیر الفقہ کا حوالہ |
| " | احکام قرآنی مشرکین سے خاص ہو جائیں گے | ۶۳ | دوسری آیت ^۳ الَّذِينَ يَسْتَبْطِنُونَ عَنْهُمْ |
| ۷۷ | پانچویں آیت ^۴ أَوْ كُنَّا تَمَجُّعٌ أَوْ تَفْقِصُ الْوَابِثِ | ۶۳ تا ۶۳ | اہم ایضاً صاحب الرازی اور علامہ حنفانی |
| ۷۸ | تفسیر غزالی تفسیر حنفانی اور دعوات مجتہدین سے اس کی تفسیر | ۶۴ | بعض خصوص مسائل میں اجتہاد کے جواز پر ہے شامی حدیث پر بھی ایضاً |
| ۷۹ | باب دوم احادیث سے تقلید کا ثبوت | " | قیامت تک ہر پیش آمدہ مسئلہ میں نص نہیں۔ ام سرخسی |
| " | پہلی حدیث حضرت عرواض بن ساریہ سے | ۶۵ | اجتہاد ہر کس و ناکس کا کام نہیں |
| " | اس کے مآخذ | " | اصول فقہ میں اجتہاد کی شرطیں ہیں |
| ۸۰ | اسکی بعض اسانید کے روایت کی کتب رجال سے تشریح | ۶۶ | امام ربودی سے |
| ۸۱ | اس سے حاصل فرما | ۶۷ | امام شہرستانی سے |
| ۸۲ | در خلیفہ بیک وقت ہوں تو دوسرا واجب القتل ہے۔ | ۶۸ | امام ایضاً صاحب سے |
| " | مسلم شریف کی حدیث | ۶۹ | انتظام علماء اور فقہاء کا کام ہے۔ علامہ آگاہی |
| " | | | غیر متعلقہ عالم محمد بن زکریا |
| " | | | فقہ کی تعریف بخاری وغیرہ کی حدیث سے |

| | | | |
|-----------|--|----|---|
| ۹۴ | پہلی حدیث حضرت ابن عباس کا ارشاد | ۸۲ | امام نووی سے اس کی تشریح |
| " | ساتویں حدیث حضرت ابن مسعود سے | ۸۳ | ملکائوں کا بروقت سونا بھی عبادت ہے۔ بخاری |
| " | آٹھویں حدیث فاطمہ ابی بکرؓ | ۸۴ | اعتراف حضرت غفار راشدینؓ کی پیروی |
| ۹۵ | بخاری و مسلم وغیرہ | " | سے تقلید شخصی ثابت نہیں ہوتی |
| " | بخاری اور مسلم کی ایک روایت | ۸۶ | فائدہ حضرت عمرؓ کے ارشاد فَعَمِلُوا بِدَعْوَةِ هَذِهِ |
| ۹۷ | باب سوم | " | میں بدعت سے لغوی بدعت مراد ہے۔ |
| " | تقلید چوتھی صدی کے بعد کی پیداوار ہے | ۸۷ | غلاب صدیق حسن خان صاحب کا حوالہ |
| " | حجۃ اللہ الباقیہ | ۸۸ | اعتراف حضرت غفار راشدینؓ کی سنت سے |
| ۱۰۵ تا ۹۷ | الجواب چوتھی صدی سے قبل بھی تقلید شخصی | " | وہی سنت مراد ہے جو آپ نے جاری کی۔ |
| " | راج تھی اس پر متعدد حواص | ۸۸ | تختہ الاوزی کا حوالہ کہ حضرت ابن عمرؓ جمعہ |
| ۱۰۵ | مورخ ابن تیم کا حوالہ | " | کی اذان ثانی کو بدعت کہتے تھے |
| ۱۰۶ | اہل مصر کی تقلید | ۸۸ | جواب معطلوں و معطلوں علیہ میں معافیت ہوتی ہے |
| " | زبردست زبردستوں پر ظلم بھی کرتے تھے | ۸۹ | آپ کے زمانے میں شرابی کو چالیں کوڑے سزا ہوتی |
| ۱۰۷ | گھر کی زنی شہادت ریاض المراض کا حوالہ | " | تھی اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں اس |
| ۱۰۸ | حجۃ اللہ الباقیہ کا مطلب غیر متقلدین نے سمجھا نہیں | " | اور یہ دونوں فعل سنت ہیں |
| " | انصاف کا حوالہ | ۸۹ | مسلم شریف اور معرفت علوم الحدیث کا حوالہ |
| " | حجۃ اللہ کی عبارت کا مطلب؟ | ۹۰ | شرابی کی اہل سزا آپ نے جاری نہیں کی، بخاری و مسلم |
| ۱۰۹ | دوسرے حضرات ائمہ کرام کی تقلید | " | حضرت ابن عمرؓ کی روایت کا جواب فتح البدری سے |
| ۱۱۰ | امام ابن فرحون کا حوالہ | ۹۱ | دوسری حدیث فاطمہ ابی بکرؓ |
| ۱۱۳ | مقدمہ ابن خلدونؓ اور الرض ابیہم کا حوالہ | " | اس کے نافذ اور اس کی تحمیل و رخص |
| " | قیاس کے منکر جی نہیں بن سکے، امام شافعیؒ | " | تیسری حدیث رضیت لکھو ماضی لکھو ابن ام عبدہؓ |
| " | ناگوار | ۹۲ | چوتھی حدیث لا تفتلونی ما دام هذا الحب فیہ |
| ۱۱۳ | جمہور کے نزدیک قیاس محبت ہے | " | پانچویں حدیث حضرت عازمؓ |
| | | ۹۳ | نہر واحد محبت ہے، امام بخاریؒ |

| | | | |
|-----|---|-----|--|
| ۱۳۴ | ایلیس پلا غیر مقلد تھا | ۱۱۳ | الحجۃ |
| " | محمود و مذموم راستے | " | افادۃ الشیرخ |
| " | بخاری، فتح الباری اور عمدۃ القاری سے | ۱۱۴ | اسلامی ممالک اور باقی ملکوں میں مقلدین |
| ۱۳۲ | اعاثرۃ اللہ خان | " | امیر شکیب اسلان سے |
| ۱۳۵ | عالم اسباب میں دین کے بائیس میں دونوں | ۱۱۵ | عقد الجید اور انصاف کے حوالے |
| " | طبقات کی اشد ضرورت ہے۔ | " | تقلید کا تسلسل |
| ۱۳۵ | مسنج السنۃ اور فتاویٰ ابن تیمیہ کا حوالہ | ۱۱۶ | غائب اربعہ کی ترجیح کی وجہ |
| ۱۳۶ | باب ششم | " | اعتراض کہ اجتہاد مطلق باقی ہے |
| " | خود کو پہچانیے | " | الجواب یہ نظریہ درست نہیں ہے |
| " | بند میں غیر مقلدیت کا آغاز کب اور کس سے ہوا؟ | ۱۱۷ | عقد الجید کے مزید حوالے |
| " | مولانا عبدالحق رح | ۱۱۸ | حافظ ابن تیمیہ اور علامہ بدر الدین عینی سے |
| ۱۳۷ | مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی | ۱۱۹ | نقص منطق کا حوالہ |
| " | مرزا حیرت دہلوی | " | مقدمہ ابن خلدون اور معیاد المنعم کا حوالہ |
| ۱۳۸ | حافظ اسلم پیرا چودی | ۱۲۰ | الزام تراشی |
| " | پروفیسر محمد الوب قادری | ۱۲۱ | باب بیاد |
| ۱۳۹ | مولانا عبد الجید سوداوی | ۱۲۲ | چوتھی صدی کے بعد کے مشہور مقلدین |
| " | حافظ محمد اسلم | ۱۲۳ | مؤلفین صلیح سے مقلد تھے |
| " | لفظ الجبریت پر غامد بنار قبضہ | ۱۲۴ | مؤلف نتائج تقلید کی کوتاہی |
| ۱۴۰ | تقسیم سے قبل ہندوستان میں علماء اخلاف کی خدمت میں | ۱۲۵ | مشہور تفاسیر کے مصنفین مقلد تھے |
| " | مولانا میر سیال کوٹلی سے | ۱۲۶ | باب پنجم |
| ۱۴۱ | حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت | " | حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید پر اعتراض |
| " | شاہ محمد ابراہیم شہید حنفی تھے۔ | " | الجواب |
| ۱۴۲ | ذواب صاحب اور مولانا سنی سے | ۱۲۷ | مسنج السنۃ کا حوالہ |
| | | ۱۲۸ | قرآن و حدیث کی حقیقت |

مولانا گنگوہی سے

ہندوستان میں پہلے غیر مقلد عالم و محدث مولانا سید نذیر حسین صاحب ہیں

انگریزوں کے خلاف جہاد جنتیوں نے کیا ہے

ترجمان و مہاجر

غیر مقلدین نومورد فرقی ہے

غیر مقلد عالم مولانا محمد شاہ صاحب

قادر وہ کس سے ملتا ہے؟

محدث ابن شاہین کے محمدی المذہب کھلانے پر فخر اور ان سے اپنا جوڑ

ان کا مقام کیا تھا؟ تذکرۃ الحفاظ

نواب صاحب کی بلا و بر خوشی

باب ہفتم

احادیث کے ظاہری مضموم کو کیوں نہ لیا جائے؟
تعلیل کی کیا حاجت ہے؟

الجواب

بعض اوقات حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی سمجھنے کے بغیر حدیث سمجھ نہیں آتی تھی

بخاری کا حوالہ
حضرات صحابہ کرامؓ کی سنت نبوی سے ناواقفیت
مصلحت وقت کا تقاضا

رحمہم اور حطیم کے بانی بخاری و مسلم کی حدیث

دین المذہب کے ترک قتل کی وجہ بخاری و مسلم سے

غیبت جنین سے انصار کو کچھ نہ ملنا اور وجہ بتلانے پر ان کی نفی۔ بخاری و مسلم

۱۴۲ ایک ہی سکر میں دو مختلف اشخاص کے فیصلے الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں

۱۴۳ قرآن کریم سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ

۱۱ مغزوہ بنی قریظ میں عصر کی نماز کے بارے میں

۹ حضرات صحابہ کرامؓ کے متضاد نظریے، بخاری

۱۱ روزے کی حالت میں بیوی سے بغلیگر ہونے

۱۱ کے متضاد فتوے۔ ابو داؤد، مسند احمد

۱۵۳ سند کے روات اور ان کی کتبہ جالی سے توثیق

۱۴۳ تیم سے بڑھی ہوئی نماز کے وقت کے اندر بانی

۱۵۴ غصے کے بعد اعادہ اور عدم اعادہ کا ذکر

۱۴۴ اس حدیث کا ماخذ

۱۴۵ اس کی سند پر اعتراض

۱۱ اس کا ذیلی۔ نیل الاوطار اور التعلیق لمغنی سے جواب

۱۵۶ جہاد میں چہرہ کا ہاتھ نہ کاٹنے کا حکم

۱۱ ابو داؤد و ترمذی

۱۱ الحجۃ کا حوالہ

۱۱ اس کے روات کی توثیق

۱۵۸ حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم اور نواب صاحب کا حوالہ

۱۴۷ داؤد کی وراثت کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ

۱۴۸ اور حضرت عمرؓ کی رائے (متروک)

۱۵۹ ہر آدمی کی فہم جدا جدا ہے بخاری کا حوالہ

۱۵۰ خطبہ اسود اور خطبہ ایض کے سمجھنے کا قصہ

| | | | |
|-----|--|-----|---|
| ۱۶۰ | باب ہفتم | ۱۶۰ | اطول لکن یداکے مطلب کو سمجھنے میں غلطی |
| ۱۶۱ | غیر منصوص احکام میں تقلید جائز ہے | ۱۶۱ | حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کا مناظرہ |
| ۱۶۲ | ترک تقلید سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں | ۱۶۲ | باب ہشتم |
| ۱۶۳ | علامہ خطیب بغدادیؒ | ۱۶۳ | فرشتوں میں بھی اختلاف رائے ہو سکتا ہے |
| ۱۶۴ | علامہ ابن خلدونؒ | ۱۶۴ | اور ان کی رائے بھی خطا ہو سکتی ہے |
| ۱۶۵ | حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجتہ اللہ کا حوالہ | ۱۶۵ | بخاری کی حدیث |
| ۱۶۶ | انصاف کا حوالہ | ۱۶۶ | ارادۂ ذکر کے بغیر مجلس میں شریک ہونے |
| ۱۶۷ | ماوراء النہر کی تفسیر (نہر اس) | ۱۶۷ | وائے کے بارے فرشتوں کی رائے کا اختلاف |
| ۱۶۸ | شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کا حوالہ | ۱۶۸ | بخاری و مسلم |
| ۱۶۹ | الحط کا حوالہ | ۱۶۹ | خطائے اجتہاد کی عصمت کے خلاف نہیں |
| ۱۷۰ | الدین الناصح کا حوالہ | ۱۷۰ | اساری پر کے بارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے |
| ۱۷۱ | میزان البکری و غیرہ کا حوالہ | ۱۷۱ | میں المنافقین کے جواز پر جانے اور اس |
| ۱۷۲ | مولانا عبدالحی لکھنویؒ کا حوالہ | ۱۷۲ | کے بارے استغفار کرنے کی رائے |
| ۱۷۳ | مولانا محمد حسین بانوریؒ کا حوالہ | ۱۷۳ | حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر |
| ۱۷۴ | کہ یہ علم آدمی ترک تقلید سے مرتد تک پہنچاتا ہے | ۱۷۴ | مجتہد کو خطا کی صورت میں بھی ایک اجر ملتا ہے |
| ۱۷۵ | جن بے علموں نے تقلید ترک کی ان کا یہی حشر ہوا | ۱۷۵ | مصلحت وقت محصور کے بعد دشمن کو اپنے حکم کا پابند کرنا |
| ۱۷۶ | مثلاً نیاز فتح پوری | ۱۷۶ | مسلم و ابوداؤد وغیرہ |
| ۱۷۷ | اور ڈاکٹر احمد الدین | ۱۷۷ | الجنة کا حوالہ |
| ۱۷۸ | مولوی عبد اللہ چکریؒ کا حوالہ | ۱۷۸ | یہود و نصرانیوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ |
| ۱۷۹ | مومن کو | ۱۷۹ | تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حکم کے بجائے حضرت |
| ۱۸۰ | مرزا غلام احمد غیر مقلد تھا | ۱۸۰ | سید شہین عابد کا حکم نافذ فرمایا۔ |
| ۱۸۱ | حکیم نور الدین غیر مقلد تھا | ۱۸۱ | امام نوویؒ کا حوالہ |
| ۱۸۲ | سرخسؒ کا حوالہ | ۱۸۲ | تواریک کا حوالہ |

| | | | |
|-----|--|------------|---|
| ۲۰۷ | قرنی ثانی کے شیخ اکل سے اقام تعلیم | ۱۸۷ | مولانا سار اللہ صاحب کی تفسیر پر کڑی تنقید متحدہ دھوائے |
| " | اولیٰ واجب، دوم مباح، سوم حرام، چہارم شرک | ۱۹۱ تا ۱۸۸ | خود غیر مقلدین نے تردید بلکہ تکفیر کی |
| ۲۰۸ | خود ان کے اپنے شکات تک تعلیم شخصی واجب قرار پاتی ہے | ۱۹۱ | ان کی مزید چند باتیں ملاحظہ فرمائیں |
| ۲۰۸ | کیونکہ ایک کی بات ماننے سے بھی عمدہ تکلیف | ۱۹۳ | تأسف بالائسے تأسف |
| " | سے مکلف خارج الذمہ ہو جاتا ہے | " | مولانا خادم سوہداری کی ہرزہ سرائی |
| " | معیار الحق کا حوالہ | ۱۹۴ | اگر حضرت امام ابو حنیفہ نے حضرت امام اہل سنت سے علم اخذ کیا ہے تو ساتھ ہی ان کے حضرت امام اہل سنت نے امام ابو حنیفہ سے بھی علم اخذ کیا ہے |
| ۲۰۹ | تمہید لابن عبد البر کا حوالہ | " | غیر مقلد عالم قاضی عبداللہ خاں پوری کا حوالہ |
| ۲۱۱ | لا علمی کے وقت سطلق تعلیم کو جو احادیث | ۱۹۵ | مولانا میر سید انور کوئی کا حوالہ |
| " | کے خلاف نہ ہو کوئی شرک نہیں کرتا | ۱۹۶ | صاحب ہدایہ کی تعریف |
| ۲۱۱ | معیار الحق | ۱۹۷ | بدلیہ کے خلاف تعصب اور جمالیات کا بدترین مظاہرہ |
| ۲۱۳ | اخلاف ترک رفع الیدین میں تعلیم نہیں کرتے بلکہ | ۱۹۸ | اس کا جواب |
| " | ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما صحیح حدیث پر عامل ہیں | ۲۰۰ | مولانا محمد جونا گڑھی کا بیان |
| ۲۱۳ | حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع الیدین کو ضروری نہیں سمجھتے تھے کبھی کرتے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے | ۲۰۰ | تمام پیش آمدہ مسائل قرآن و حدیث میں تفصیلاً موجود نہیں ہیں |
| " | فتح الباری وسبیل السلام | ۲۰۱ | حضرت معاذ بن جبل کی حدیث |
| ۲۱۴ | آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رفع الیدین | " | اس کے ماخذ |
| ۲۱۵ | اور ترک رفع الیدین دونوں ثابت ہیں | ۲۰۲ | امام ابن عبد البر کا حوالہ |
| " | محلّی ابن حزم | ۲۰۳ | حدیث معاذ بن جبل کی اس حدیث کی تصحیح |
| " | راہ راست سے فرار | " | امام ابن عبد البر، امام ابن کثیر اور قاضی شوکانی سے |
| ۲۱۶ | تنقید شخصی مباح بھی نہیں | ۲۰۴ | اس کی سند پر کلام اور اس کا جواب نظر ابن القیم سے |
| " | اس کا جواب خود حضرت | ۲۰۵ | نواب صاحب کا حوالہ |
| " | شیخ اکل کی عبارات سے | ۲۰۶ | مولانا سار اللہ صاحب کا حوالہ |
| ۲۱۷ | مسئلہ تعلیم اور حضرت مولانا گنگوہی | " | مولانا محمد الطیف سلفی کا حوالہ |

تفسیر کے بغیر حدیث حاصل کرنا محکومہ ہے

۲۱۹

دین اور دنیا کی تفریق کرنا پامائیت ہے

۲۲۰

صیغہ امر بلا صارت و جواب کے لیے ہوتا ہے

۲۲۸

افادۃ الشیوخ

بخاری اور ترمذی کا حوالہ

لطیفہ معرفت علوم الحدیث سے

۲۲۰

تقلید کسی آیت قرآنیہ اور کسی حدیث سے ثابت نہیں
اور نہ کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کی اجازت دی ہے

۲۲۸

فتاویٰ نذیریہ کا ایک اور حوالہ

الجواب

۲۲۱

اس کا جواب معیار الحق سے

۲۲۹

غیر تقلیدین کا تعصب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مجتہدین کی

۲۲۳

تقلید قرآن و حدیث سے ثابت ہے جبکہ لاعلم ہو

اتباع کو تقلید کتنا جائز ہے - معیار الحق

۲۲۹

حقیقۃ الامحاء کا حوالہ

اہل الذکر سے اہل علم مراد ہیں امام ابن عبدالبر

۲۳۰

حدیث انما شفاہ البعی اور اس کا ماخذ

فتاویٰ نذیریہ

۲۲۴

باب دہم

اہل الذکر اور اولوالاشر سے اہل کتاب اور حکام مراد ہیں

۲۳۱

الجواب

حضرات ائمہ کرامؒ کا تقلید سے منع کرنا

آیات قرآنیہ میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے

۲۲۶

صرف ان مسائل میں ہے جہاں نصوص ہوں

نہ کہ خصوص موارد کا

۲۳۱

حضرت امام ابوحنیفہؒ

آیات کو ثانی زحل پر بند بکھنا جائز نہیں

۲۳۱

عقد الجید - دراسات البیہ

کا کام ہے - فتاویٰ نذیریہ

۲۲۶

شامی رحمہ المفی - وایقظہ المحمم

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اولوالاشر سے

۲۳۲

حضرت امام مالکؒ

مراد حکام کے علاوہ

۲۳۲

جامع بیان العلم احکام فی اصول الاحکام وایقظہ

علماء وفتحا رہی ہیں

۲۳۲

عقد الجید - دراسات البیہ

امام رازی قاضی شوکانیؒ اور نواب صاحبؒ وغیرہ

۲۳۲

حضرت امام احمد بن حنبلؒ

بلا تخصیص کنایہ رد نصاریٰ کا کام ہے معیار الحق

۲۳۲

ایقظہ المحمم - جامع بیان العلم وشرح النظر

اولوالاشر کا اولیٰ مصداق مجتہدین ہیں

۲۲۶

تقلید سے ممانعت عالم کے لیے ہے

یہ نیز کہ وہی اہل استنباط ہیں - الجھش

۲۳۳

طاعت معروف میں ہے کہ کہ معصیت میں (نہ بخاری و مسلم)

۲۲۰

| | | | |
|-----|---|-----|--|
| ۲۴۳ | حضرت امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں | ۲۳۳ | قاری ابن عمیرؒ |
| " | امام ابن ندیمؒ سے | " | دیگر حضرات فقہاء کرام کا تقلید سے منع کرنا |
| " | علامہ علی القاریؒ سے | ۲۳۴ | میار الحق |
| " | حضرت امام ابو حنیفہؒ سند میں پیدا ہوئے | " | قرآن و حدیث کے بعد اسلام کی مدہی فقر پر ہے قرۃ العینین |
| " | حضرت عبداللہ بن الحارث کی وفات ۸۵ھ میں ہوئی | " | تعصب اور غلط سنی کی بدترین مثال |
| " | حضرت دائرہ شام کی وفات ۸۵ھ میں ہوئی | ۲۳۶ | حقیقۃ الامجاد |
| " | حضرت انس بن مالک کی وفات ۹۲ھ میں ہوئی | ۲۳۶ | الجواب |
| ۲۴۴ | حضرت محمود بن لبید کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی | ۲۳۸ | حضرت مولانا نوٹویؒ |
| " | حضرت محمود بن الربیع کی وفات ۹۹ھ میں ہوئی | ۲۳۹ | باب یازدہم |
| " | حضرت ہشام بن زیادہ البہلی کی وفات ۱۲۸ھ میں ہوئی | ۲۳۹ | حضرت امام ابو حنیفہؒ کی نمایاں خصوصیات |
| " | حضرت ابو الطفیل عامر بن دائرہ کی وفات ۱۲۸ھ میں ہوئی | " | وہ حدیث لو کان الیمان عند الشراک الاولین |
| ۲۴۲ | جمہور محدثین کرام کے نزدیک صحت روایت کے لیے امکان لقاء کافی ہے مقدمہ مسلم | ۲۳۹ | مصداق ہیں۔ |
| " | امام ابو حنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو مقدمہ مرتبہ | " | فریق ثانی کے شیخ اکل کا انکار |
| ۲۴۵ | دیکھا ہے۔ علامہ ذہبیؒ | " | اس کا جواب |
| ۲۴۵ | ان حضرات کے نام جو مؤلف امام حبیب کے تابعی ہوئے قابل ہیں | ۲۴۰ | اس حدیث کا ماتخذ |
| " | علامہ طاش کبریٰ زادہ کا حوالہ | " | حدیث یضرب الناس اکبادا بل صحیح ہے |
| ۲۴۵ | فریق ثانی کے شیخ اکل نے میار الحق میں ریڈی چوٹی کا | " | اس کا مصداق؟ |
| " | نور صرف گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ تابعی نہیں ہیں | ۲۴۱ | امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نام کی تصریح کے |
| ۲۴۶ | مؤلف میار الحق کا علامہ ذہبیؒ اور | " | ساتھ فضیلت کی سب حدیثیں جملی ہیں میار الحق |
| " | حافظ ابن حجرؒ پر پکلی اعتماد | " | حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فتنی فوقیت |
| " | یہ دونوں بزرگ امام حبیب کو تابعی کہتے ہیں | " | حضرت امام شافعیؒ سے |
| " | حافظ ابن کثیرؒ کا حوالہ | ۲۴۲ | علامہ وزیر الیانیؒ سے |
| " | | | مؤلف میار الحق کا خیال |

| | | | |
|-----|--|-----|--|
| ۲۵۳ | حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ فریق فقہ ہے | ۲۴۷ | مولانا شبلی نعمانیؒ کا حوالہ |
| " | امام شیبہؒ | " | تابعی کی تعریف |
| ۲۵۴ | امام صاحبؒ کی فتاویٰ امر مسلم ہے | " | تقریب الزاوی۔ شرح نخبة الفكر اور |
| " | مولانا خادم سید برویؒ | " | تدریب الراوی سے |
| " | مرکب سبیل رسولؐ کی گپ | " | معرفت علوم الحدیث، مقدمہ ابن الصلاحؒ |
| ۲۵۵ | اعتراف کہ جب باقی ائمہ کی تقلید بھی جائز | ۲۴۸ | اور ذیل الجواہر سے |
| " | اور حق ہے تو اخلاف ان کی تقلید کیوں نہیں کرتے؟ | " | سن تمیز |
| " | الجواب حق ہونے سے اتباع لازم نہیں آتی تو یہ صاحبؒ | " | تقریب اور تدریب سے |
| ۲۵۵ | حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عبادت۔ زہد و تقویٰ | ۲۴۹ | حضرت امام بخاریؒ سے |
| ۲۵۵ | فریق ثمانی کے شیخ اسلمؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ | " | صحیح بخاری کا حوالہ |
| " | کے عابد ہونے کا بھی انکار کیا ہے | " | تدریب الراوی اور مشق السعادة کا حوالہ |
| " | بلکہ ان کی عبادت کو بدعت کہا ہے | " | امام ابن عبد البرؒ علامہ ذہبیؒ اور حافظ |
| ۲۵۶ | الجواب | ۲۵۰ | ابن حجرؒ کے مفصل حوالے |
| ۲۵۱ | یہ دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرؓ | ۲۵۱ | مذاہب اربعہ میں فقہ حنفی کی ترجیح کی وجہ |
| " | میں کبھی تیرہ رکعت سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے | " | حضرت امام ابوحنیفہؒ روایت و روایت تابعی ہیں |
| ۲۵۷ | سموعہؒ نہیں ہے اس کے خلاف حوالے | ۲۵۱ | حضرت امام صاحبؒ کا فقہی کمال حضرت امام شافعیؒ |
| " | امام صاحبؒ نے چالیس سال تک عشاء کے | ۲۵۲ | حضرت ابن المبارکؒ اور حضرت زبید بن عمارؒ سے |
| " | وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے | " | اسی فقہی کمال اور برتری کی وجہ سے بڑے بڑے |
| ۲۵۷ | خطیب بغدادیؒ | ۲۵۲ | محدثین کرامؒ اور ائمہ جرح و تعدیل امام صاحبؒ متعلق تھے |
| " | اور جہاں امام صاحبؒ کی وفات ہوئی وہاں | " | حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ شہرانی بھی تھی |
| ۲۵۷ | سات ہزار مرتبہ مسترآن کریم ختم کیا | " | علامہ صیریؒ اور خطیب بغدادیؒ |
| ۲۵۸ | شتر ہزار کا لفظ کتابت کی غلطی | ۲۵۳ | برادر شرق و غرب قرب و بعد میں علم |
| " | یا حافظ ابن کثیرؒ کا وہم ہے | " | امام ابوحنیفہؒ نے جیسا یا (امام ابن ندیمؒ) |

| | | | |
|------------|-----|---|---|
| ۲۶۶ | ۲۵۸ | امام صاحب کے مشہور مکتبہ | عشار کے حضور سے فجر کی نماز پڑھنا قابل انکارات نہیں |
| " | " | امام ابو یوسفؒ امام محمد بن الحسنؒ | اس پر مقدمہ دوائے |
| " | " | امام زفرؒ بن المنزلؒ | دن اور رات یا صرف ایک میں قرآن کریم تم کو کرنا |
| ۲۶۷ | ۲۵۹ | یہ سب حدیث کو قیاس پر مقدم سمجھتے تھے | مقدمہ دوائے |
| " | ۲۵۸ | اس پر حوالے | ایام ممنوعہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک صوم الہرم جائز ہے |
| ۲۶۸ | " | فائدہ حضرت امام شافعیؒ نے کئی احادیث ترک کی ہیں | امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ سے |
| " | ۲۶۲ | وجہ مغالط | احادیث منی کا مطلب |
| " | " | المصنعة کی حدیث کو احناف رائے سے رد کرتے ہیں | امام نوویؒ سے |
| ۲۶۹ | ۲۶۳ | الجواب | فمن رغب عن سنتی فلیس منی کا مطلب |
| " | " | حضرت ابو ہریرہؓ فقیر اور قاضی تھے | فتح الباری سے |
| ۲۶۹ تا ۲۷۰ | ۲۶۴ | شرح اصول بندوبستی اور فتح القدیر کا حوالہ | عمدة القاری سے |
| ۲۷۰ | " | الہبہسہ کا حوالہ | حافظ ابن تیمیہؒ اور امام نوویؒ |
| " | " | حجة اللہ الباقیہ اور فیض الباری کا حوالہ | نئے شادی نہیں کی تھی |
| " | " | غیر فقیر راوی کی حدیث پر قیاس کے مقدم ہونے | ذیل طبقات الخصال و طبقات الشافعیہ |
| ۲۷۲ | ۲۶۵ | کا نظر بہ صرف امام عیسیٰ بن ابانؒ کا ہے۔ | باب دوازدم |
| " | " | حجة اللہ الباقیہ | حضرت امام ابو حنیفہؒ حدیث کو رتبے |
| " | " | بد اور الزوار کا حوالہ | اور قیاس پر مقدم سمجھتے تھے |
| " | ۲۶۵ | حدیث المصنعة کو ترک کرنے کے اعذار | حضرت امام بخاریؒ اور امام ابن العربیؒ |
| " | " | یہ نص قرآنی سے متعارض ہے | سنن حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے |
| ۲۷۳ | " | یہ انخراج بالضمان کی حدیث کے خلاف ہے | حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شرطیں حدیث |
| " | ۲۶۵ | طعم کی طعام کے سیسے سے منع جائز نہیں اور کسی یہ پانی جاتی | کے بارے تحت قیاس - تدریب الراوی |
| " | ۲۶۶ | جبران کا میل کے مقابل میں بیچنا درست نہیں | حضرت امام ابو حنیفہؒ حدیث کو رائے پر مقدم سمجھتے تھے |
| " | " | اور مصراۃ میں اس کا تحقق ہوتا ہے | ظفر الامانی - دلیل الطالب |

| | | | |
|-----|--|-----|--|
| ۲۸۱ | انجواب | ۲۷۲ | حدیث مصدقہ حرمت زنا کے حکم سے منسوخ ہے |
| " | ایضاح الادلہ کا حوالہ | " | یہ بھی عن یح النکالی النکالی کے خلاف ہے |
| " | العرف الشذیٰ او فیض الباری کا حوالہ | ۲۷۳ | اس حدیث کا مآخذ اور اس کی تصحیح |
| ۲۸۲ | حضرات صحابہ کرام سے رائے اور قیاس کی تردید | [| امام ابو حنیفہ کا قول النکاح بالمحرمات کے |
| " | حضرت عمرؓ | ۲۷۵ | سلسلہ میں قرآن و حدیث کے خلاف ہے |
| " | حضرت علیؓ | " | انجواب |
| " | حضرت ابن مسعودؓ | [| امام ابو حنیفہ کا فیصلہ اس سلسلہ |
| " | حضرت ابن عباسؓ | " | میں سب سے زیادہ سخت ہے |
| " | انجواب | " | محرمات کے ساتھ نکاح کی صورت میں قتل واجب |
| " | ان اقوال سے ایسی آراء اور قیاسات کا بطلان ہوتا | " | اور زنا کی صورت میں رجم اور کوڑے ہیں |
| ۲۸۳ | ہے جو نصوص کے مقابلہ میں ہوں اور مثبت بدعا ہوں | " | امام طحاوی کا مقام امام ابن عبد البر اور حافظ ابن حجر سے |
| " | جامع بیان العلم | " | شرح معانی الآثار کا حوالہ |
| ۲۸۶ | حضرت عمرؓ رض کی غیر موجودگی میں رائے پر عمل | ۲۷۷ | اپنی ماں سے نکاح کرنے والے کے بارے حدیث کے مآخذ |
| " | کرتے اور رائے پر فیصلہ صادر کرنے کا حکم دیتے تھے | " | شرح معانی الآثار کی مزید واضح عبارت |
| " | مندرجہ ذیل | ۲۷۹ | فتاویٰ ابن تیمیہ کا حوالہ |
| " | حضرت عثمانؓ بھی رائے پر عمل کرنے کے قائل تھے | " | نیل الاوطار کا حوالہ |
| " | حضرت علیؓ بھی رائے پر عمل کے قائل تھے | " | فتح القدیر لابن الہمام کا حوالہ |
| " | حضرت ابن مسعودؓ بھی | " | نزل الابرار کا حوالہ |
| " | مندرجہ ذیل | ۲۸۰ | محرمات سے زنا کی صورت میں حد ہے |
| ۲۸۷ | حضرت ابن عباسؓ بھی | " | شرح معانی الآثار |
| " | مندرجہ ذیل | " | یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے |
| ۲۸۸ | خود فریبی | [| حدیث البیعان یا بخیار الم تفرقہ کے |
| ۲۹۰ | باب سیزدہم | ۲۸۹ | مقابلہ میں امام حنیفہ کی تفسیر |

| | | | |
|-----|-----------------------------------|-----|---|
| ۳۰۱ | شرح العقائد - ونبراس | ۲۹۰ | فرق ثانی کے قرآنی دلائل اور ان کے جوابات |
| " | نصوص کی موجودگی میں تقلید حرام ہے | " | پہلی دلیل مآ آنا کھڑا رسول ﷺ |
| ۳۰۲ | حقہ الجید | ۲۹۱ | الجواب دوسری آیت |
| " | الغفر البکیر | ۲۹۲ | فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا بِمَا |
| ۳۰۳ | فتاویٰ عزیزی | " | اس سے استدلال کا رنگ |
| " | تہذیب العینین | ۲۹۳ | الجواب |
| ۳۰۵ | سبیل الرشاد | " | اس رنگ کے استدلال سے ذیل کی |
| " | ایضاح الادلہ | " | احادیث کا کیا مطلب ہوگا ؟ |
| " | بیان القرآن | ۲۹۷ | تیسری آیت خدا اور رسول کے حکم کے خلاف آثار کی پیروی |
| " | فتاویٰ اعادہ | ۲۹۸ | مزید دو آیتیں |
| ۳۰۶ | برورد الزاویہ | " | الجواب ان آیات میں جس تقلید کا ذکر ہے اُس کے |
| " | الاقتصاد فی التعلیل والاجتہاد | " | حرام، شرک اور مذہم ہونے میں کوئی شک نہیں |
| " | فوائد عثمانیہ | ۲۹۹ | اہل حق آثار کی پیروی کو ہے اور قرآن سے ثابت ہے |
| " | قرآن و حدیث کی تاویل کسی | " | پہلی آیت |
| " | اہل حق مصلحت نے نہیں کی | " | دوسری آیت |
| " | جہن انذار کی وجہ سے خطا | " | کفر، باطل اور محصیت میں آثار کی تقلید حرام ہے |
| " | ہوئی یا ہوتی ہے ان کا ذکر | " | تفسیر قرطبی |
| " | رفع الملام عن ائمتہ الاعلام | ۳۰۰ | تفسیر مصنفی |
| " | البقار المنین بالبقار المحن | " | روح المعانی |
| ۳۰۷ | حبیب المنفعت | ۳۰۱ | احقر اضعیل آدمی کو نہ کھجیسا کہ فلاں مجتہد اہل حق میں سے ہے |
| " | بدور الاصلہ | " | الجواب ام غزالی فرماتے ہیں کہ تو اتر اخبار اور |
| ۳۰۸ | اور ایسی غلطی سے حضرات | " | علیہ نظر سے اُسے علم ہو سکتا ہے |
| " | محمد شین کریم عجی معصوم نہیں | " | اور تو اتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ میری ہوتا ہے |

حضرت ام بخاریؓ اور ام ابن العربیؓ
حسن حدیث کو قابل احتجاج نہیں قرار دیتے
حق جہنم کے ساتھ ہے

نیل الادطار و ملک الختام
غیر ضروری بحث - معیار الحق

فتاویٰ نذیریہ

بہت ناخوشی سے دیکھ کر تھک کر

اس کا جواب ابن شیر خاں سے

غیر متقلدین نے حضرات ائمہ پوچھ کر تشیع کی ہے

ماہر صدیقی اور سوانح مولانا غفرلہ کا حوالہ

چوتھی آیت اَنْ اَنْظُرَ لَوْ يَفْعَلُ مِنْ الْحَقِّ شَيْئًا

الحجواب ظن کا معنی یقین بھی ہوتا ہے

ظن عقیدہ میں کام نہیں آتا شرح العقائد وغیرہ

اور متقلدین اجتہادی مسائل میں تقلید کرتے ہیں نہ کہ عقائد میں

پانچویں آیت

اتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ الْاٰیٰتِ

الحجواب

قرآن وحدیث کے مقابلہ میں غیر اللہ کی اتباع

منوع ہے اور متقلدین اس کے مرتکب نہیں ہیں

خود مولانا ماثراً اللہ صاحب نے اس آیت کی خلاف ورزی کی ہے

ان کی اور دلیل اور اس کا جواب

باب چہار دہم

احادیث سے تقلید کی تردید

پہلی حدیث

نماز کے بعد وائیں طرف پھرنے کو ضروری

بھٹا شیطان کا حصہ مقرر کرتا ہے

غیر ضروری کو ضروری سمجھنا مکروہ تحریمی ہے

معیار الحق

الحجواب یہ استدلال نرا مغالطہ ہے

بے علم کے لیے عالم سے سوال کرنا قرآن وحدیث

اور اقرار فریق ثانی سے واجب ہے۔

اور واجب پر اصرار مطلوب ہے

فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ الْاٰیٰتِ وَاٰیٰتِ

وجوب تقلید پر معیار الحق

ترک تقلید سے جب کفر ارتداد اور

الحکام لازم آتا ہو تو تقلید واجب ہے

بھٹو بڑا گناہ ہے مگر نبی اور بری الذمہ

انسان کی جان بچانے کے لیے واجب ہوتا ہے

نووی شرح مسلم و مسلم الثبوت

دوسری حدیث

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ بِكُلِّ

سے مذہب الہدیٰ کی تردید ثابت ہے

الحجواب

اس سے روایت استدلال درست نہیں کیونکہ نہ میں

مجاہد بن سمیع ضعیف ہے اور روایت بھی صحیح نہیں

۳۱۷

۳۱۸

۳۱۹

۳۲۰

۳۲۱

۳۲۲

۳۲۳

۳۲۴

۳۲۵

۳۲۶

۳۲۷

۳۲۸

۳۲۹

۳۳۰

۳۳۱

۳۳۲

| | | | |
|-----|---|-----|---|
| ۳۳۰ | اور یہ کہ اجارہ و رہبان کو مضموم سمجھا جائے | ۳۲۱ | کیونکہ حضرات ائمہ اربعہ نے صراحتاً تقیم کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار نہیں کیا |
| " | احکام القرآن | " | مسند داری وغیرہ کی حدیث سے اس کی تشریح |
| ۳۳۱ | انٹیکلو پیڈیا برٹانیکا کا جو کہ تقلید کی شرعی حیثیت | " | حضرات ائمہ اربعہ وغیرہم فقہاء کرام اور صوفیاء |
| " | لفظ پرپ سے حاصل قواعد نافذہ تقلید کی شرعی حیثیت | " | عظام کے راستے میں اللہ کا مصداق ہیں |
| ۳۳۲ | نہایت انعام کا حوالہ | " | تیسری حدیث |
| ۳۳۳ | باب پنزدہم | ۳۲۲ | آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت |
| " | اجماع و قیاس سے تقلید کی تردید | " | موسیٰ علیہ السلام کی پیروی بھی حرام ہی ہے |
| " | دلیل اجماع | " | الجواب |
| " | معیار الحق | " | اس سے بھی استدلال صحیح نہیں کیونکہ مذہب میں مجاہد ہے |
| ۳۳۴ | الجواب | ۳۲۳ | اور کسی تقلید نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم |
| " | مولف مدار الحق کا جواب | " | کو چھوڑ کر کسی امام کی تقلید نہیں کی |
| " | صالح زمانہ اور فساد زمانہ میں حکم جدا جدا ہوتا ہے | ۳۲۴ | چوتھی حدیث |
| " | عورتوں کو کچھ سے منع کرنے کی حدیث کا ماتخذ | " | امت کے لئے مضر فرقہ وہ ہے جو قیاس کلام نے گا |
| " | حدیث اصحابی کا نجوم الحیث | " | الجواب اکی نہ میں نعم بن حماد ضعیف ہے |
| " | پر کلام امام ابن عبد البر اور حافظ ابن القیم سے | ۳۲۵ | ایسا قیاس مردود ہے جس میں احادیث |
| " | لیکن باوجود ضعیف ہونے کے اس استدلال درست ہے | " | کی تردید بحث کی ترویج اور کتاب و سنت |
| " | امام ابن عبد البر | ۳۲۶ | سے بے پردائی ہو۔ امام ابن عبد البر |
| " | مولانا رار اللہ صاحب | " | پانچویں حدیث |
| ۳۳۵ | حضرات صحابہ کرام کی اقتدا صرف مرفوع | ۳۲۸ | اجارہ و رہبان کو میں دون اللہ تعالیٰ رب بنا |
| " | احادیث میں کی جا سکتی ہے نہ کہ موقوفات میں | " | الجواب اس کی سند میں کلام ہے |
| " | اس کا جواب | ۳۲۹ | اس سے نہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابل میں |
| ۳۳۶ | اس زمانہ میں تقلید کو واجب کیسے بغیر فساد کا | " | جبار رہبان کی بات کو تسلیم کرنا ہے معیار الحق |
| " | دروازہ نہیں بند ہوتا۔ مدار الحق | ۳۲۹ | |

| | | | |
|-----|---|-----|---------------------------------------|
| ۳۳۷ | فریق ثانی کے شیخ اسکل خود اجل و محدث کے علاوہ ہیں | ۳۳۶ | غیر تقلید کے شیخ اسکل نے احاف کے |
| ۳۳۸ | تقلید کی تردید میں قیاسی دلیل | ۴ | ہاں تقلید کے مضموم سے تغافل برتا ہے |
| ۴ | معیار الحق | ۴ | سزا مقامات میں احاف نے اہم |
| ۳۳۹ | کس نص سے دلالت النص کے طور پر | ۴ | ذفرہ کے قول پر مستوی دیا ہے شامی |
| ۳۴۰ | ہذا قیاس ہے؟ وہ نص کون سی ہے؟ | ۴ | متممۃ الطہر کے بارے میں حضرت اہم مالک |
| ۴ | ہذا الحق سے جواب | ۴ | کے قول پر مستوی دیا ہے شامی |
| ۴ | ہذا الحق کے مصنف کون تھے؟ | ۴ | اسی طرح منصور الخیر اور زوجہ معتقت |
| ۴ | حضرت مولانا محمد شاہ صاحب | ۴ | فی النفقہ وغیرہ کے بارے میں بھی حضرت |
| ۴ | ہذا الحق کا اور حوالہ | ۴ | اہم مالک کے قول پر فتویٰ دیا ہے شامی |

عرض حال

مُبَشِّرًا وَمُحَمَّدًا قَوْمًا مَّيْلًا وَمُكَلِّمًا

الکلام المفید کا اصل مسودہ تو کافی عرصہ ۱۲۔ ۱۳ بیچ الٹا ۱۳۶۸ھ سے مرتب اور مدون تھا لیکن بعض ابکات کی تکمیل کے سلسلہ میں کچھ کتابیں جو آسانی سے پڑھ سکیں اور بکے حصول کیلئے کافی کاوش کی گئی اور ان کی طرف مراجعت کیے بغیر کتاب اوصوری رہتی اس پر تشریویہ کہ تعلیم و تدریس اور دیگر کتب کی تالیف کی وجہ سے اس طرف ترجیحی زیادہ مبذول نہ کی جا سکی اور ملک کے اطراف سے الکلام المفید کی طباعت کرنے کے مسلسل خطوط آتے رہے مگر ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اس میں تعذیم و تاخیر مخلوق میں سے کسی کے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے باوجود بے حد مصروفیات و ملازمت اور کپڑائی کے اب اُسے اصل مسودہ پر کچھ مزید اضافات کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے یہ کتنا تو بے جا ہو گا کہ یہ کتاب تقلید کے مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو کو با دلائل اجاگر کرنے میں آخری کتاب ہے کیونکہ راقم اشیم کی بے بضاعتی ایسا کہنے کی اجازت نہیں دیتی جب کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ کا ارشاد ربانی بھی پیش نظر ہے مگر بفضلہ تعالیٰ قارئین کرام خود بخود محسوس کریں گے کہ تقلید کے متعلق اصولی و فروعی ابکات اور اس کے مائلہ و منالہ پر باحوالہ ایسی بکچر بکٹ کسی ایک کتاب میں انشاء اللہ العزیز نہیں ملے گی تعصب اور ضد سے بالاتر ہو کر علمی طو پر ہماری خامیوں پر آگاہ کئے والے حضرات کا ہم بجز اللہ تعالیٰ نہ دل سے شکریہ ادا کریں گے اور قابلِ اصلاح غلطیوں کی انشاء اللہ تعالیٰ ضرور اصلاح کریں گے اور ایسا ہرگز نہ کریں گے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ

نہ میں اُن کی مانوں نہ وہ نامحوں کی نہیں ماننا کوئی کسٹ کسی کا

باقی ہے وہ جذباتی حضرات جو تحریک کے جذبات کے رویں بہہ کر سب شہتم اور طعن و تشنیع پر اتر آتے ہیں تو نہ تو ان کے پلندوں کا ہم نے پہلے کبھی جواب دیا ہے اور نہ آئندہ اس کا ارادہ ہے۔ یہ عرض کرنا بھی نامناسب نہ ہو گا کہ اس کتاب میں جس طرح غیر مقلدین حضرات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

وہاں متقدمین کی اصلاح اور علمی تربیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا تاکہ افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے اجتناب کیا جاسکے اور اصل حقیقت پر نگاہ رکھی جاسکے۔ ہمارے پیش نظر کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ مسئلہ تقلید کی اصلیت کو واضح کرنا ہے۔ اگر بعض حوالوں سے کسی پر ناگواری گذرے یا علمی جواب اور گرفت کسی کے مزاج کے موافق نہ ہو تو یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ جب کہ ہم بخوبی سمجھتے ہیں کہ ایسی تفصیل عوام کے سامنے آنے سے خاصے مزاج پر ہمس ہوں گے کیونکہ ان کی گاڑی اجمالی اور گول مول باتوں پر ہی رواں دواں ہو سکتی ہے اور تفصیل سے سب اُلجھیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رفع ہو جاتی ہیں۔ قارئین کرام سے متناوبانہ گزارش ہے کہ مسئلہ تقلید کی نزاکت کے پیش نظر ٹھنڈے دل سے ساری کتاب کو پڑھ کر کوئی رائے قائم کریں چند حوالوں کو یا کسی ایک ہی بحث کو پڑھ کر نہ بانٹیں کیونکہ تقلید کی بعض قسمیں خالص شرک یا بدعت اور ناجائز ہیں ان کو جائز کہنے والا اور ان پر عامل کب فلاح پا سکتا ہے؟ اور بعض قسمیں مباح بلکہ واجب ہیں ان کے انکار کرنے سے قرآن و حدیث اور اکثر امت کے تعامل کا انکار ہو گا اور مسلمان کو کافر و مشرک اور بدعتی کہہ کر بھی کب کوئی آخر دی نجات حاصل کر سکتا ہے؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر کتب کی طرح اس کو بھی درجہ قبولیت عطا فرمائے اور راقم آئیم کے لیے زادِ آخرت بنائے اور پڑھنے والوں کو بصارت سے دیکھنے کے ساتھ بصیرت کے ساتھ دیکھنا بھی نصیب فرمائے وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ قارئین کرام! بعض مقامات پر کچھ حوالے مختصر بھی آپ کو نظر آئیں گے مگر بابر مجبوری ایسا کیا گیا ہے۔

وَلَا يَخْفَى عَلَى الْعَالَمِ

احقر ابوالزہاد محمد سرفرز

۵ رجب ۱۴۰۴ھ
۸ بریل ۱۹۸۴ء

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَلَوْ رُدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأُمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَفِطُونَ مِنْهُمْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا شَفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ

باعت تالیف

انسان ایک محتاج مخلوق ہے جو اپنی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ میں ہر چیز کا محتاج ہے مادی خورد ک ہو یا روحانی غذا اس کو حاصل کرنے کے ظاہری اسباب ہوں یا باطنی وہ ہمہ وقت ان میں سے ہر ایک کا طلبگار اور خواہاں رہتا ہے۔ اس قاعدہ کے پیش نظر تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انسان کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ وہ کس چیز کا محتاج نہیں؟ لیکن پھر بھی بعض امور مادی دنیا میں اور بعض مسائل روحانی عالم میں بے اوقات مختلف ضرورتوں کے پیش نظر بہت ہی اہم ہو جاتے ہیں اور وقتی طور پر انسان کو اپنی تمام تر توجہ ان کی طرف مبذول کرنا پڑتی ہے۔ اس تالیف کا باعث اور سبب بعض غیر مقلدین حضرات کی بے حد زیارتیاں اور تجرہ و تیناں ہیں جن کے زعم فاسد میں اپنے سوا باقی سب فرقے گمراہ مشرک اور کم از کم بدعتی ہیں۔ اس گروہ کی قدسے تفصیلی عبارتیں ہم نے احسن الکلام اور طائفہ منصورہ میں باحوالہ نقل کر دی ہیں یہاں اختصاراً بعض حوالے اور مصدقین نتائج التقلید کے چند حوالے عرض ہیں۔

(۱) مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوالشکور عبد القادر جیلانی دہلوی لکھتے ہیں

کہ حق مذہب الحمد للہ سب سے اور باقی جھوٹے اور جہنی ہیں تو اہل علم و شوق پر واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں بلفظ (سیاحۃ البکاء بن مکۃ اہل الایمان ص ۶)

اور نیز لکھتے ہیں کہ مقلدین خفیہ کے ہر دو فرقے دیوبندی اور اہل یوسی بلاشبہ گمراہ ہیں اور اہل علم و شوق جیسے مسلمان

نہیں (ص ۵) اور لکھتے ہیں کہ

خواص تو جانتے ہیں میں عوام کی خاطر کچھ عرض کرتا ہوں کہ تقلیدین موجودہ دثن وجہوں سے گمراہ اور فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں جن سے منکحت (شادی) جائز نہیں ہے وجہ اوّل یہ کہ موجودہ حنفیوں میں تقلید شخصی پائی جاتی ہے جو سرسرحرم اور ناجائز ہے (ص ۵) اور مزید لکھتے ہیں کہ سچا فرقہ اور ناجیہ اہل حدیث ہے باقی سب فی النار السقر ہیں لہذا منکحت فرقہ ناجیہ کی آپس میں ہونی چاہیے اہل بدعت سے نہ ہوتا کہ مخالفت لازم نہ آئے (ص ۲۳)

اور لکھتے ہیں کہ حنفیوں کے عقائد و اعمال ذکر کر کے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ مشرک اور بدعتی ہیں اور بدعتی کے بارہ میں حدیث سے یہ ثابت ہے کہ وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح آٹے سے بال نکل جاتا ہے جب قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ مشرکین کو نکل جاز دو اور نہ مشرکہ عورتوں سے نکاح کرو تو پھر اس زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث کس منہ سے اہل حدیث بنتے ہیں جو اہل بدعت حنفی مذہب والوں کو اپنی ملائکہاں دے رہے ہیں یہ دیدہ دانستہ قرآن و حدیث کی خلاف ورزی کر رہے ہیں الخ (ص ۱۵) نیز احضات کے بارے لکھتے ہیں

کہ مجھے تو ان کے مذہب میں قطعاً کوئی بھلائی نہیں دکھائی دیتی بلکہ ظلمات اور سیات ہی نظر آ رہے ہیں۔
(نتائج التعلیہ ص ۵۰)

ان اقتباسات سے بالکل عیاں ہو گیا کہ بقول مصوف کے حنفی گمراہ اور فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں اور ان کے گمراہ مشرک اور بدعتی ہونے کی پہلی وجہ تقلید شخصی ہے جو بقول ان کے سرسرحرم اور ناجائز ہے۔

(۲) غیر مقلد عالم مولانا محمد صاحب جو ناگزیر می۔ بَلْ يَتَّبِعُ مَا الْفَيْتَا عَلَيْهِ کہ آیاتنا الایہ کے مضمون پر مشتمل آیات کریمات نقل کر کے (جن کی تفسیر اور تشریح باحوالہ آگے آ رہی ہے انشاء اللہ العزیز) ان سے بڑھ کر غیث و نعت یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ۔ آپ قرآن کریم پر سرسری نظر ڈالیے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ انبیاء کی تعلیم کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا وہ مقلدین تھے وحی الہی کو سب سے زیادہ دھکا دینے والی چیز تقلید ہی ہے۔ الخ (طریق محمدی ص ۱۸) نیز لکھتے ہیں کہ الغرض اتباع رسول کو پرے پھینکنے کا آکہ ہر زمانے کے مخالف رسول لوگ اپنے کام میں لاتے رہے یہی تقلید ہے اگر تقلید کی مذمت میں صرف یہی آیتیں ہوتیں جب بھی اس کی بدترین حرمت ثبوت کے لیے کافی تھیں کہ یہ وہ چیز ہے جو اصل اسلام سے دنیا کو روکتی ہے الخ (ص ۱۵) انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر مفصل بحث کر رہے ہیں کہ ان آیات کریمات میں کس تقلید کی تردید ہے؟ اور اہل اسلام کس تقلید کے قائل ہیں؟ لیکن غیر مقلدین کے اس وکیل پر سخت حیرت ہے کہ ان کو تقلید کے مفاد اور مضرات تو نظر آئے ہیں۔

لیکن ترک تقلید کا کوئی بڑا اثر سرے سے دکھائی نہیں دیا وہ انشاء اللہ العزیز ہم عرض کریں گے کیونکہ

وَبَقَدْ هَاتَبْتَنِیْ الْاَشْیَاءَ

آپ کو آتا رہا میرے ستانے کا خیال صلیح سے اچھی رہی مجھ کو لڑائی آپ کی

تقلید اور مقلدین کی مذمت میں مزید حوالے ہمارے ہاں ترک تقلید کی تفصیل ہے وہ یہ کہ قرآن و حدیث اور اجماع کے دلائل کی موجودگی میں یا ان کے مقابلہ میں تقلید حرام ناجائز مذموم

اور بدعت ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے لیکن اگر کسی مسئلہ کی ان میں صراحت موجود نہ ہو تو ایسے موقع پر کسی مجتہد کی تقلید جائز ہے اور کسی ایک مجتہد کی تقلید سے بھی مکلفت عہدہ برا ہو جاتا ہے اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے جیسا کہ (سی پیش نظر کتاب میں اس کی باحوالہ مفصل بحث موجود ہے۔ مگر اکثر غیر مقلدین حضرات بلا کسی تفصیل کے تقلید اور اہل تقلید کی مذمت کرتے ہیں جس سے بعض لاعلم لوگ اور خصوصاً خود ان کے اپنے ہم مسلک عوام یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ تقلید مطلقاً بُری چیز ہے اور مقلدین مشرک بدعتی اور کم از کم غلط کار اور گنہگار اور عوام کا لانا عام ہیں ہم ان کے بعض اقوال باحوالہ نقل کرتے ہیں۔

(۳) غیر مقلدین کے استاد العلماء مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب محدث دہلوی نتائج التقلید کی تصدیق میں لکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب اپنی نظیر آپ اور بے حد مفید ہے۔ اس لیے کہ اہل تقلید وغیرہ عوام کا لانا عام جو اہل حق پر غلط اعتراض کیا کرتے ہیں الخ (نتائج التقلید ص ۱۵۸)

اور مقلدین کے مکائد و مخاطبوں کے پول کھول کر آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں (ص ۱۵۸)

(۴) ماہر تاریخ مولانا عبد الشکور صاحب نظم دارالعلوم الہمدیہ شکارہ و مدیر معاون اخبار الہمدیہ دہلی لکھتے ہیں کہ۔ تقلید کے حقیقی معنی اور مفہوم آزادی رائے آزادی خیال آزادی عقیدہ سے بہت دور ہیں حتیٰ کہ لفظ تقلید کا وجود کتاب الشرح الحمید اور دفتر احادیث میں قطعاً موجود نہیں (تقلید کا مادہ قلاوۃ ہے جس کا معنی گلے کا کار اور پڑھنا ہے وَلَا الْقَلَادَةُ كَالْجِلْدِ قَرَأَنَ كَرِيمٍ میں موجود ہے۔ پ ۱۰۰ المائدہ ۱۔ اور بخاری ص ۲۲۳ میں باب تقلید الغنم باب القلاۃ من العنن اور اور باب تقلید النعل مستقل الباب موجود ہیں جن میں پیش کردہ مرفوع احادیث میں فیقلد الغنم اور قلنت قلاۃ صا کے الفاظ موجود ہیں اور مسلم ص ۲۲۵ میں بھی قلعہ صا کے الفاظ مرفوع حدیث میں موجود ہیں مگر غیر مقلدین کو یہ لفظ قرآن و حدیث میں بالکل نظر نہیں آتے اور یہ لفظ ہمارے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ آگے استعارات (عائشہ) من اسرارہ قلاوۃ کے الفاظ تقلید کے لغوی معنی میں آتے ہیں یعنی قلاوۃ جب انسان کے گلے میں ہو تو مار کر کلاتا ہے اور حیوان کے

لگے میں ہو تو پتہ کھلا ہے) بلکہ تقلید کی بحث قرون اولیٰ کے مدت مدید بعد جاری ہوئی ہے (ص ۵)

حقائق و شواہد سے ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ کے فتاویٰ و فقہ کو ہم تک پہنچانے کے لیے جو وسائل و ذریعے اختیار کیے گئے ہیں وہ صحیح و درست اور موثق نہیں اور بالکل نہیں (ص ۵) پیروی اور اتباع صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی فرض ہے غیر نبی کی تقلید اور اتباع کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ بغداد کا توپخانہ حادثہ اور افسوسناک تباہی جس میں اٹھارہ لاکھ مسلمان مقتول ہوئے اہل تاریخ نے بالاتفاق اس کا واحد سبب شواہد و حقائق کی فرقہ پرستی اور فتنہ بازی بیان کی ہے۔ مغربیکہ مقلدین حضرت نے تقلید کو خالص اسلام قرار دیکر کتاب و سنت پر جو مظالم کیے اور مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے مولانا اشرف صاحب نے نتائج التقلید میں اس کا مختصر نمونہ بالکل صحیح حوالہ جات سے بیان کیا ہے (ص ۵)

تاریخ سے ناواقف اور خالی الذہن آدمی جب یہ سطحی اور بے حقیقت بات پڑھیں گے تو یقیناً وہ یہی تاثر لے گا کہ سچ مچ فتنہ آتار اور مسلمانوں اور بغداد کی تباہی کا سبب واقعی مقلدین کے فردی مسائل اور اختلاف و شواہد وغیرہم کے تقلیدی کارنامے تھے تو پھر تقلید کے مذموم اور محبوب ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے اس لیے ہم اس پر قدرے باحوالہ بحث کرتے ہیں۔

بغداد کی تباہی کا سبب بجائے سنی اور شیعہ اختلاف اور تاریخی فتنہ کو حقیقی اور شافعی اختلاف قرار دینا اور پھر اس کو تاریخ کا اتفاقی امر یا رو کرنا خالص جہالت اور نہ انصاف ہے

سقوط بغداد کا سبب

بغداد کی تباہی اور لاکھوں مسلمانوں کا اس میں شہید و ہلاک ہونے کا حقیقی سبب تو دین اسلام سے دوری اور خود رانی کی زندگی اختیار کرنا تھا اور ظاہری سبب یہ ہوا کہ ابن علقمی شیعہ جو خلیفہ منقسم باللہ (المتوفی ۵۶۱ھ) کا وزیر اعظم تھا خلافت بغداد کے ساتھ تعصب رکھتا تھا۔ اس نے عباسی خلافت کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا (دول الاسلام ص ۱۱۹ علامہ ذہبی) اور وہ منقسم پر حاوی تھا اس نے فوج کے ایک حصہ کو برخاست کرنے کا مشورہ دیا اور خلیفہ نے مان لیا فوج برخاست کرنے کے بعد اس نے مختلف ذرائع سے تادیبوں کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ مورخ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ فوج کو الگ کرنے کے بعد اس نے ابن صلاحی و ابی ابرہہ کے ذریعہ تادیبوں کو بغداد پر حملہ کے لیے آمادہ کیا (ابن خلدون ص ۵۳۳) حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس نے عباسی حکومت کو ٹاٹ کر علوی حکومت قائم کرنے کے لیے تادیبوں سے خط و کتابت کی (دول الاسلام ص ۱۱۹) مورخ ابوالفضل کا بیان ہے کہ ابن مفضی نے تادیبوں کو بغداد پر حملہ کرنے کے لیے لکھا اور اپنے بھائی کو تادیبی

پیام دیکر ان کے پاس بھیجا (ابوالخضر ص ۱۹۳) اہم سیوطی لکھتے ہیں کہ مستعصم کو اپنے وزیر مویہ الدین ابن علی علقمی پر بڑا اعتماد تھا اس نے ملک کو تباہ کر ڈالا وہ غلیفہ سے جس طرح چاہتا تھا کھینچتا تھا تازیوں سے ملا ہوا اور ان کا ہوا خواہ تھا اُس نے عباسی خلافت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کے لیے تازیوں کو عراق پر فوج کشی اور بغداد پر قبضہ کرنے کی طبع دلائی اور ان کی خبریں خلیفہ سے بالکل پوشیدہ رکھتا تھا (تاریخ الخلفاء ص ۴۷)

ابن علی علقمی کی خوش قسمتی سے مشہور شیعی فلسفی اور عالم ریاضی خواجہ نصیر الدین طوسی کو ہلاکو خان کے دربار میں بڑا صوغ حاصل تھا ہلاکو کے دل میں اسکی منزلت تھی کہ وہ اس کے ہر مشورہ پر عمل کرتا تھا (الوافی بالوفیات صلاح الدین صفائی ص ۱۶۱) ہلاکو خان خلیفہ المسلمین اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے بڑا خائف اور ہراساں تھا مگر طوسی نے یہ کہہ کر ہلاکو خان کی ہمت بڑھائی کہ عادت اللہ دین عالم جنس قرار گرفتہ کہ امور بر مجاری طبعیت عالم باشد مستعصم باللہ در شرف نہ رہ یجھلی بن زکریا علیہا الصلوٰۃ والسلام میرسد نہ حسین بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) وایں دولا عادی بر تیغ سر بریدند و جہاں ہم چاہاں برقرار است، یعنی اس جہاں میں عادت اللہ لیں جاری ہے کہ جہاں کی طبعیت کے مطابق امور جاری ہوتے ہیں خلیفہ مستعصم باللہ نہ تو شرافت میں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہا الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتا ہے اور نہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دشمنوں نے ان دونوں کے سر قلم کر دیے مگر جہاں اسی طرح برقرار ہے (تو بھی ہمت کر اور آگے بڑھا) چنانچہ ذوالحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو خان نے بغداد پر فوج کشی کی اور بغداد کو تباہ کر دیا مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ تھا۔ (ابن خلدون ص ۵۲۷)

عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علی علقمی نے تازیوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اس کو اس ننگ حرامی کے صلہ میں ذلت اور روائی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اور چند ہی دنوں کے بعد وہ مر گیا (تاریخ الخلفاء ص ۴۸۲) یہ سب حوالے تاریخ اسلام نصف ثانی ۶۸۹ تا ۶۹۲ھ مصنفہ شاہ معین الدین احمد ندویؒ میں مفصل مذکور ہیں، الغرض بغداد کی تباہی کا سبب شوافع اور اخلاف کی فرقہ پرستی کو قرار دیتا اور اس کو اہل تاریخ کا اتفاقی قول بتانا نہ ہی جاہل اور تاریخ اسلام سے بے خبری پر مبنی ہے محض کسی کو ماہر تاریخ لکھ دینے سے وہ ثقہ مؤرخ نہیں بن سکتا اور نہ تاریخ سے ادنیٰ سا تعلق رکھنے والا کبھی ایسی سطحی بات سے مغالطہ کھاتا ہے۔ ح

بھولے تھے نہ بھولے ہیں نہ بھولیں گے کبھی ہم ایسا نہ کیا تھا نہ کیا ہے نہ کریں گے
(۴) محدث راجپوتانہ مولانا ابو محمد عبد الجبار صاحب لکھتے ہیں مگر انوس فرقہ مقلدین اخلاف پر کہ وہ بوجہ عقیدہ شخصی

کے جو ایک بدعت نو ایجاد ہے جس کی وجہ سے آدمی جہالت میں رہتا ہے (ص ۱) چوٹی کی کتب فقہ حنفیہ ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں (ص ۱) بھائیو! دیوبندی جماعت کی مثال ایک ہاتھی کی سی ہے جس کے دکھانے کے دانت اور ہیں اور کھانے کے اور (ص ۱)

(۵) شیخ الکل حضرت میاں صاحب دہلوی کے مدرسہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب دہلوی لکھتے ہیں: نیز اکابر علماء دیوبند کے عشق و محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اذکار اتباع کتاب و سنت اور خدمت کی بات وغیرہ کے دھول کے پول کو ظاہر کرنے کے لیے اُن کی قرآن مجید کے نام پر موضوع آیات اور کتب حدیث میں قطع و برید اور تحریف و اضافہ وغیرہ کی اصح ایصح مثالیں پیش کر دی ہیں (ص ۱)

(۶) مولانا محمد اسماعیل صاحب گوہر الزلوی سابق ناظم جمعیت المدینہ مغربی پاکستان کہتے ہیں علماء دیوبند علماء دیوبند کو اُن کی علمی خدمات نے اتنا ہی اونچا کیا ہے جتنا مناظرات نے ہم کو نیچا دکھایا اور ذہنی طور پر جماعت کو قلاشس کر دیا اس علمی مرکز دارالعلوم دیوبند کی پیداوار خیالات کے لحاظ سے تین قسم پر ہے (۱) مولوی نور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ کا رجحان بدعت کی طرف ہے اور اہل حدیث سے انتہائی بغض۔ (۲) مولوی اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے معتقدین میں بدعت کم ہے مگر اہل حدیث سے بے حد بغض (۳) مولوی حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مریدوں میں توحید کی حمایت اور اہل توحید سے محبت تو ہے لیکن بعض کو سنت سے بہت زیادہ بغض ہے۔ (سنت سے بغض نہیں غیر مقلدین کی کوتاہ فہمی اور کج روی سے بغض ہے۔ صفدر) مدرسہ دیوبند میں اختلاف کے ساتھ جو چیز مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ ائمہ حدیث سے بغض ہے۔ دیوبندی اخلاف نرم ہو کر سنت سے ہلکاتے ہیں۔ اور مولوی احمد علی لاہوری وغیرہ اور بعض دوسرے لوگ اس راہ میں غلط بیانی سے علمی پرہیز نہیں کرتے مولوی خیر محمد صاحب جالندھری سے چونکہ توحید میں ایک حد تک اشتراک ہے اس لیے ائمہ حدیث ان حضرات پر بہت زیادہ اعتقاد کرتے ہیں لیکن ان حضرات میں سنت اور ائمہ حدیث سے بغض طبیعت ثانیہ ہو چکی ہے ان حضرات پر قطعاً اعتقاد نہیں کرنا چاہئے اس پہلو کو نتائج التقلید میں ذرا وضاحت سے کہنا چاہیے تاکہ یہ باہمی اعتقاد ختم ہو جائے آپس میں اختلاف سوچ کچھ کر ہو اور اگر جی چاہے کہ نہ بدل سکے (ائمہ حدیث بھائیوں کو فاضل محترم کی نصیحت سے عبرت حاصل کر لی چاہیے۔ نتائج التقلید (ص ۱) یہ غیر مقلدین کے اس بزرگ کا بیان ہے جو سیاسی طور پر بڑے متین اور سچے ہوئے اور صلح الکل تصور ہوتے تھے۔

قیاس کن زنگھان من بہار مرا

(۸) مولانا ابوالخیر عبدالستار صاحب کراچی خادم جماعت غزالی ائمہ حدیث لکھتے ہیں: ما شاء اللہ آپ نے اس میں تقیہ بھی

کی بہت اچھی پہچان کی ہے اور تقلید کے ذریعے اور بدلتا رہے موجدین کو آگاہ کیا ہے علاوہ انہیں مقلدین احسان کی تقلید کے حصول کا پول قرآن و حدیث کے مضبوط و مستحکم اور لا جواب تار پٹوں سے پاش پاش کر دیا ہے (صفحہ ۹)

(۹) مولانا محمد اسحاق صاحب صدر المذکرین و شیخ الحدیث تقویۃ الاسلام (مدیر غفران) لاہور لکھتے ہیں کہ مگر دیوبندی حضرات پر افسوس ہے جو خود رو سے فرقوں کی نسبت ائمہ حدیث سے قریب ہونے کے باوجود تقلید جامہ کی ظلمت میں پھنسے رہنے کے باعث ائمہ حدیث پر بہتان باندھنے ان کے خلاف نفرت پھیلانے ان کے اہل علم کا استخفاف کرنے اور کتاب و سنت کی نشر و اشاعت میں ان کی ممانعت کیلئے کو نظر اتھکا دیکھتے ہیں کسی سے چھپے نہیں ہیں (صفحہ ۱۰) مولانا نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ ائمہ حدیث سے ان لوگوں کے بغض و عناد کی اصل وجہ صرف یہی تقلید جامہ ہی ہے جس نے ان کی بصارت اور بصیرت دونوں کو ناکارہ کر رکھا ہے (صفحہ ۱۰)

(۱۰) مولانا نتائج تقلید لکھتے ہیں کہ مقلد اور متبع سنت کا اتحاد اور باہمی رواداری اور عقیدت ناممکن ہے، خصوصی دیوبند حضرات سے (حاشیہ ص ۱۱)

(۱۱) مولانا عبد الجلیل صاحب دہلوی مدیر صحیفۃ الحدیث لکھتے ہیں۔

کہ تقلید کے ایسے بد نتائج ایسے زہریلے اثرات سر بلع اور زور تک پھیلانے والے جراثیم ہیں کہ ان کی تعدی ان کے حملوں اور ان کی پست سے کلام اللہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام تابعین خلفاء محدثین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بڑے سے بڑے ارباب علم و فضل مصنفین و مآثورین اور سلامت نہیں رکھتے (صفحہ ۱۲)

(۱۲) صدر المذکرین رحمانیہ دہلی مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے وہ حضرات جو دیوبندی صاحبان سے کسی قسم کا حسن ظن رکھتے اور ان پر اعتماد کرتے ہیں خصوصیت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں دیوبندی مسلک کے والہ سب ہی حضرات اہل سنت اور ائمہ حدیث سے انقباض اور بغض و نفرت میں مشترک ہیں (صفحہ ۱۳) اللہ تعالیٰ دیوبندی مولوی صاحبان کے مکائد سمجھنے اور ان سے ہوشیار رہنے کی توفیق بخشے (صفحہ ۱۳)

غیر مقلدین حضرات کے تقلید اور اہل تقلید کے متعلق یہ چند حوالے مشتے نمود از غرور سے ہے ورنہ ان کی متعدد

کتابیں مثلاً معیار الحق - غفر المبین - ہدایۃ البیید فی رد التقلید الارشاد والی بیل الرشاد - حقیقۃ الاحکام - مذبح الحدیث -

تقلید شخصی و سنی طریق محمدی ضرب محمدی بیل رسول اور نتائج تقلید وغیرہ کتابیں اسی تعصب کے پڑ ہیں ان کتابوں کے مؤلفین اور ان کے جملہ مصدقین نے دنیا کی تمام مذہبی اور سیاسی قباہتیں تقلید میں بند کر دی ہیں اور بلا کسی تفصیل کے

سب باتوں کی جڑ تقلید بتائی ہے اس لیے ہم بھی کچھ سوچنے اور لکھنے پر مجبور ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے ؟ اور

غیر متکلمین نے کیا بنا ڈالی ہے؟ اگرچہ علماء ربانی نے مختلف زبانوں اور متعدد اسالیب میں اس مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو پر قدمیاً و حدیثاً بہت کچھ تحریر فرمایا ہے مگر رقم الثیم کا بھی خیال ہو کہ ایک نئے طرز اور جدید انداز میں اس پر کچھ تحریر کر دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو نفع اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے اور شاید کہ فریق ثانی کے مصنف مزاج حضرات پوری حقیقت سامنے آنے کے بعد اپنی ضد و عناد اور تعصب کے باز آجائیں اور جمہور امت کی تکلیف و تنبیہ کر کے خدا تعالیٰ کی ناراضگی مولیٰ و ضریر میں اس لیے کہ عوام لاعلمی کے وقت غیر منصوص مسائل میں حضراتِ ائمہ دین کا دامن چھوڑ کر کب کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں؟ انہیں حضرات کی سعی سے دنیا میں علم و عرفان کی روشنی پھیلی ہے اور مسلمانوں میں علمی ذوق و شوق اور شعور پیدا ہوا ہے۔

تجھ سے ملتی ہے جہاں کو وسعت فکر و نظر علم کے دریا کا سرچشمہ ترے دیوار و در
وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی رسولہ خیر خلقہ و علی آلہ و اصحابہ
و ازواجہ و اتباعہ الی یوم الدین آمین

ابوالزہاد محمد سر فراز

مقدمہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تقلید کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کے بارے میں بعض ضروری اور اہم باتیں یہاں ہی عرض کر دیں۔

تقلید کا لغوی معنی | تقلید کا مادہ قلدۃ ہے یہ قلدۃ جب انسان کے گلے میں ہو تو ہار کہلاتا ہے اور حیوان کے گلے میں ہو تو پیہ کہلاتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے استعارت

من اسماء قلدۃ الحدیث (بخاری ص ۴۸ و مسند ۵۳۲ و مسلم ص ۱۶) حضرت اسماءؓ سے ہار مانگا تھا (اور پہنا) اور نیز انہوں نے فرمایا کہ

اِنْسَلْتُ قِلَادَةً لِي مِنْ صَنَعِي فَوَقَعَتِ الْحَدِيثَ
میرا ہار گردن سے سرک کر نیچے گر پڑا
(مذاہم ص ۲۴۲)

اور حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے باب القلائد اور استعارۃ القلائد کے مستقل ابواب قائم کیے ہیں جن میں ہار پہننے اور ضرورت کے وقت عورتوں کا ایک دوسری سے ہار مانگنے کا تذکرہ ہے پھر احادیث سے اس کا اثبات کیا ہے (ملاحظہ ہو بخاری ص ۸۴۲ و مسند ۸۴۲) مشہور لغوی علامہ قرشیؒ فرماتے ہیں کہ

تقلید در گردن افگندن جیل و غیر آن کے (اصح، طبع مجیدی کلکتہ)
تقلید کا معنی کسی کے گلے میں ہار وغیرہ ڈالنا
اور نیز فرماتے ہیں

و چیزے در گردن ستور قربانی در آویختن بحسب
اور قربانی کے جانور کی گردن میں بطور علامت کوئی
علامت (ص ۱۴۳) چیز لٹکا دینا۔

اور امام ابو الفتح ناصر بن عبد اللہ المطرزی (المتوفی ۴۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ

تقلید الہدی ان یعلق بعنق البعید
قطعہ فعل او مزادۃ یعلم انہ ہدی
قربانی کے جانور کی تقلید یوں ہے کہ اونٹ (وغیرہ) کے گلے میں جوتی یا چمڑے کا ٹکڑا باندھ دیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔
(المغرب ص ۱۳۱ طبع دائرة المعارف دکن)

اور علامہ ابن الاثیر (ابو العادات مبارک بن محمد المتوفی ۶۰۶ھ) اور علامہ محمد طاہر (المتوفی ۹۸۶ھ) بھی یہی معنی

کہتے ہیں کہ گائے اور اونٹ وغیرہ کی گردن میں کوئی چیز ڈالنے کو تقلید کہتے ہیں (النتاہ ۲۵۱ و مجمع البحار ۱۶۶) اور لغت کی جدید اور معروف کتاب مصباح اللغات ص ۶۴ میں ہے۔

قَدْ دَفِیْ كَذَا۔ اس نے اس کی فلاں بات میں بغیر غور و فکر کے پیروی کی تقلید کے اس لغوی معنی میں تقلید اپنے اہم پر اس کے علم و تقویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے قول کو اپنے گلے کا ہار بناتا ہے۔ الحاصل لفظ قلادہ جب انسان کے لیے بولا جائے گا تو اس سے ہار مراد ہوتی ہے اور جب حیوان کے لیے بولا جائے تو اس سے گلے کا پٹہ مراد ہوتی ہے انسان کے لیے بجانے ہار کے حیوانوں کا پٹہ ہی مراد لینا اور اس پر اصرار کرنا نہ صرف یہ کہ کھل کی خانی ہے بلکہ اخلاقی پستی بھی ہے۔

بجائے اس کے کہ ہم تقلید کا اصطلاحی اور عرفی معنی اصول فقہ اور دیگر کتابوں (مثلاً مسلم الثبوت، التوضیح والتلویح، تحریر الاصول، فوائذ الرحوت، نامی المستصفی،

غایتہ التحقیق، مختلفہ الحصول، مسند الاصول، اصول ابن الحاجب، عقد الفرید، نور المعالی شرح بألامالی۔ اور شرح جمیع الجوامع وغیرہ) سے نقل کریں اور اس کے لیے طویل راستہ اختیار کریں زیادہ بہتر اور مناسب سمجھتے ہیں کہ فریق ثانی کے شیخ اہل حضرت مولانا سید زبیر حسین صاحب دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ) سے نقل کر دیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ معنی تقلید کے اصطلاح میں اہل اصول کی یہ ہیں کہ مان لینا اور عمل کرنا ساتھ قول بلا دلیل امر شخص کے جس کا قول محبت شرعی نہ ہو۔ تو ہمارے اس اصطلاح کی رجوع کرنا عامی کا طرف مجتہدوں کی اور تقلید کرنی ان کی کسی مکہ میں تقلید نہ ہوگی۔ کیونکہ لاعلمی کے وقت ان کی طرف رجوع کرنا نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور وہ شخص اہل الذکر اور اہل علم کی بات ماننے کا شرعاً مکلف ہے۔ (ص ۶۶) بلکہ اس کو اتباع اور سوال کہیں گے اور معنی تقلید کے عرف میں یہ ہیں کہ وقت لاعلمی کے کسی اہل علم کا قول مان لینا اور اس پر عمل کرنا اور اسی معنی عرفی میں مجتہدوں کے اتباع کو تقلید بولا جاتا ہے الخ (معیار الحق ص ۶۶) اور پھر عقد الفرید کا حوالہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور فاضل (حبیب اللہ) قد صاری مختلفہ الحصول میں فرماتے ہیں (ہم حضرت میاں صاحب کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں) تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا ہے جس کا قول مجتہدوں شرعیہ میں سے نہ ہو کہ رجوع کرنا انحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اجماع کی طرف تقلید نہ ٹھہری اور اسی طرح رجوع کرنا انجان کا مفتی کے قول کی طرف اور رجوع کرنا قاضی کا فقہ آدمی کے قول کی طرف تقلید نہیں ٹھہری گی کیونکہ یہ رجوع حکم شرع واجب ہے بلکہ رجوع کرنا مجتہد یا انجان کا اپنے جیسے آدمی کی طرف تقلید نہیں لیکن مشورہ یوں ہو گیا ہے کہ انجان مجتہد کا تقلید

اہم ائمہ میں نے کہا ہے کہ اسی قول مشہور پر بڑے بڑے اصولی ہیں اور غزالیؒ اور آمدیؒ اور ابن الحاجبؒ نے کہا ہے کہ رجوع کرنا آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اجماع اور مفتی اور گواہوں کی طرف اگر تقلید قرار دیا جاوے تو کوئی حرج نہیں پس ثابت ہوا کہ آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پیروی کو اور مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہنا مجوز ہے انتہی بلفظہ (معیار الحق ص ۶۷) اس مفصل عبارت سے ذیل کے اہم فوائد ثابت ہوتے ہیں۔

- (۱) لاعلمی کے وقت کسی مسئلہ میں مجتہدین کی طرف رجوع کرنا درحقیقت تقلید نہیں بلکہ اتباع اور سوال ہے۔
- (۲) مجتہدین کی اتباع کو تقلید بھی کہا جاتا ہے یعنی بالمال اتباع اور تقلید ایک ہی چیز ہے ان میں کوئی فرق نہیں۔
- (۳) لاعلم اور انجان آدمی کا مفتی کے قول کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں بلکہ یہ حکم شرع واجب ہے لیکن بڑے بڑے اصولیوں کے قول کے مطابق اس کو تقلید کہنے میں بھی کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے۔

(۴) جس طرح مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہنا جائز ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کو بھی تقلید کہنا جائز ہے اس تفصیل کو ملحوظ رکھنے کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مجتہدین کی اتباع اور تقلید کرتا ہوں یا یہ کہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقلد ہوں تو درست اور صحیح ہے اور اس پر کوئی ملامت اور لعن طعن نہیں ہو سکتا اور نیز جو حضرات تقلید اور اتباع کو ایک ہی مفہوم میں لیتے ہیں ان پر بھی کوئی گرفت نہیں ہو سکتی مثلاً حضرت مولانا قاضی محمد اعلیٰ صاحب تھانویؒ والمتوفیؒ سے تقلید کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ۔

التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقداً للحقیقۃ من غیر نظر الی الدلیل کأن هذا المتبع جعل قول النیر او فعلہ قلاوۃ فی عنقہ من غیر مطالبۃ دلیل

تقلید کا معنی یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کے قول یا فعل میں محض حسن عقیدت سے اس کی اتباع کرے اس کو حق سمجھتے ہوئے بغیر دلیل کے ملاحظہ کرنے کے گویا اس اتباع کرنے والے نے غیر کے قول یا اس کے فعل کو بغیر دلیل کے مطالبہ کے اپنے گلے کا ٹکڑا بنا لیا ہے۔

(کشاف اصطلاحات الفنون ص ۸۸ طبع کلکتہ)

اس عبارت میں تقلید کا معنی ہی اتباع وغیرہ بالطلب دلیل کے بیان کیا گیا ہے

علامہ ابن ماکہؒ اور علامہ ابن العینیؒ فرماتے ہیں کہ

وهو عبارة عن اتباعه فی قوله او فعله معتقداً للحقیقۃ من غیر تأمل فی الدلیل

تقلید دوسرے کے قول یا اس کے فعل میں اس کی اتباع کا نام ہے یہ اعتقاد کرتے ہوئے کہ وہ حق ہے بغیر اس کے کہ دلیل کی فکر

میں پڑے (کہ اس کی دلیل کیا ہے؟)

(شرح منار صری ۲۵۲)

اس عبارت میں بھی تقلید کی تفسیر اتباع سے کی گئی ہے۔

۲۔ حامی کی شرح نامی طبع مجتہبی دہلی ص ۱۹ میں ہے۔

التقلید اتباع الفیہ علی ظنّ اندہ محقق بلا فظروف الدلیل
تقلید غیر کی اتباع کا نام ہے۔ دلیل کی طرف دھیان کیے
بغیر اس خیال سے کہ غیر اہل حق میں سے ہے۔

یہ عبارت بھی تقلید اور اتباع کے ایک ہونے پر صراحت سے وال ہے اور اس میں لفظ الدلیل پر لام عید کے
لیے ہے یعنی وہ خاص دلیل جس کو محدث نے پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے اور من غیر نظر الی الدلیل اور من غیر مائل فی الدلیل
اور من غیر مطابۃ الدلیل میں اسی خاص دلیل کی طرف اشارہ ہے اس دلیل سے وہ دلیل مراد نہیں جو تقلید اپنی طرف
سے پیش کرتا ہے۔

۳۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں۔ اور اتباع و تقلید کے معنی واحد ہیں (سبل الرشاد ص ۲۷)
ماخوذ از غیر التقلید ص ۱ تا ص ۱۳

بعض غیر متقلدین حضرات نے اس پر خاصا زور صرف کیا ہے کہ
تقلید اور اتباع میں مغایرت کا دعویٰ
تقلید اور چیز ہے اور اتباع اور ہے اور ان کا خیال ہے کہ اتباع
محدود و مطلوب ہے اور تقلید مذموم و ممنوع ہے اور کہتے ہیں کہ ہم اتباع سلف کے تو مامور ہیں مگر تقلید سلف کے
مأمور نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ دونوں میں فرق ہے چنانچہ مولانا شار اللہ صاحب امرتسری (المتوفی ۱۳۴۸ھ)
تحریر کرتے ہیں کہ

ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اتباع سلف کے مامور ہیں تقلید سلف کے مامور نہیں تقلید اور اتباع میں بہت
فرق ہے تقلید محض قول بلا معرفۃ دلیل کے مستبول کرنے کا نام ہے اور اتباع علی وجہ البصیرت قبول کرنے
کا نام۔ ملاحظہ ہو اعلام الموقعین حافظ ابن القیم ص ۲۸۵ ھ (تقلید شخصی و سلفی ص ۷۲) اور یہی بات مؤکف حقیقتہ
الاکھاد نے ص ۱۱ میں تقلید اور اتباع کے عنوان سے بحوالہ اعلام الموقعین نقل کی ہے۔ مگر یہ سب کاوش بے سود
اولاً اس لیے کہ ہم بحوالہ کتب اور فرقی ثانی کے شیخ اکل کے اقرار سے یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ تقلید اور اتباع
ایک ہی چیز ہے دہانیا جس طرح تقلید کی تعریف میں بلا معرفۃ دلیل کے الفاظ منقول ہیں اسی طرح بلا مطابۃ دلیل
کے الفاظ بھی منقول ہیں جیسا کہ پہلے نقل کیے جا چکے ہیں جس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگرچہ اپنی جگہ پر دلیل موجود ہے

لیکن مقلد اپنے اہم اور مجتہد پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے دلیل کا مطالبہ نہیں کرتا اور یا مقلد اس خاص دلیل کو تو نہیں جانتا جو مجتہد کے علم اور ذہن میں ہے لیکن خود اپنی طرف سے دلیل پیش اور قائم کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کو حضرت مسکن میں امام کی دانستہ درکار ہے جیسا کہ اکثر حضرات فقہاء کو اہم

و اثبات اتباع میں علی وجہ البصیرت سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد یہ ہے کہ وہ مسئلہ اور اس کی دلیل دونوں کو علی وجہ البصیرت جانتا ہے تو پھر اسے کسی کی اتباع کی کیا ضرورت ہے؟ اتباع تو دلوں ہوتی ہے جہاں علم سے محروم ہو یا علم میں کمی ہو علی وجہ البصیرت علم کے ہوتے ہوئے پھر دوستی کی اتباع کا داعیہ اور محرک کیا ہے؟ دراصل اس مقام میں علی وجہ البصیرت اتباع کا یہ مطلب ہے کہ اتباع کرنے والا اپنی عواہد اور واقعات کے مطابق پوری طرح مطمئن ہے کہ میں جس کی اتباع کرتا ہوں وہ اس قابل ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور اس سلسلہ میں اسے کوئی تردد نہیں اور یہی مطلب ہے تقلید کی تعریف میں محققہ الحقیقہ اور علی الظن انہ محق کا کہ تقلید کرنے والا جس کی تقلید کرتا ہے اس کو حق پر اور اہل حق میں سے سمجھتا ہے اور اس میں اسے کوئی تردد نہیں لہذا اتباع کی تعریف میں علی وجہ البصیرت کے جملہ کو تقلید کے خلاف سمجھنا غیر معقول بات ہے کیونکہ یہ جملہ محققہ الحقیقہ اور علی ظن انہ محق کے ہم لپہ بنے اور دونوں کا مضموم ایک ہے الحاصل تقلید اور اتباع دونوں مضموم کے لحاظ سے ایک ہیں ان میں مغایرت ثابت نہ کرنا صرف کم فہمی کا نتیجہ ہے۔

حافظ ابن القیم کا ارشاد اور اس کی حقیقت؟
حوالے سے لکھتے ہیں کہ تقلید کا شرعی معنی یہ ہے کہ کسی ایسے
قول کی طرف رجوع کرنا جس کے قائل کی اس قول پر دلیل نہ ہو اور شریعت میں ایسی تقلید سے منع کیا گیا ہے اتباع
وہ ہے جس کے کرنے پر دلیل موجود ہو اگر تو نے کسی ایسے شخص کے قول کی تابعداری کی کہ اس تابعداری کو تجربہ پر کوئی
دلیل شرعی واجب نہیں کرتی تو آپ اس شخص کے مقلد ہیں اور تقلید اللہ تعالیٰ کے دین میں صحیح نہیں اور اگر کسی کے
قول کی تابعداری کو کوئی شرعی دلیل تجربہ پر واجب کرتی ہو تو وہ اتباع ہے اور اتباع اللہ تعالیٰ کے دین میں جائز
کی گئی ہے اور تقلید کو منع کیا گیا ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۱۶۸) لیکن اس عبارت کے پیش نظر اہل اسلام کی
جائز تقلید کو ممنوع قرار دینے پر استدلال مردود ہے اولاً اس لیے کہ فقیہ مذکور کا ترجمہ علامہ ابن فرحون یوں نقل کرتے
ہیں محمد ابو حنیفہ بن خوزیمہ ابو عبد اللہ الخ و اور ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ

ولم یکن بحسب النظر ولا قوی الفقہ
 الی قولہ وكان بجانب الكلام وینافض

ان کی رائے عمدہ نہ تھی اور فقہ میں بھی کمزور تھے (پھر آگے
 فرمایا کہ) وہ علم کلام سے اجتناب اور متکلیفین سے نفرت

اهلہ حتی یؤدی ذلک الخ منافرة
المتکلمین من اهل السنة ویحکو علی
الکل منهم بانفسهم من اهل الاھواء
الذین قال مالک فی مناقحتہم وشہادۃہم
وامامتہم وتنافرہم ماقال

(الدیباج المذہب ص ۲۶۸)

کرتے تھے یہاں تک اہل السنۃ والجماعت کے سب
حضرات پر اہل اھواء ہونے کا حکم لگاتے تھے جن اہل لطوی
کے بارے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ نہ ان سے نکاح
ہو نہ ان کی گواہی قبول ہو اور نہ ان کی افتداریں مناز
پڑھی جائے بلکہ ان سے نفرت کی جائے۔

غور فرمائیں کہ حضرت امام مالکؒ نے تو اہل اھواء پر مردود الشادۃ وغیرہ کا حکم لگایا ہے اور فقہ مذکور نے اہل السنۃ
والجماعت کے علماء مفت اندر متکلمین مثلاً امام ابو الحسن اشعریؒ، علی بن اسماعیل المتوفی ۳۲۰ھ، امام ابو منصور ماتریدیؒ،
محمد بن محمد بن محمود السمرقندی المتوفی ۳۲۵ھ، امام ابو بکر باقلانیؒ، امام ابو بکر بن الطیب الملقب بشیخ السنۃ ولسان اللہ المکمل
علیٰ ذہیب اہل السنۃ واہل الحدیث المتوفی ۴۰۲ھ، امام الحرمینؒ، والو المعالی عبد الملک الجرجسیؒ المتوفی ۵۰۰ھ، امام
محمد بن محمد الغزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) وغیرہ پر بھی یہ حکم چسپاں کر دیا ہے تو ایسے علمی ذہن کے آدمی کی بات کا شرعاً و عقلاً
کیا اعتبار ہو سکتا ہے وثائق تقلید کی صرف یہی تعریف نہیں جس میں یہ الفاظ ہیں لا حجتہ لعلہ علیہ بلکہ تقلید کی وہ
تعریف بھی ہے جس میں من غیر مطابقت دلیل کا جملہ بھی ہے کہ اپنی جگہ دلیل ہو لیکن مقلد دلیل کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وثائق اس
عبارت میں اس حرام اور ممنوع تقلید کا ذکر ہے جس کے بارے میں کوئی دلیل نہ ہو اور وہ ممنوع ہے۔ باقی رہا علمی کے
وقت اہل علم کے کسی فرد کی طرف رجوع کر کے اس کی بات کو تسلیم کرنا تو یہ تو نص قطعی سے ثابت ہے فاسئلہ
اصل الذکر ان کنتم لا تعلقون اور انما شفت الہی السوال وغیرہ حدیث اس پر مستزاد ہیں کہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ
پھر یہ تقلید ممنوع کیسے ہوگی اور انجاء یہ کہ تقلید اللہ تعالیٰ کے دین میں صحیح نہیں اس سے کیا مراد ہے اگر تو عقائد اور اصول
دین میں تقلید مراد ہے تو بحساب اسی طرح اگر انصوص اور احادیث صحیحہ صریحہ کے مقابلہ میں تقلید مراد ہے تب بھی صحیح ہے
کہ یہ ممنوع ہے اور یہ بات محل نزاع سے بالکل خارج ہے اور اگر جاہل کے لیے لاعلمی کے وقت دینی مسائل میں
اہل علم کی طرف رجوع کر کے ان کی بات کو تسلیم کرنا مراد ہے تو اس کو ممنوع قرار دینا قرآن وحدیث کے کھٹلی
بغضت اور صریح جہارت ہے اور کسی بھی ملک کا کوئی بھی عالم اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ خواہ شمس دلیل سے
اتباع جائز اور درست ہے اسی سے تقلید اہل اسلام بھی جائز اور درست ہے کیونکہ تقلید اور اتباع دونوں ایک
میں تو پھر ایک کو جائز قرار دینا اور دوسری کو ممنوع کہنا سراسر باطل ہے اور جو تقلید ممنوع ہے اس کا اہل اسلام

میں کوئی بھی قائل نہیں لہذا جائز اور ناجائز کو گڈ نہ کر کے محض مرکب تیار کرنا کسی نامحذور و خطرہ جان حکیم ہی کا کام ہو سکتا ہے
۸۔ مگر فرق مراتب نہ کنی نہ ذلتی

اعترض | فریق ثانی مسلم الثبوت (ص ۲۸۹) وغیرہ کتب کے حوالے سے تقلید کی تعریف التقلید اخذ قول الغیر من غیر حجۃ ذکر تقلید کا معنی یہ ہے کہ غیر کے قول اور بات کو بغیر دلیل کے تسلیم کر لینا نقل کر کے اعتراض کرنا ہے کہ پھر قہر کے بہت سے حضرات فقہاء کرام تو مقلد نہ ہوئے مثلاً امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن الحسنؒ، امام زفرؒ، امام طحاویؒ، امام کرخیؒ، امام ابو الجراحؒ، امام البیضاویؒ، امام مرغینانیؒ، امام کاسانیؒ، امام سرخسیؒ، علامہ عینیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ اور ملا علی القاریؒ وغیرہم۔ کیونکہ یہ سب حضرات مسائل کے دلائل بھی پیش اور بیان کرتے ہیں۔ اور تقلید کا معنی یہ ہے کہ غیر کی بات کو بلا دلیل محض اس پر حسن ظن کرتے ہوئے مان لینا اور تسلیم کر لینا۔

الجواب : یہ اعتراض بے وزن اور بے وقعت ہے۔ اولاً اس لیے کہ غیر مقلدین حضرات مسلم الثبوت کی پوری عبادت نقل نہیں کرتے ورنہ کسی صاحب فہم کو شبہ باقی نہ ہے اور غالباً اسی میں وہ اپنے لیے خیر سمجھتے ہیں عبادت یہ ہے۔

فصل التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ کاخذ العامی والمجتہد من مثله فالرجوع الی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام او الی الاجماع لیس منہ وکذا العامی الی المفتی والقاضی الی العدول لا یجوز بالنص ذلک علیہا لکن العرف علی ان العامی مقلد للمجتہد قال الامام وعلیہ معظم الاصولیین اھ
(مسلم الثبوت ص ۲۸۹)

فصل۔ تقلید غیر کے قول پر بغیر حجت کے عمل کرنے کا نام ہے جیسا کہ عامی اور مجتہد کا اپنے جیسے (عامی اور مجتہد) کے قول کو لینا پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے اور اسی طرح عامی کا مفتی اور قاضی کا عادلوں کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں ہے کیوں ان پر ایسا کرنے کو نص واجب قرار دیتی ہے مگر عرف (اسی پر ہے کہ عامی مجتہد کا مقلد ہے) (امام الحرمینؒ) فرماتے ہیں کہ اسی پر اکثر ائمہ و

اس عبارت سے واضح ہوا کہ اصطلاحی طور پر تقلید کا یہ مطلب ہے کہ جس کا قول حجت نہیں اس کے قول پر عمل کرنا مثلاً عامی کا عامی کے قول اور مجتہد کا مجتہد کے قول کو لینا جو حجت نہیں ہے بخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ آپ کا فرمان تو حجت ہے اور اسی طرح اجماع بھی حجت ہے اور اسی طرح عام آدمی کا مفتی کی طرح رجوع کرنا فاکما شئتموا اھل السدکۃ الذینہ کے تحت واجب ہے اور اسی طرح

قاضی کا ممکن ترمیم و من الشہادہ اور یحکموا بیه ذوا عدل منکم کے تحت عدول کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں ہے کیونکہ شرعاً ان کا قول حجت ہے۔

لیکن عام ارباب اصول کے عرف میں مجتہد کے قول کو ماننے والا بھی مقلد کہلاتا ہے حالانکہ مجتہد کا قول اس کے لیے حجت ہے یہ من غیر مجتہد کی مدد اور زور میں نہیں ہے اور علماء اصول کی اکثریت اسی پر ہے لہذا مجتہد کی تقلید پر من غیر مجتہد کی تعریف کو فٹ کرنا اور مجتہد کے قول کو غیر حجت قرار دینا ارباب اصول کی واضح عیارت و غفلت پر مبنی ہے کیونکہ عامی جب خود علم نہیں رکھتا تو علم والوں کی طرف مراجعت کے بغیر اس کا چارہ ہی کیا ہے؟

۴۔ مگر علم نہیں تو زور و زور ہے بے کار مذہب جو نہیں تو اذیت بھی نہیں دیتا اس لیے کہ ہم نے باحوالہ تقلید کی تعریف میں من غیہ مطالبہ دلیل اور من غیہ قاضی فی الدلیل اور بلا نظر فی الدلیل کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گو اپنی جگہ دلیل موجود ہے۔ لیکن مقلد دلیل کا طالب نہیں۔ اور اس خاص دلیل کا فخر منہ نہیں جو مجتہد نے قائم کی ہے۔ کیونکہ الدلیل میں اہل لام علم کے لیے ہے غرضیکہ تقلید کی تعریف صرف یہی نہیں جو مسلم الثبوت وغیرہ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے بلکہ وہ بھی ہے جو ہم نے نقل کی ہے۔

والتا، اس لیے کہ یہ تعریف تفصیل طلب ہے۔ کیونکہ یہاں دو مقام ہیں۔ (۱) یہ کہ غیر کے قول کو محض اس پر حسن ظنی اور اعتماد کرتے ہوئے تسلیم کرنا دلیل ہو یا نہ ہو (۲) دلیل اگرچہ اپنے مقام پر موجود ہے۔ لیکن مقلد غیر کی بات ماننے میں دلیل کا محتاج نہ ہو۔

مقام اول پر بھی کافی دلائل موجود ہیں کہ غیر کی بات کو اس پر حسن ظنی کرتے ہوئے مقبول کر لیا جائے۔ ہم اختصار کے ساتھ بعض احادیث اس پر نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب مجوسی عمامہ نے زخمی کر دیا اور حالات نے یہی بتلایا کہ نہ یہ زخمیوں کی تاب نہ لانے کی وجہ سے اب آپ بچ نہیں سکتے تو حضرت عمرؓ نے خلافت کے متعلق فرمایا۔

ان استخلفت فان ابابکر قد استخلف وان لم استخلف فان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم يستخلف
 اگر میں خلافت کے لیے کسی کو نامزد کروں تو بے شک حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کے لیے (مجھے) نامزد کیا تھا اور اگر میں خلافت کے لیے کسی کو نامزد کروں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (میں) کو نامزد کیا تھا۔
 ان تعین نام نے کہ کسی کو نامزد نہیں کیا تھا۔

یعنی میرے لیے دونوں باتوں کی گنجائش ہے کہ نامزد کروں یا نہ کروں۔ اب دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان توحید تھا ہی لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس فعل کو بھی نظر اٹھان بجھتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ اپنے دماغ میں جگہ جیتے ہیں۔ اس مقام پر بظاہر دلیل کوئی بھی نہیں۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ کی عظمت شان اور ان پر حسن ظنی حضرت عمرؓ کو ایسا کہ نے پر مجبور کرتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ چودھویں صدی کا کوئی مجتہد حضرت عمرؓ کے اس قول سے چین بچیں ہو کہ حضرت عمرؓ پر ہی پارس پڑے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی سنت کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے برابر کھڑا کر دیا ہے۔ جس میں شان نبوت کی توہین ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے یہ سمجھنا کو تو فہمی ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عمل کے نقل کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایک اختیاری فعل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پہلو اختیار کیا ہے۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے دوسرا پہلو لے کر واضح کر دیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ مقرر نہ کرنا اس لیے نہ تھا کہ خلیفہ مقرر کرنے کا حق بنی یا خلیفہ اول کو نہ تھا۔ یا یہ شرعاً ناجائز تھا۔ بلکہ یہ دونوں پہلو جائز ہیں۔ اور خلیفہ اس میں آزاد ہے۔ حسب مصلحت وقت اگر چاہے تو کسی کو نامزد اور مقرر کر سکتا ہے جیسے حضرت ابو بکرؓ نے کیا۔ اور اگر چاہے تو نہ مقرر کرے۔ جیسے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ حضرت امام نوویؒ کے الفاظ دیکھیے۔ فرماتے ہیں۔

فان توكله فقد اقتضى ببول الله
 یعنی خلیفہ نے اگر خلافت کے لیے کسی کو نامزد نہ کیا تو آنحضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدار کی۔ اور اگر نامزد کر دیا تو
 اقتدائی باہی بکثر (نووی شرح مسلم ص ۱۳۲)
 حضرت ابو بکرؓ کی اقتدار کرنی

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 حضرات صحابہ کرامؓ اچھی طرح جانتے ہیں کہ

الی من اعلمهم بكتاب الله (بخاری ص ۲۴۸)
 میں ان سب سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو زیادہ جانتا ہوں
 اور علامہ ذہبیؒ۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ ابن سعد کے الفاظ میں

ثم انتهى علم السلف الى علي بن ابي طالب
 پھر ان چھ حضرات صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ۔ حضرت ابی
 حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابوالدرداءؓ۔ حضرت ابن مسعودؓ
 اور حضرت علیؓ کے علم کا منتهی نقطہ دو پر ہے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ
 (تذکرہ ص ۲۴۸)۔ تدریب الرازی ص ۲۰۵
 طبقات ابن سعد ص ۲۵)

لیکن باوجود اس کے حضرت عمرؓ سے اتنی حسن ظنی اور عقیدت تھی کہ فرماتے ہیں۔

لو ان الناس سلکوا وادیا وشعبا وسلک عجمی
وادیا وشعبا سلکت وادی عمرؓ وشعبہ
لو قنت عمرؓ قنت عبد اللہؓ
اگر تمام لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلے گئیں۔ اور حضرت
عمرؓ کسی اور وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں حضرت عمرؓ کی وادی
اور گھاٹی میں ہی جاؤں گا۔

اگر حضرت عمرؓ قنوت (صبح کی نماز میں) پڑھتے۔ تو عبد اللہؓ (یعنی میں) بھی پڑھتا۔

(۱۲) حضرت عبد اللہؓ بن الزبیرؓ جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان سے کسی نے دادا کی دراشت کے متعلق سوال کیا۔ تو
آپ نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے بیان فرمادی کہ حضرت ابو بکرؓ دادا کو باپ کی طرح سمجھتے تھے اور پھر حضرت ابو بکرؓ
کی فضیلت کا ذکر کیا کہ جانتے ہو حضرت ابو بکرؓ کیسے تھے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں
کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو خلیل بناتا۔ ولکن خلۃ الاسلام افضل (بخاری ص ۵۱۶)

اور یہی واقعہ یعنی حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ سے بھی صحیح بخاری ص ۹۹ میں مذکور ہے۔

دیکھئے کہ دونوں بزرگ حضرت ابو بکرؓ کی جلالت شان اور عظمت کو ہی سامنے رکھ کر مسک کی حقانیت کا اندازہ لگاتے
ہیں دلیل اس کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ نہ عقلی نہ نقلی۔

(۱۳) حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کی سمجھ اور فقاہت کو کون نہیں جانتا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعار
کی برکت سے جو آپ نے ان الفاظ میں کی تھی کہ۔

اللہم فقهہ فی الدین وعلمہ التأویل
اے اللہ ان کو نمبر سب کی صحیح سمجھ عطا فرما اور تفسیر کا
طریقہ سکھا۔ (رمضانہ ص ۳۲۸)

مگر پھر بھی آپ حضرت علیؓ سے متعلق اتنی حسن ظنی اور عقیدت رکھتے ہیں جس کا حال آپ حافظ ابن حجر
عسقلانیؒ کے الفاظ میں سن لیجئے فرماتے ہیں۔

روی ابن سعد باسناد صحیح عن ابن عباس
علاء ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ
سے روایت کی ہے کہ جب کوئی فقہ آدمی ہم سے حضرت علیؓ
کا فتویٰ بیان کرے تو ہم اس سے ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے
(فتح الباری ص ۱۱۱)

دیکھئے حضرت ابن عباسؓ کی حضرت علیؓ کی ذات گرامی سے کتنی اور کیسی عقیدت ہے؟

(۱۵) (اب صدیق حسن خان صاحب بخاری ص ۲۱۸، ابو داؤد ص ۲۴۸) (ابن ماجہ ص ۲۲۲ و قرۃ العین ص ۶۴)

وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت شیبہؓ بن عثمانؓ نے فرمایا ایک مرتبہ میرے پاس حضرت عمر فاروقؓ اپنی غلٹ کے زمانے میں تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ پھر فرمانے لگے: میرا ارادہ ہے کہ کعبہ کے اندر جو خزانہ جمع پڑا ہے اس کو میں مکانوں میں تقسیم کر دوں حضرت شیبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ نہیں کر سکتے؟ حضرت عمرؓ بڑے کیوں؟ میں نے کہا اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے ایسا نہیں کیا اس پر حضرت عمرؓ بولے

ہما المرآن اقتدی بہما
یعنی وہ دونوں ایسے بزرگ ہیں کہ میں انہیں کی اقتدار کرتا ہوں۔
(لقطۃ العجلان ص ۹)

حضرت! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل تو دلیل تھا ہی۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ کے عمل کا قبول کرنا بغیر عقیدت اور حسن ظنی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

(۶) ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس کا ذکر ہے کہ ایک سائل نے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ سے ایک سوال کیا انہوں نے جواب دیا۔ اور پھر فرمایا کہ جبکہ حضرت ابن مسعودؓ سے بھی پوچھ لو۔ پھر یہی سوال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کیا گیا۔ انہوں نے جو جواب دیا وہ حضرت ابو موسیٰؓ کے جواب کے مخالف تھا۔

حضرت ابو موسیٰؓ کو جب حضرت ابن مسعودؓ کے جواب کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے رجوع کرتے ہوئے فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے لا تسئلونی ما دام ہذا الحب فیکم۔ جب تک یہ عالم متحرک ہو لوگوں میں موجود ہیں تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔ (بخاری ص ۹۹، ابوداؤد ص ۴۴، ترمذی ص ۳)

حضرت ابو موسیٰؓ بھی اسی حسن ظنی اور عقیدت کا مظاہرہ کر رہے ہیں جس کا دوسرا اکابر نے کیا ہے۔ کہ سائل کو حضرت ابن مسعودؓ کی طرف مراجعت کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ ابن مسعودؓ پر حسن ظنی ہی کا نتیجہ ہے پھر انہی پر لوگوں کو خبر دے کرنے اور رجوع کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کے حامل تھے۔

(۷) نزاب صدیق حسن خانؒ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کی وفات کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنے شاگرد خاص عمر بن میمونؓ اور دیگر لوگوں کو کہا کہ میری تمہیں یہی وصیت ہے کہ تم میری وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس جا کر علم حاصل کرنا۔ اور ان کے پاس ہی رہنا (الجنة فی الاسوۃ الحسنة بالنسبة ص ۱۰)

یہ وہ زمانہ تھا جس میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ لیکن حضرت معاذؓ بن جبلؓ کو عہدیت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تھی۔ اس لیے نہ صرف یہ کہ ان کے پاس رہنے کے لیے کہا بلکہ

اس کی وصیت بھی کی۔

حضرات! یہ تو ہم نے محض حضرات صحابہ کرام کے چند حالات اختصاراً عرض کیے ہیں اب ہم بعض ایسے واقعات جن میں غیر صحابی پر حسن ظنی اور محبت کا اظہار کیا گیا ہے، پیش کرتے ہیں۔

(۸) علامہ ابن سعد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی کوئی آدمی حضرت انس بن مالک کے پاس سوال لے کر جاتا تو آپ اس سال کو ارشاد فرماتے۔

سلاموانا نحن کہ ہمارے رفیق حسن بصری سے جا کر پوچھو جب سائل یہ کہتا کہ ہم تو آپ کے پاس آئے ہیں۔ تو حضرت انس فرماتے اسی کے پاس جاؤ وہ تمہیں معقول جواب دے گا۔ ہم لوڑے ہو چکے ہیں۔ وہ جوان ہے اور اس کا حافظہ بھی قوی ہے۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۲۸، قسم اول)

(۹) علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر السدیقی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت محمد بن سیرین نے فرمایا کہ الزم الشعبي فلفه رأيتك يستفتي الصحابة حضرت امام شعبی کا دامن ہی ہمیشہ تھامے رکھنا۔ کیونکہ میں نے ان سے ایسے وقت فتویٰ پوچھتے دیکھے جبکہ صحابہ کرام بکثرت متوافدون (تذکرہ ص ۱۱) موجود تھے۔

دیکھئے! حضرت شعبی صحابی نہیں ہیں۔ لیکن حضرت محمد بن سیرین کو ان کے متعلق یہ حسن ظنی ہے کہ چونکہ حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں وہ فتویٰ دیتے ہیں۔ لہذا ان کا خطا سے بعید ہونا زیادہ قریب ہے۔

(۱۰) علامہ ذہبی اور حافظ بن حجر حضرت شعب بن الجہاد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو امام شعبی نے فرمایا عليك بذلك الامم۔ اس ہزہ کو نہ چھوڑنا۔ یعنی محمد بن سیرین کو (جو کانوں سے اگرچہ بہرے تھے۔ لیکن حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فقہ سے خوب بہرہ ور تھے) تذکرہ ص ۱۱، تہذیب ص ۲۱۶)

قارئین کرام کو کہیں یہ دھوکہ نہ ہو جائے کہ شاید حضرت امام شعبی کا حضرت محمد بن سیرین کو سراہنا۔ اور حضرت محمد بن سیرین کی امام شعبی سے حقیقت کہیں کا من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔ کے قبیل سے نہ ہو۔ لیکن یقیناً جانیئے کہ ایسے اکابر سے خصوصاً خیر القرون میں ایسی تصنع کی باتیں کب ہو سکتی تھیں۔ ان کا دامن بناوٹ اور غشادہ سے بالکل پاک تھا۔ یہ اپنی مد نظر ہے کسی کی دید کہاں

(۱۱) علامہ ذہبی اور نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ حضرت عمرو بن الحارث کے متعلق امام ابن دہب نے فرمایا کہ۔

لو عاش عمرو بن الحارث ما احتجنا معه
الى هالك ولا الى غير-

(تذکرہ ص ۱۴۳ و ترجمہ ص ۱)

اگر حضرت عمرو بن الحارث زندہ ہوتے تو ان کے ہوتے ہوئے
نہ نہ میں حضرت امام مالک کی ضرورت پڑتی اور نہ کسی اور کی

حضرات! اگر ہم اس داستان کو لمبا کرنا چاہیں تو آپ یقیناً اکتا جائیں گے۔ اب ہم خود حضرات ائمہ اربعہ
کی دوسرے اکابر سے متعلق حسن ظنی کا ذکر کرتے ہوئے اس داستان بے ساحل کو ختم کرتے ہیں۔

(۱۲) نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ باوجود فقیر ہونے کے حضرت امام ابراہیم نخعی سے بڑی
عقیدت رکھتے تھے۔ اور اسی حسن ظنی کا نتیجہ تھا کہ کان ابوحنیفۃ النہو بحدہ ابواہیثم کہ امام
ابوحنیفہ امام ابراہیم کے مذہب کے بڑے پابند تھے۔ (الاجتزہ ص ۹۲)

(۱۳) نواب صاحب ہی حضرت امام شافعی سے یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ
قال الشافعی فی مواضع من الحجج قلند
قلند لمطار (الاجتزہ ص ۱)

حضرت امام شافعی نے بہت سے مقامات میں کہا ہے کہ
میں نے حضرت عطاء کی تقلید میں یہ کہا ہے

دیکھیے! حضرت امام شافعی ایسے مجتہد حضرت عطاء سے حسن ظنی کی بند پر احتجاج کرتے ہیں۔ اور صاف
کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء کی تقلید کرتے ہوئے ایسے کہا ہے۔
(۱۴) علامہ خطیب بغدادی اور حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ ایک مسئلہ کی تحقیق میں ایک سائل نے کہا کہ
اس میں تو کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے اس پر حضرت امام احمد بن حنبل نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اگر حدیث
موجود نہیں تو نہ ہسی۔ اس میں حضرت امام شافعی و فقیر قول الشافعی و مجتہد اثبت شیئہ کا قول تو موجود ہے۔ اور
حضرت امام شافعی کا قول تو ایک مستقل حجت اور دلیل ہے۔ (ماریخ بغداد ص ۲۵ و تہذیب ص ۲۵)

قارئین کرام کو ان حوالوں سے اچھی طرح معلوم ہو چکا ہو گا کہ ان اکابر امت نے جن میں جلیل القدر حضرات
صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ اور ائمہ مجتہدینؓ بھی شامل ہیں محض عقیدت اور حسن ظنی کی بناء پر دوسروں پر اعتماد اور رجوع
کیا اور دوسروں کی تقلید کی۔ اور یہی تقلید کا معنی ہے کہ کسی کی ذات اور ہستی پر حسن ظنی کرتے ہوئے اسی کے
قول کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور دلیل طلب نہ کی جائے۔ گو نفس الامر میں دلیل موجود بھی ہو مگر ظاہری طور پر ان
کی شخصیت کے بغیر کوئی اور دلیل موجود نہ ہو۔

اتمام حجت اگر حضرات فقہاء کرام اور حضرات مشائخ پر اعتماد اور حسن ظنی اور عقیدت ہمارے

حوالوں اور بیان سے فریق ثانی کو سمجھ نہیں آتی تو ہم انہیں مجبور نہیں کرتے۔ اور نہ کر سکتے ہیں۔ خود انہیں کے گھر کا حوالہ عرض کر کے اتمام حجت کرتے ہیں۔

غیر مقلدین حضرات کے شیخ اسکل مولانا سید ندیم حسین صاحب دہلوی کے حالات میں لکھا ہے

امیال صاحب اپنے اساتذہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز، اور جناب مولانا شاہ محمد اسماعیل قدس سرہم اور ان کے خاندان کا بہت ادب کرتے۔ اکثر قرآن و حدیث کے ترجمے کے موقع پر فرماتے مجھ سے اس کا مقرضی ترجمہ سنو۔ جو ہمارے بزرگوں سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔

اور میان مسائل میں بھی انہیں بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے۔ اور فرماتے ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں۔ اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر یہ کہہ دیتا کہ حضرات کا کہنا نہ نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث سے نزدیکی چاہئے تو بہت خفا ہو کر فرماتے مردود کیا یہ حضرات گھس کٹے تھے؟ ایسی ہی اڑان گھائی اڑاتے ہیں۔

(مبطلہ الحیات بعد المات ص ۲۱۰)

غور فرمائیے کہ بقول میال صاحب مردود شاگرد قرآن و حدیث سے سند طلب کرتا ہے بلکہ جناب میال صاحب سے اپنے بزرگوں اور حضرات کے سینہ بر سینہ منقول تراجم اور ان کے اقوال اور بیان سے لوری مے ہے ہیں اگر اسی قسم کی عقیدت اور حسن ظنی کوئی اور اپنے اہل حق اکابر سے کرے اور وہ ان کے اقوال سے سند پیش کرے اور قرآن و حدیث کے ترجمہ میں ان پر اعتماد کرے تو اس پر طعن و تشنیع کا کیا معنی ہے؟ اور وہ کیوں قابل ملامت اور معتبوب ہے؟

لطیفہ۔ بر ان حوالوں سے دو ایسی اہم چیزوں کا بھی تصفیہ ہو جاتا ہے جو آئے دن فریق ثانی کی طرف سے مقلدین کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اور وہ ایسی اہم اور عظیم الشان بحثیں ہیں جنکو تمام بحث تقلید کا خلاصہ اور اس باب کا محرکہ الاکراہ پہلو کہنا بے جا نہ ہوگا۔

بحث اول فریق ثانی کا کہنا ہے کہ ہر آدمی کو دین کے معاملہ میں تقلید کی دسی اپنے گلے سے اتار کر اجتہاد کرنا چاہیے۔ اور اپنے اجتہاد اور سمجھ سے دین کو جوئیر اور آسانی سے منصف سے دیکھنا چاہیے۔

مگر ان مذکورہ حوالوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عامی تو کیا مجتہد کو بھی نہ صرف یہ کہ تقلید کرنا جائز ہے بلکہ اکابر امت باوجود مجتہد ہونے کے بعض مسائل میں اپنے سے اعلم کی تقلید کرتے رہے۔ غور فرمائیے کہ کیا حضرت عمر فاروق مجتہد نہ تھے؟ یقیناً تھے۔ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ میں

مذہب فاروق اعظم بمنزلہ متن است و مذاہب
 اربعہ بمنزلہ مشروح (ازالۃ الخفاء ص ۸۲)

حضرت عمر فاروقؓ کا مذہب متن کی طرح ہے۔ اور حضرات
 ائمہ اربعہ کے مذاہب اس کے مشروح کی مانند ہیں۔

مگر باوجود مجتہد ہونے کے وہ حضرت ابو بکرؓ کی مسئلہ اختلاف میں تقلید کرتے ہیں۔ اور ان کے اختیار کردہ
 پہلو ہی کو اختیار بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ بھی باوجود مجتہد ہونے کے
 حضرت ابو بکرؓ کی اقتدار کرتے ہیں اور ان کی ہستی اور عظمت پر اعتقاد کرتے ہوئے ان سے استدلال کرتے ہیں۔
 بلکہ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے تھے کہ میں حضرت علیؓ کے فتویٰ سے ہر مو بھی تفاوت نہیں کروں گا۔ جب کہ بیان
 کرنے والا ثقہ ہو۔ اسی طرح حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ جو حضرات صحابہ کرامؓ کے علوم کا خلاصہ سمجھے جاتے تھے
 بلکہ خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت ابن مسعودؓ سے اتنی حسن ظنی تھی جی وجہ سے آپؐ نے صفت
 ارشاد فرمایا کہ

رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام عبد
 میں تمہارے لیے اس چیز پر راضی ہوں جس کو تمہارے
 لیے ابن ام عبد پسند کرے۔ (متذکرہ حاکم ص ۲۱۹)

ابن ام عبد حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کی کنیت تھی (بخاری ص ۵۳۱)

ام حاکمؓ اور علامہ فربہؓ دونوں اس حدیث کی تصحیح پر متفق ہیں۔ لیکن باوجود ایسا مجتہد ہونے کے حضرت عمرؓ کے
 طور و طریق پرستے شیعہؓ ہیں کہ زبانِ قال سے کہتے ہیں کہ

سلکت واذا ہی عمش و شعیبہ میں تو حضرت عمرؓ کی وادی اور گھاٹی میں ہی چاڑں گا۔

اسی طرح امام شیعہؓ، امام محمد بن سیرینؒ، امام ابن وہبؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ تمام مجتہدین مگر
 حسن ظنی کا یہ عالم ہے کہ مثلاً حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت امام شافعیؒ کے قول کو ایک متعلّ جت سمجھتے ہیں۔ اور
 حضرت امام شافعیؒ تو صاف کہتے ہیں کہ یہ چیز میں نے حضرت عطاءؒ کی تقلید کرتے ہوئے کہی ہے۔

یہ تمام مجتہدین حضرت تقلید کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد کو بھی بعض مسائل میں اپنے
 سے اعلم کی تقلید سے مفر نہیں۔ فریق ثانی کے شیخ اکل فرماتے ہیں کہ

دس مسئلہ کی دلیل مثلاً جانتا ہے (تو) اور مسائل میں متقدم ہے تو یہ عیب کی بات نہیں۔ درست اور
 حق ہے۔ اس لیے کہ تجزی اجتہاد میں جائز ہے۔ بنا بر قول حق کے جیسا کہ مولانا خیر العالیؒ وغیرہ مشرح مسلم میں
 فرماتے ہیں۔ (معیار الحق ص ۷۲)

اور نواب عبدیق حسن خان صاحب قریباں ایک معاملہ صاف کر دیا ہے کہ

فلا تجد احدا من الائمة الا وهو مقلد
من هو اعلم منه في بعض الاحكام
(الحجۃ ص ۶۸)
تم حضرات ائمہ کرام میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پاسکتے
کہ وہ بعض مسائل میں اپنے سے کسی بڑے عالم کی تقلید
نہ کرے تاہم۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی از اللہ المختار ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں کہ ایک مجتہد کو دوسرے کی تقلید کرنا
جائز ہے۔

حضرات! آپ نے دیکھ لیا کہ اکابر امت خصوصاً حضرات محدثین کرام اس امر پر اتفاق رہا ہے کہ
باوجود مجتہد ہونے کے وہ اپنے سے اعلم کی تقلید کرتے ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ
اتفاق المحدثین علی الشیء یکون حجة
(تزیین ص ۵۵)
حضرات محدثین کرام کا کسی مسئلہ پر اتفاق محبت ہے۔

اور اگر حافظ ابن تیمیہ کے ان الفاظ کو بھی ساتھ ملا لیں تو معاملہ اور صاف ہو جاتا ہے۔
اما اجماع الائمة فهو فی نفسه حق
ولا تجتمع الائمة علی الضلالة
(معارج الوصول ص ۱ وغیرہ)
امت مروجہ کا کسی مسئلہ پر اتفاق فی نفسہ محبت اور دلیل ہے
یہ ہر نہیں سکتا کہ (تمام) امت گمراہی پر اتفاق اور
اجماع کر لے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ اگر فرقہ نانی تقلید سے جھگڑتے ہوئے مجتہد ہونے کا دعوے بھی کرے تب بھی اسکو
مسائل میں تقلید کرنا ہی پڑے گی۔ اور تقلید سے کوئی مفر نہیں۔ جب تقلید سے کسی طرح غلصہ نہیں تو کلین تقلید
کی بیخ کنی کر کے وہ کیا خدمت انجام دے سکتا ہے؟ ذرا سوچ تو لے۔

روح قبیل نے خزاں بن کر اجڑا انگشتیں پھول کتے ہیں ہم پھول ہیں صیاد نہیں

فرقہ نانی کا یہ بھی دعوے ہے کہ ہمیں تباد کہ خیر القرون میں
عموماً اور حضرات صحابہ کرام میں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی بھی تقلید ہوئی تھی؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا ثبوت پیش کر دو۔
اور اگر جواب نفی میں ہے تو تم ایسی بدعت شریکے کیوں نہیں سمجھتے جس کا ثبوت حضرات صحابہ کرام میں
بھی نہ تھا؟ اور جو امر دینی خیر القرون میں نہ ہو اور اب ہو تو وہ بدعت ہی ہوگی۔

قارئین کرام کو اس سوال کا جواب بھی صحیح روایات اور احادیث مذکورہ سے مل گیا ہو گا۔ کہ حضرت صحابہ کرامؓ میں بھی تقلید موجود تھی۔ مثلاً جیسے حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عمرؓ کی اور حضرت ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی عملاً اور قولاً تقلید کی۔ اسی طرح بعض دیگر حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ سے بھی اس کا ثبوت عرض کر دیا گیا ہے۔ و فیہا کتابة لمن لہ ہدایۃ الحاصل ہم نے مقام اول (کہ حسن ظنی کی بنا پر کسی کی بات اور عمل کو حجت سمجھا جائے) کے اثبات میں کافی حوالے نقل کر دیے ہیں۔ اب ہم مقام ثانی سے متعلق اختصاراً کچھ عرض کرتے ہیں۔

مقام ثانی یہ کہ دلیل تو اپنی جگہ موجود ہو۔ لیکن مقلد دلیل کا محتق نہ ہو۔ اس لیے کہ اسے عمل کے لیے مسائل کی ضرورت ہے نہ کہ دلائل کی جیسا کہ عام لوگ۔ اور یا اس لیے کہ وہ مسائل کی نوعیت سمجھ کر خدا داد فرست سے دلائل کی تخریج خود کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ارباب بصیرت حضرت فقہار کرامؓ

ابن شیر خدا حضرت مولانا میر تقی الحسن صاحب چاند پوری (المتوفی ۱۲۷۱ھ) رقمطراز ہیں

میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ تقلید کا معنی صرف یہی (تسلیم قول الفیہ من غیر حجۃ) ہے۔ بلکہ یہ معنی بھی ہے کہ غیر کا قول تسلیم کرنے میں دلیل کا محتق نہ ہو۔ تسلیم قول غیر دلیل پر موقوف نہ ہو۔ جیسے صاحب ہدایۃ فتح القدیر۔ غنایہ۔ بنیہ اور اہم طحاوی وغیرہ سب مقلد ہیں۔ حالانکہ ان کے دلائل بھی شریح ہیں۔ تو یہ لوگ باوجود علم بالدلیل کے نہ تو تقلید سے خارج تھے اور نہ ہی لوگ ان کو غیر مقلد سمجھتے تھے۔ ولا حُشاحۃ فی الاصطلاح (تنقیح النقیۃ ص ۲۹)

حضرت مولانا مرحوم نے یہ جو کچھ فرمایا ہے بالکل درست اور صحیح ہے۔ کیونکہ یہ تمام اکابر حضرات فقہار کرامؓ مقلد ہی تھے۔ اگر علم بالدلیل کی وجہ سے وہ تقلید سے خارج ہوتے تو وہ خود کو مقلد نہ کہتے۔ اور نہ ہی لوگ ان کو مقلد سمجھتے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اب اگر کوئی غیر مقلد دوست بزرگ انہیں غیر مقلد قرار دے تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ معی سست اور گواہ چست اور یا علمی اصطلاح میں وہ توجیۃ القول بما لا ینفی بدہ قلنا۔ کامرکت اور ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ایسا کرنا نہ شرعاً کہ اخلاقاً ضروری ہے بلکہ گناہ بھی ہے کہ یہ عند غلط چیز پر رضادار اور اصرار ہے۔ فرق ناہیکہ عام اور بڑا مغالطہ ہے جس سے وہ عوام کو فریب دیتا ہے لیکن سمجھ را آدمی کے لیے یہ چٹان نہیں بلکہ سراسیمہ ہوں صرف توجہ اور انصاف کی ضرورت ہے۔

۱۔ مٹو مٹو سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا حاضر

۲۔ تھے میں جو کھڑا تھا وہ کسار ہٹ گیا

تنبیہ ضروری

یہ بات بھی اچھی طرح سے پیش نظر ہے کہ تقلید کی تعریف میں تسلیہ قول الغیر من غیر حجۃ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جاہل کے لیے غیر کی بات سکر سے حجت ہی نہیں۔ کیونکہ جاہل کے لیے لاعلمی کے وقت مجتہد اور عالم کی طرف رجوع کرنے اور اس سے سوال کرنے کا حکم قرآن و حدیث اور اقرار فریق ثانی سے ثابت ہے۔ کما سیجی و انشا اللہ تعالیٰ اگر بے علم کے لیے عالم کی بات حجت نہیں تو اس کی طرف رجوع کرنے اور اس سے سوال کرنے کا کیا معنی ہے؟ اس جملہ اور عبارت میں من غیر حجۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس غیر کا قول نجحۃ اربعہ شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ مگر مقلد اس غیر پر اعتماد اور حسن ظنی کرتے ہوئے اس کے قول کو اپنے گلے کا بار بنانے پر مجبور ہے۔ اور عمل کے لیے اسے لفظ کرتا ہے چنانچہ فریق ثانی کے حضرت شیخ الکلّی علامہ حسن شربلانی (المتوفی ۱۰۶۹ھ) کی اصول فقہ میں معتبر کتاب محققہ الفریہ کی ایک عبارت بطور استدلال نقل کرتے ہیں اور اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں دہم ان کے بعض ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ اصل تقلید کی ایسے شخص کے قول پر عمل کرنا کہ اس کا قول چاروں مجتہدوں شرعیہ در کتاب و سنت و اجماع اور قیاس میں سے نہ ہو۔ الخ (معیار الحق ص ۶۶) یعنی مقلد جس مجتہد اور عالم کے قول پر عمل کرتا ہے وہ قول نہ تو قرآن کی آیت ہے اور نہ متن حدیث ہے۔ اور اسی طرح نہ تو وہ اجماع کا مقولہ ہے اور نہ مقلد کے حق میں قیاس اور اجتہاد ہے۔ کیونکہ وہ بالکل جاہل ہے۔ اس کے لیے صرف مجتہد کا قول ہی قول ہے۔ جس کو وہ عمل کے لیے اپناتا ہے۔ اور یہی حضرت شیخ الکلّی دوسرے مقام میں تقلید کی بحث میں لکھتے ہیں کہ

اور تقلید کی تعریف یہ التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ متعلق بالعلل والمراۃ بالحقۃ حجۃ من الحجۃ الاربع کذا فی کتب اصول الکفنیۃ وغیرہا کما لا ینفی علی الماہر بالاصول۔ پس تقلید کی تعریف سے حسب اصطلاح مقلدین کے واضح ہوا کہ عمل تقلید ہی دلائل اربع یعنی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و اجماع صحابہ و مجتہدین و قیاس صحیح مجتہد مسلم الاجتہاد سے خارج ہے۔ اور یہ عمل تکلیفی شرعی اصلاً نہیں۔ اور جو عمل بلا اولہ و اربعہ کے پایا جاوے وہ عمل تکلیفی شرعی نہیں۔ وہ شرعاً مردود و باطل ہے۔ پس عمل تقلیدی بھی مردود اور باطل ہوا۔ اگرچہ کہ بے اصل شرعی ہونا تقلید کا بموجب اصطلاح مقلدین کے ثابت ہوا۔ اور یہ مقلدین پر سخت حجت ہے (فتاویٰ ندویہ ص ۱۸۴) اس عبارت سے بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ من غیر حجۃ میں حجۃ سے مراد حجۃ اربعہ شرعیہ میں سے کوئی ایک حجت ہے۔ مثلاً یہ فقہی قول کہ اگر کسی کنواری عورت کو جس کی شادی نہیں ہوئی۔ اور وہ بالکل پاکہ من ہے دودھ اُتر آیا۔ اور اس نے کسی بچے کو دودھ پلا دیا تو وہ اس بچے کی ماں بن جائے گی۔

اور ان میں رضاعت کے احکام ثابت ہوں گے۔ یا مثلاً یہ فقہی قول کہ کسی مرد و عورت کے پستانوں سے اس کی دفات کے بعد دودھ نکالا گیا اور کسی بچہ کو پلایا گیا تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (فتاویٰ قاضیخان ص ۱۸۹ طبع نو مکتور)

اور یہ قول نہ تو قرآن و حدیث کے اور نہ اجماعی مقولہ ہے۔ اور نہ بے علم کے حق میں یہ قیاس ہے۔ کیونکہ وہ بے چارہ تو جاہل ہے۔ اور وہ لاعلمی کے وقت قرآن و حدیث کے حکم کے موافق اہل علم کی طرف رجوع کرنے اور ان سے سوال کرنے کا مکلف اور پابند ہے اور ان کا قول ماننے پر شرعاً مجبور ہے اور اگر غیر کا قول اس کے نزدیک تسلیم نہ کرنا جائز نہ ہوتا اور وہ قول شرعاً مردود و باطل ہوتا جیسا عبادت کے آخری حصہ میں ہے۔ تو اسے لاعلمی کے وقت اہل علم کی طرف رجوع کرنے اور سوال کرنے کا حکم ہی کیوں دیا گیا ہے؟ تقلید کی تردید کے بے پناہ متوق ہیں عمل تقلیدی کو شرعاً مردود و باطل ٹھہرا کر قرآن و حدیث بلکہ خود حضرت شیخ اہل کلمہ کے اپنے مسئلہ کے بھی خلاف ہے۔ کہ لاعلمی کے وقت وہ تقلید کو واجب اور مباح قرار دیتے ہیں۔ پھر اس کے شرعاً باطل و مردود ہونے کا کیا مطلب؟ اور آخر میں ان اس پر توڑی ہے کہ اگر اللہ کہ بے اصل شرعی ہونا تقلید کا بموجب اصطلاح مقلدین کے ثابت ہوا۔ اور یہ مقلدین پر سخت حجت ہے الخ سبحان اللہ تعالیٰ حضرت شیخ اہل کلمہ نے نہ تو مقلدین کی بات پر غور فرمایا ہے۔ اور نہ خود اپنی بات کا دھیان کیا ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں میں من غیر حجتہ کا جملہ ملاحظہ فرمایا اور المراد بالتحجۃ حجتہ من الحجج الاربع دیکھا تو یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ یہ عمل مکلفین شرعی اصلاً نہیں۔ اور تقلید ایک بے اصل شرعی چیز ثابت ہو گئی۔ اور مقلدین ترسے میں آ گئے۔

حضرت شیخ اہل کلمہ صاحب! ہم آپ کی قدر کرتے ہیں مگر آپ کو ایسی باتیں بالکل زیب نہیں دیتیں جو حضرات مقلدین کی مراد کے بھی خلاف ہوں اور خود آپ کے اپنے بیان کے بھی خلاف ہوں۔ تقلید کی تعریف میں التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجتہ متعلق بالعمل کا مطلب تو بالکل صاف اور واضح ہے کہ تقلید کا معنی یہ ہے کہ غیر کے قول پر عمل کرنا بغیر اس کے کہ بے علم اور انجان اپنے اس عمل کی بنیاد و دلائل اربعہ شرعیہ میں سے کسی پر رکھے۔ اسی کے لیے تو صرف مجتہد اور عالم کا قول ہی قول ہے دلائل کا تعلق مجتہد سے ہے۔ نہ کہ بے علم اور انجان سے۔ وہ تو قرآن اور حدیث کی رو سے اہل علم کی طرف رجوع کرنے اور ان سے سوال کرنے کا مکلف ہے۔ اور ان کا قول ہی اس کے لیے حجت ہے۔ عمل تقلیدی کو بے اصل شرعی کہنا اور اس کو باطل و مردود ٹھہرانا جیسا کہ فتاویٰ تدریسی کی اس عبارت سے متبادر ہوتا ہے قطعاً اور یقیناً باطل ہے۔ جو قرآن و حدیث اور خود اپنی صریح عبارات کے بھی اسر خلاف ہے خواہ

انشاء اللہ الخیر ہے ہیں۔

اعتراض

فریق ثانی کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی تخریب کر دی ہے۔ مگر وہ اور جتنے بن دیاں بنادی ہیں۔ کوئی کتاب ہے کہ میں مذہب حنفی ہے۔ اور کوئی کتاب ہے کہ میں حنبلی مذہب ہوں۔ و علیٰ هذا القیاس۔ مالکی اور شافعی وغیرہ مختلف خانہ ساز مذاہب کی آڑ لے کر مذہب اسلام کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

جواب

یہ فریق ثانی کی کوثر فنی یا نقشب ہے کہ وہ مذہب کو یہاں دین کے معنی میں لے کر اعتراض کرتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں۔ مذہب اسلام، مذہب ہندو، اور مذہب عیسائیت وغیرہ تو تائید الیہ ہی مذہب حنفی اور مالکی وغیرہ ہوں گے۔ لیکن یہ ایک بدی البطلان غلط ہے۔ مذہب سے مراد یہاں دین نہیں۔ بلکہ مذہب کے مرادئے اور مسلک ہے۔ اور مذہب کا یہ مفہوم حضرات محدثین کرام اور حضرات فقہاء عظام کے نزدیک مشہور اور معروف ہے۔ ہر عالم کی سند حدیث کے متعلق بھی گئے ہو گئی ہے۔ اور اس پر مذہب کا لفظ اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ اور متن حدیث میں اس کے معنی اور مفہوم کے سمجھنے میں بھی رائے اور مسلک ہو سکتا ہے۔ اور اس پر بھی مذہب کا اطلاق حضرات محدثین اور حضرات فقہاء کے نزدیک بلا قیل و قال درست اور صحیح ہے ملاحظہ کیجئے۔

(۱) ہم پہلے باحوالہ نقل کر چکے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نقل کرتے ہیں کہ مذہب فاروق عظیم بمنزلہ متن است کہ فاروق عظیم کا مذہب متن کی مانند ہے۔ فریق ثانی سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت عمرؓ نے کوئی اور مذہب ایجاد کیا تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذہب اور دین سے الگ تھا؟ اگر جواب نفی میں ہے۔ اور یقیناً نفی میں ہے تو اس مذہب سے اس کے بغیر اور کیا مراد ہو سکتی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم اور حدیث سے اپنی فہم اور مذاہب کے اعتبار سے جو سمجھا اور جو رائے قائم کی وہی مذہب ہے۔

(۲) حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ۔

جمہور اہل اسلام کے نزدیک مسلمان کافر سے وراثت نہیں لے سکتا۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ مسلمان کافر سے وراثت لے سکتا ہے آگے لکھتے ہیں۔

وہو مذہب معاذ بن جبل و معاویہؓ کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہؓ کا یہی مذہب ہے۔

در شرح مسلم ص ۱۲۲

کی حضرت معاویہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا مذہب، مذہب اسلام کے علاوہ کوئی اور تھا۔ جو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا؟ معاذ اللہ تعالیٰ بلکہ یہاں بھی ان کی اپنی تحقیق کے مطابق یہ رائے نکلتی۔ اور اس میں ہی ان کا مذہب تھا۔
(۳) حضرت امام نوویؒ ہی فرماتے ہیں کہ حضرت امام مسلمؒ کا مذہب صحیح حدیث سے متعلق یہ ہے کہ امکان تھا کہ ان مسلمانوں کا مذہب الخ (مقدمہ شرح مسلم ص ۱۸) کہ حضرت امام مسلمؒ کا مذہب (یہی) تھا۔

(۴) یہی بزرگ (یعنی امام نوویؒ) منہ حدیث کے متعلق کلام نقل کر کے لکھتے ہیں کہ وہ مذہب المنہائیؒ (مقدمہ شرح مسلم ص ۱۸) حضرت امام نسائیؒ کا مذہب (یہ ہے)
(۵) حضرت امام مسلمؒ زیادہ تر ثقہ کی بحث میں لکھتے ہیں کہ۔

الذی يعرف من مذہبہم الخ
حضرات محدثین کے مذہب سے جو چیز معروف اور مشہور ہے۔ (وہ یہ ہے)

(۶) حضرت امام مسلمؒ ہی لکھتے ہیں کہ ہم نے جو اصول نقل کیے ہیں سمجھ لے کہ

مذہب القوم (مقدمہ ص ۱۸)
قوم (حضرات محدثین کو امام کا یہ مذہب (یہی راجح نظر آئیگا)
اور اگے بعض حضرات محدثین کو امام کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

ومن ذہب فی العلم هذا المذہب الخ
جو اس مذہب کا قائل ہوگا (تو اس کو علم سے کچھ واسطہ اور تعلق ہی نہیں)

(۷) علامہ حاضریؒ ترجیح حدیث کی وجہ بیان کرتے ہوئے ایک وجہ میں لکھتے ہیں کہ

وهذا مذہب اهل العراق والبصرة
اہل عراق، اہل شام اور بصرہوں کا یہی مذہب ہے۔
والشامیین (کتاب الاعتبار ص ۱۸)

(۸) امام تاج الدینؒ سبکیؒ اپنے والد محترم الشیخ الامام الفقیہ المحدث الحافظ المفسر المقرئ علی بن عبد الکافی (المتوفی ۵۶۷ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ۔

ذكر شیء مما استتبعه مذہباً وارتضاه
رأياً لنفسه وذلك علی قسمین احدهما
ما هو معترف بانہ خارج عن مذہب
الشافعی۔ ۱۸ (طبقات ص ۱۸۲)
بعض ان چیزوں کا ذکر جن کو انہوں نے مذہباً انتخاب کیا اور اپنے لیے رائے کے لحاظ سے پسند کیا ہے۔ اور یہ دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک یہ ہے کہ وہ معترف ہیں کہ انہیں وہ حضرت امام شافعیؒ کے مذہب سے خارج ہیں۔

اس عبارت میں حضرت امام شافعیؒ کا مذہب اور امام علیؒ بن عبد الکافیؒ کا مذہب آشکارا ہے۔

۱۹۱ نواب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی ۱۳۵۷ھ) تحریر کرتے ہیں کہ

ومنزلة مذهب احمد

حضرت امام احمدؒ کے مذہب کی نسبت حضرت امام شافعیؒ

من مذهب

کے مذہب کی طرف ایسی ہی ہے جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ

الشافعی ومنزلة مذهب الجی

اور حضرت امام محمدؒ کے مذہب کی نسبت حضرت امام ابو حنیفہؒ

یوسف و محمد من مذهب

کے مذہب کی طرف ہے۔

الی حنیفہ۔ آہ (الجنة ص ۶)

یعنی انہیں کے اصول و ضوابط سامنے رکھ کر انہوں نے مسائل کی تخریج کی ہے۔ اور انہیں پرائل کی بنیاد قائم کی ہے۔

کیا اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا اور اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت صاحبینؒ کا مذہب اسلام کے علاوہ کوئی الگ اور جدا تھا جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ سے نہ تھا۔ اور اس کو خود انہوں نے ایجاد و اختراع کیا تھا؟

حضرات اکمال تک اس دامن کو طول دیا جائے۔ چل یہ ہے کہ لفظ مذہب ان تمام مواقع میں ٹٹے پر اطلاق کیا گیا ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ ان حضرات صحابہ کرامؓ اور جمہور امت کا اثبات مذہب اور متن میں کوئی الگ ہی مذہب تھا جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ تھا۔ بلکہ ان کے پاس علم صحیح کا طریقہ وہی تھا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ البتہ اس کی تحقیق میں اپنی اپنی سمجھ کا دخل ضرور تھا۔

لفظ مذہب کا راز کے پر اطلاق ہونا فریق ثانی کو بھی مسلم ہے۔ مثلاً ایک صاحب مذہب اہل مذہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جب تک ہم اس مذہب کی اصل حقیقت الخ (دراستی ص ۶)

اور مولانا شاہ اللہ صاحب نے تو ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ”اہل حدیث کا مذہب“۔ حضرات! کیا اہل حدیث کا مذہب ان کے خیال کے مطابق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذہب کے علاوہ اور مذہب ہے۔ اگر ہے تو وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہم تو ان کے بارے میں غلطی ہی رکھ سکتے ہیں بغیر عین مذہب حنفی وغیرہ کے مجاہد سے اسلاف وغیرہم پر اعتراض اور اس کا شکوہ بالکل بے جا ہے۔

باب اول

(قرآن کریم سے تقلید کا ثبوت)

ہم نے سابق ابکات میں بعض ضروری اور بنیادی چیزیں قارئین کرام کی خدمت میں عرض کر دی ہیں۔ اب ہم اس باب میں قرآن کریم کی بعض آیات کرمیات اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ وغیرہم سے اُن کی تفاسیر عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ تقلید کے اثبات میں قرآن کریم کی متعدد آیات کرمیات علماء کرام نے پیش کی ہیں۔ اور اُن کے علاوہ بھی کئی آیات اس مٹی پر پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہمیں چونکہ اس مسئلہ کے دلائل اور براہین کا احصار اور احاطہ مقصود نہیں۔ نیز ہمارے بعض اسی اس کی اجازت بھی نہیں دیتی کہ ہم ایسا کر بھی سکیں بلکہ مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ مسئلہ تقلید پر قرآن و حدیث سے کافی ثبوت موجود ہے۔ اور جمہور امت کا اس پر ایک حد تک اتفاق اور اجماع رہا ہے۔ اور اب بھی موجود ہے۔ لہذا ایسے اہم معاملہ میں جمہور امت کی تکفیر کرنا انصاف اور فہم سے بالکل بعید ہے اور شرک و بدعت کے ارتکاب کا فتویٰ ان پر سراسر ظلم ہے۔ ہاں جو جہالت، خیانت اور خود غرضی کی بنا پر قرآن کریم اور احادیث شریفہ پر اپنے پیرومرشد اور اہم کی بات کو تہ تیغ دیتا ہوں۔ بلکہ ان کے ساتھ براہِ نبوی اور رسالت کا مٹی ہو یا قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں کسی بھی آدمی کی بات سے احتجاج اور استدلال کرنا ہو تو ہمیں ایسے ملحد اور زندیق سے کیا تعلق اور واسطہ؟ ہم تو اس کے مدعی ہیں کہ غیر منصوص مسائل میں قرآن کریم اور حدیث شریفہ کی روشنی میں اگر کوئی شخص حضرات ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی کی تقلید کرے تو اس کے لیے ایسا کہنا نہ صرف یہ کہ ہمارے ہی نزدیک جائز ہے۔ بلکہ جیسا کہ انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آئے گا کہ فریقِ ثانی کے نزدیک بھی صحیح ہے۔ اب ہم قارئین کرام کے سامنے بعض آیات کرمیات اور ان کی تفاسیر نقل کرتے ہیں۔ غور سے ملاحظہ کیجئے تاکہ معاملہ صاف ہو جائے۔

پہلی آیت : اللہ تعالیٰ مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (پہلی آیت)

اے مومنو! اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور تم میں جو صاحب امر (اور حکم) ہیں انکی (بھی) اطاعت کرو۔

اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کا حکم ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت (۲) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت (۳) اور اولی الامر کی اطاعت۔ پہلی دو چیزوں کے متعلق تو اہل اسلام میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ اور ان کی اطاعت روگردانی باغی۔ نافرمان اور سرکش ہی کا کام ہے۔ جب پہلی دو چیزوں میں اختلاف ہی نہیں تو ہم ان کی تفصیل بھی عرض نہیں کرنا چاہتے۔

البتہ تیسری چیز کے متعلق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

(۱) یہ بات طے شدہ ہے کہ مسلمان کو مسلم صاحب امر کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ غیر مسلم کی اطاعت نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ گناہ بھی ہے۔ اور منکم کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت اس وقت ضروری ہوگی جب وہ تم میں سے (یعنی مسلمان) ہو منکم کا یہی معنی ہے۔ کیونکہ پہلے یا ایہا الذین آمنوا کی تصریح موجود ہے۔

(۲) یہ بات بھی اصول و موضوع میں شامل ہے کہ صاحب امر کی بات بھی جب کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی میں ہو ماننا جائز اور گناہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے۔

فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔

یعنی جب صاحب امر کی طرف سے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کا حکم صادر کیا گیا ہو تو پھر

تو اس کی بات سنی جائز ہے اور نہ ہی اسکی اطاعت روا ہے (بخاری ۱۰۵۷)

(۳) صاحب امر جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہو تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اس کی اطاعت جائز ہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی اس کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے کہ

من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصى امیری فقد عصانی

جس نے میرے امیر کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی تو اس

نے میری نافرمانی کی۔

(بخاری ص ۱۵۷)

حضرات! آپ نے صاحب امر کی اطاعت اور اس کی شرائط کا حال پڑھ لیا۔ اب یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ اولی الامر سے مراد کون ہیں؟ اولی الامر سے اصولی طور پر دو ہی قسم کے لوگ مراد لیے گئے ہیں۔
(۱) علماء اور فقہاء (۲) امراء جمہور اور مطلق حکام۔ آپ اولی الامر سے پہلی قسم مراد لیں یا دوسری۔ بہر حال ہمارا مدعی ثابت ہے۔

پہلی قسم کہ اولی الامر سے مراد علماء اور اصحاب فقہ ہیں۔

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔

اولی الامر منکم قال الفقہ والخیر کہ اولی الامر سے اصحاب فقہ اور اباب خیر مراد ہیں۔
(متدرک ص ۱۲۳)

حضرت جابرؓ کی اس تفسیر کو امام حاکمؒ نے سند کے ساتھ پیش کیا ہے۔ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (جو جبر الامۃ اور ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور تھے) سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

یعنی اهل الفقه والدين (الی ان قال) اولی الامر سے اہل فقہ اور اہل دین مراد ہیں (جو لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں) (اگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت واجب کر دی ہے۔)
(متدرک ص ۱۲۳)

حضرت ابن عباسؓ کی یہ تفسیر بھی سند سے منقول ہے۔ اس کے تمام روایت بھی ثقہ ہیں۔ (رحم نے احسن الکلام اور عمدۃ الاثر میں کتب اسماء الرجال سے ان کی توثیق نقل کر دی ہے اس مقام میں ہم تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے اور علماء کرام کا تفسیر صحابی کے متعلق نظریہ مندرجہ ذیل ہے۔

تفسیر الصحابی مسند۔ تفسیر الصحابی صحابی کی تفسیر مندرجہ ذیل یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہوتا ہے اور صحابی کی تفسیر مجتہد ہے اور صحابی کی تفسیر مرفوع ہوتی ہے۔

(متدرک ص ۱۲۱) معرفۃ علوم الحدیث منہ زوالمعاد فیہم تدریب الراوی ص ۱۵ طبع مصر الجئزہ لنواب صدیق حسن خان ۹۶

توحید النظر ص ۱۶۵ طبع مصر وغیرہ

جب حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اولی الامر کی تفسیر اولی الفقہ سے کرتے ہیں اور قاعدہ مذکورہ کی بنا پر صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث ہوتی ہے اور سند بھی اس کی صحیح ہے تو یہی تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ تفسیر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہوگی۔ اب دیکھیے کہ غیر مقلدین حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تفسیر کو بھی مقبول کرتے ہیں یا بعض دیگر حضرات مفسرین کلام کی تفسیر اور اپنی رائے اور پسند کی بات پر مقرر ہوتے ہیں؟

نبی اپنا اپنا ہم اپنا اپنا

اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں نہیں ہوتی تب بھی بفضلہ تعالیٰ فتح ہماری ہی ہوگی ثواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ

وهكذا احکم اقوالہم فی التفسیر فانہا
اصوب من اقوال من بعدہم
(الجنۃ ص ۹۶)

اور اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال کا حکم ہے کہ وہ بعد میں آنے والے حضرات کے اقوال سے بہت زیادہ صحیح ہیں۔

اسی طرح حضرات تابعینؓ کے اقوال کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ

وهكذا التفسیر التابعی حجة (الجنۃ ص ۹۶)

اور خود حضرات تابعینؓ سے مروی اور مقبول ہے کہ اولی الامر سے مراد علماء اور اہل فقہ ہیں۔ حضرت عطاءؓ (ابن ابی رباح المتوفی ۳۸۸ھ) سے سند کے ساتھ مقبول ہے کہ

اولوا الامر اولوا العلم والفقہ
(درمی ص ۲۴ طبع ہند و طبع دمشق ص ۲۷)

اور امام ابو یوسفؒ الجصاصؒ الرازیؒ (المتوفی ۳۴۰ھ) اولی الامر متکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

اختلف فی تأویل اولی الامر فروی عن
جابر بن عبد اللہؓ وابن عباسؓ روایۃ
والحسنؓ وعطاءؓ ومجاہدؓ انہم اولوا
الفقہ والعلم وعن ابن عباسؓ روایۃ عن
ابی ہریرۃؓ انہم اصراء السرا یاویجوز

اولی الامر کی تفسیر میں اختلاف کیا گیا ہے حضرت جابرؓ بن
عبد اللہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت اور حضرت
حسنؓ و حضرت عطاءؓ اور حضرت مجاہدؓ سے مروی ہے
کہ اولی الامر اہل فقہ اور اہل علم ہیں اور حضرت ابن عباسؓ
سے روایت اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اس

ان یكونوا جميعاً مرادین بالآیة لان
الاسم یتناولهم جميعاً لان الامر
یلوثة امرت تدبیر الجیوش والسرائیا
قتال العدو والعلماء یلون حفظ الشریعة
وما یجوز وما لا یجوز اهـ (احکام القرآن ۱/۲۲۵)

یہ عبارت اپنے مضموم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

قال الحسن وقتادة وابن ابی لیلیٰ هم
اهل العلم والفقه وقال السدی الامراء
والولة قال ابو بکر یجوز ان یرید به
الفریقین من اهل الفقه والولة لوقوع
الاسم علیهما جميعاً (احکام القرآن ۲/۲۱۵)

اس عبارت سے بھی بالکل عیاں ہو گیا کہ دونوں طبقے مراد لینے میں کوئی تضاد و تعارض نہیں اور نہ اس
میں نقل و نقل کوئی قباحت ہے۔ اور علامہ السید محمود الؤسی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ

وقیل المراد بهم امراء السرایا
وروی ذلك عن ابی ہریرة ومیمون
بن مہران الخ قوله

اور کہا گیا ہے کہ اولی الامر سے مراد امراء الجیوش ہیں
اور یہ تفسیر حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت میمون بن مرانؓ
سے مروی ہے (پھر آگے فرمایا)

وقیل المراد بهم اهل العلم
وروی ذلك غیر واحد عن ابن عباسؓ
وجابر بن عبد اللہ ومجاہد والحسن
وعطاء وجماعة واستدل علیہ بالوعلایة
بقوله تعالیٰ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَلَیْ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل علم ہیں اور یہ تفسیر
بے شمار حضرات نے حضرت ابن عباسؓ حضرت جابر بن
عبید اللہؓ اور حضرت مجاہدؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت عطاءؓ
اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور حضرت ابو العالیہؓ

نے اس پر استدلال یوں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافرانہ ہے
اور اگر وہ لوگ اس معاملہ کو رسول اور ان میں سے اولی الامر

أُولِی الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّكَ الْبَیِّن

فَيَسْتَبْطِنُونَكَ مِنْهُمْ ط فَاِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ
الْمُسْتَبْطِنُونَ الْمُسْتَخْرَجِينَ لِلْأحكامِ وَحَمَلَهُ
كثِيرٌ وَيَسْبِغُ عَلَى مَا يَعْمُرُ الْجَمِيعُ
لَتَنَاولَ الْأَسْمَ لَهُمْ لَانِ لِلْأَمْرِ تَدْبِيرُ
الْجَيْشِ وَالْقِتَالِ وَلِلْعُلَمَاءِ حِفْظُ الشَّرِيعَةِ
وَمَا يَجُوزُ وَمَا لَا يَجُوزُ اهـ
(روح المعاني ص ۶۵)

کی طرف لوٹاتے تو ان میں سے استنباط والے اس کی تہ
کو پہنچ جاتے۔ فرماتے ہیں کہ علماء ہی احکام کا استنباط اور
استخراج کرتے ہیں اور بہت سے حضرات نے دونوں کے لیے
عام کیا ہے اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ چونکہ اولی الامر کا اسم
دونوں کو شامل ہے اُمراء کو تو اس لیے کہ وہ جیش اور جہاد
کی تدبیر کرتے ہیں اور علماء کو اس لیے کہ وہ شریعت اور جائزہ
نہایت امور کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس تفسیر اور تشریح سے بھی معلوم ہوا کہ اولی الامر کی تفسیر میں اُمراء اور علماء دونوں مراد ہو سکتے ہیں جس طرح
ان تفسیروں میں اولی الامر کا معنی اُمراء، مسرّایا اور اہل الفقه اور اہل علم کے کیا گیا اسی طرح تفسیر معالم التنزیل ص ۴۹ اور تفسیر
ابن کثیر ص ۴۹ اور تفسیر کشاف ص ۲ وغیرہ میں بھی اولی الامر کا مصداق اہل الفقه والعلم منقول ہے مگر ہم مختصراً
کے پیش نظر اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور مزید لطفت کی بات یہ ہے کہ مشہور غیر مقلد عالم قاضی محمد بن علی شوکانیؒ
(المتوفی ۱۲۵۸ھ) بھی یہ لکھتے ہیں کہ

ان للمفسرين في تفسير اولي الامر
قولين احدهما انهم الامراء والثاني
انهم العلماء ولا تمتنع ارادة الطائفتين
من الآية الكريمة ولكن اين هذا من
الدلالة على امراد المقلدين فانه
لا طاعة للعلماء ولا للامراء الا اذا امروا
بطاعة الله تعالى على وفق شريعة
والا فقد ثبت عنه صلى الله تعالى
عليه وسلم انه قال لا طاعة لمخلوق
في معصية الخالق اهـ (القول الغدير ص ۵۶)

حضرات مفسرین کرام کے اولی الامر کی تفسیر میں دو قول ہیں
ایک یہ کہ اس سے اُمراء مراد ہیں اور دوسرا یہ کہ اس سے
علماء مراد ہیں اور کوئی امتناع نہیں کہ اس آیت کریمہ سے
دونوں طبقے مراد لیے جائیں لیکن مقلدین کی مراد پر اس
کی دلالت کا کیا تعلق؟ اس لیے کہ اُمراء کی اطاعت
صرف اسی وقت ہوگی جب کہ وہ شریعت کے مطابق اللہ تعالیٰ
کی اطاعت کا حکم دیں ورنہ انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے یہ حدیث ثابت ہے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق
میں کبھی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

باقی باتیں تو بالکل واضح ہیں خصوصاً یہ بات کہ اولی الامر سے علماء ربیٰ مراد ہو سکتے ہیں اور اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور ہمارا مقصد بھی اس حوالہ سے صرف یہی بات ہے۔

البتہ قاضی شوکانیؒ کا یہ قول ولکن این ہذا من الدلالة علی مراد المقلدین الخ تو یہ تقلید سے نفرت کی وجہ سے بدگمانی اور سوہن کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حضرات مقلدین تو یہاں تک دہل چلا چلا کر رہ گئے ہیں کہ منصوص مسائل میں اور قرآن و حدیث اور اجماع کے خلاف کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔ تقلید صرف ان مسائل میں جائز ہے جو غیر منصوص ہوں اور جاہل کو لاعلمی کے وقت قرآن و حدیث کے صریح حکم سے باقرائہ فریق ثانی اہل علم کی طرف رجوع کرنے اور ان سے سوال کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ شرعاً اس کا مکلف اور پابند ہے۔ اور ایسے مسائل میں تقلید اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کے حکم کی تعمیل اور ان کی اطاعت میں ہوتی ہے نہ یہ کہ ان کی نافرمانی میں اور اولی الامر کا مضمون مقلدین کی مراد پر واضح اور روشن دلیل ہے۔ اور نواب صدیق حسن بھی لکھتے ہیں کہ

قال ابن عباس وجابر والحسن والوالعالمیۃ حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ، حضرت حسن بصریؒ حضرت وعطاء والضحاك ومجاهد والامام احمد ابو العالیہؒ حضرت عطاءؒ، حضرت عثامؒ، حضرت عثامؒ، حضرت مجاہدؒ اور حضرت امام (الجنة) حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد علماء ہیں۔

الحاصل جب یہ بات پایہ تکمیل تک پہنچ چکی ہے کہ اولی الامر سے مراد اصحاب فقہ، علماء اور اصحاب خیر ہیں تو ان کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں۔ اور یہ محال ہے کہ شرک اور بدعت و مذہب عامر کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ اور صیغہ امر اطمینان کا بھی اچھی طرح خیال فرمائیں۔

نواب صدیق حسن خانؒ صاحب لکھتے ہیں۔

اصل در امر وجوب فعل مامور یعنی امر اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مامور بہ کے بدلہ ست۔ (بدور الاصلہ ص ۲۲)

جب صیغہ امر سے مامور بہ کا وجوب ثابت ہے تو اس وجوب پر عمل کرنے سے شرک کیوں لازم آیا؟ اور یہ مذہب کیوں ہے؟

فریق ثانی کو خدا تعالیٰ کا خوف کرنا چاہیے کہ مطلقاً تقلید حضرات اللہ کو کلام کے شرک کہنے سے کیا خرابی لازم آتی ہے؟ اور اس کی زد کسوں کسوں پر پڑتی ہے اور کیا حضرات اللہ کو کلام کی یہی توقیر ہے؟

۴ کیا اس لیے تقدیر نے چنوائے تھے تھے بن جائے نیشن تو کوئی آگ لگا دے
 دوسری قسم :- کہ اگر اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہی ہوں جیسا کہ اس آیت کا شان نزول بھی ایک
 سپہ سالار کی شہادت ہے تو بھی کوئی خرابی نہیں۔ کیونکہ اگر رسول کے بغیر کسی کو حاکم اور امیر بنانے سے شرک فی
 الرسالت لازم آتا اور اس کی اطاعت ناجائز ہوتی تو اسلام میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا آپ کی
 موجودگی میں بھی اور آپ کے انتقال کے بعد بھی کسی کو امام منتخب کرنا جائز نہ ہوتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے
 خود امراء اور حکام چنے اور منتخب کیے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم اولی الامر یعنی امراء کی جب کہ وہ مسلمان اور
 پابند شریعت ہوں اطاعت کرو۔ اور بخاری شریف کی حدیث پہلے نقل کی جا چکی ہے کہ جس نے امیر کی اطاعت
 کی اس نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔ اور جس نے امیر کی نافرمانی کی تو اس نے آپ
 کی نافرمانی کی۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر حق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امر حکم اور قضیہ (اذا قضی اللہ و
 رسوله الیہ) کے ہوتے ہوئے ان کی تعمیل میں کسی دوسرے کی بات کو تسلیم کرنا کفر اور شرک فی الاولیاء اور
 شرک فی الرسالت نہیں (حالانکہ حقیقت فیصلہ کرنا اور حکم دینا خدا تعالیٰ کا اور اس کی تعلیم و تبلیغ رسول پر حق ہی کا
 کام ہے تو اسی طرح ان کی اطاعت میں اگر کسی دوسرے کی اس لیے تقلید کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے
 رسول پر حق کی ہدایت پر چلتے ہیں۔ اور امت کی خیر خواہی میں کوشاں ہیں تو ان کی تقلید سے کیسے شرک فی الاولیاء
 اور شرک فی الرسالت لازم آئے گا؟

اعتراض :- فریق ثانی نکاح کرنا ہے کہ خلفاء۔ امراء اور حکام کی اطاعت تو امور دنیوی میں کی جاتی ہے۔ اور
 امور دنیوی میں کسی بات کو امن عامہ اور سیاست کو برقرار رکھنے کے لیے تسلیم کرنا شرک نہیں نہ فی الاولیاء اور
 نہ فی الرسالت، شرک تو جب ہو گا کہ دین میں کسی کو منصب نبوت اور مندر رسالت پر جگہ دی جائے اور تم
 حضرات ائمہ دین کو دین میں اپنا مقتدی اور پیشوا بناتے ہو۔ لہذا شرک ہوا۔

جواب :- فریق ثانی کا یہ غلطوہ موجودہ لادینی سیاست کا ایک عکس ہے۔ کہ دین کو دنیا سے اور دنیا کو دین
 سے الگ سمجھتے ہیں۔

حضرات مسلمانوں کا دین اور دنیا۔ مذہب اور سیاست دو الگ الگ راستے نہیں۔ بلکہ مسلمان کی
 سیاست اور دنیا بھی دین ہی ہے۔ یہاں دین اور دنیا کا اور مذہب و سیاست کا فرق نکالنا زندگی اور احکام ہے

آپ ہمارے اس بیان کی تائید میں مندرجہ ذیل امور کا خیال فرمائیں۔

(۱) صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ تین قسم کے لوگ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شفقت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔

رجلاً بائع اماماً لا یبایعہ الا للدنیا ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہوگا جس نے امام وقت
الحديث (بخاری ص ۲۱۴) کے ہاتھ پر حصول دنیا کے لیے بیعت کی۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی بیعت دنیا کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ دین کے لیے ہی ہونی چاہیے
جب دنیا کے لیے بیعت اتنی مذموم ٹھہری تو اس کی نسبت حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کی طرف اور اسلام
کے زیر اصول کی طرف چہ معنی وارد؟

(۲) کتب عقائد میں امام کے متعین کرنے کا مقصد صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ۔

لان المقصود من نصب الامام بالذات امام اور خلیفہ کے انتخاب سے مقصود بالذات
اقامة امر الدين (مسامرہ ص ۱۵۳) امور دین کا قائم کرنا ہوتا ہے۔

اور شرح العقائد ص ۱۱ میں ہے کہ خلافت سے مقصود امر الدین ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وهو الامر المقصود الاله
يعني امر دين هي مقصودا هم اور بڑی مطلوب چیز ہے
والعمدة العظمیٰ

جب امام اور خلیفہ کا انتخاب ہی امور دین کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے۔ تو ہم اس کو رکھ دینے سے کو
نہیں سمجھ سکتے کہ ایک طرف تو امیر کے انتخاب پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اتنی وحید شریہ وارد ہو
کہ جس کے گلے میں کسی امام کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور نیز فرمایا کہ اگرچہ حبشی غلام بھی تمہارے
اور امیر منتخب کر لیا جائے تو اس کی اطاعت بھی تمہارے لیے ضروری ہے (بخاری ص ۱۰۵، مسلم ص ۱۳۸، صحیح ۱۲۳)
اور دوسری طرف حسب خیال فریق ثانی دین کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر
کسی اور کی اقتدار شرک فی الرسالة ہے اور امیر کی اطاعت صرف یہی ہے ایک طرف تو بالفرض حبشی کو بھی
دین کے بارے میں خلیفہ اور امام بنانا شرک فی الرسالة نہ ہو۔ اور دوسری طرف مثلاً حضرت امام شافعی ایسے قریشی
اور عربی النسل امام کو بھی دین کے معاملات میں مقتدی بنانا شرک فی الرسالة ہو جائے۔

ایک طرف اگر امیر کی ذرا بھی سر تابی کی جائے تو زبردست سزا کا مستوجب ہو۔ حالانکہ وہ صرف مجازی

حاکم ہے۔ حقیقی حاکم تو صرف پروردگار ہی ہے۔ **إِنَّ الْحَكْمَ لِلَّهِ** اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو حکم دینے کا حق ہی نہیں۔ اور مزید لطیف یہ کہ ایک امیر کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا امیر اگر کھڑا ہو تو امیر ثانی کی جان کی خبر ہی نہیں (مسلم ۲۸) یعنی یہاں اتنی سخت گرفت ہے مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی امیر کی اطاعت نہ تو شرک فی الاموریت ہے اور نہ شرک فی الرسالت ہے لیکن دوسری طرف اس میں اتنی سہولت ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا وہ یہ کہ اگر کوئی محقق عالم ہے تو چاہے کسی اہم کی بھی تقلید نہ کرے۔ بلکہ قرآن اور حدیث سے براہ راست مسائل اخذ کر لے۔ اور بصورتِ جاہل ہونے کے متعدد حضرات ائمہ کرام کی موجودگی میں چاہے تو کسی ایک اہم کی تقلید کر لے۔ اور چاہے تو (عند البعض) پہلے کی تقلید کر چھوڑ کر دوسری کی تقلید کر لے۔ اور چاہے تو علامہ ذہبیؒ کے الفاظ میں اہم ابن دقیق العیدؒ کی طرح الماکیؒ اشافعی بن کر ڈبل تقلید بن جائے۔ دیکھئے یہاں رابطہ کتنا کھرا ہے۔ مگر فریقِ ثانی کے نزدیک ایسا کرنے سے ضرور شرک فی الرسالت لازم آجاتا ہے۔ اور خلیفہ کی بیعت میں کیسی سخت پابندی موجود ہے لیکن وہ شرک فی الرسالت نہیں۔

الغرض جب خلیفہ اور حاکم کی بیعت بھی ائمہ دین میں شامل ہے۔ اور کسی ایک اہم کی تقلید بھی دینی ہی چیز ہے۔ تو جب شرعاً مندرجہ رسول پر خلیفہ اور حاکم کو بھی ٹھٹھایا جاسکتا ہے اور اوصوے سے اختیار کے تحت اہم بھی نائب رسول ہو سکتا ہے تو اگر پہلی چیز شرک نہیں بلکہ اس کی پابندی نہ کرنے پر اشد ترین وعیدیں بھی موجود ہیں، تو دوسری چیز کیوں شرک ہے؟ امید ہے کہ فریقِ ثانی سوچ سمجھ کر کچھ ارشاد فرمائے گا۔

(۳) حضرت امام رازیؒ (فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر المتوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ

انہ لا نزاع ان جماعۃ من الصحابۃؓ
والتابعینؒ حصلوا قوله وأولی الامر
منکم علی العلماء (تفسیر کبیر ص ۱۲۹)

اور فرماتے ہیں کہ اگر اولی الامر سے امراء بھی مراد لیے جائیں تب بھی علماء اس کا اولین مصدق ہیں۔

ان اعمال الامراء والسلاطین موقوفہ
علی فتاوی العلماء والعلماء فی الحقیقۃ
امراء الامراء فکان حمل لفظ اولی
الامر لیس اولی (تفسیر کبیر ص ۱۲۶)

بلاشبہ امراء اور بادشاہوں کے اعمال علماء کے
فتوؤں پر موقوف ہیں اور حقیقت میں علماء ہی امراء کے
امراء ہیں تو لفظ اولی الامر کا علماء پر حمل کتنا زیادہ
بہتر ہے۔

اور عوام پر علماء اور ائمہ کی یہ اطاعت بھی اس وقت واجب ہے جب کہ وہ عادل اور دین کے پابند ہوں ورنہ نہیں۔ چنانچہ امام ابو بکر الجصاصؒ فرماتے ہیں کہ
 فامرو الناس بطاعتهم والقبول منهم
 ما عدل الامراء والحكام وكان العلماء
 عدولا مرضيين موثوقا بدينهم
 واصانتهم فيما يؤدون۔ (احکام القرآن ص ۲۱۸)

عام لوگ ائمہ اور علماء کی اطاعت اور ان کی بات کو قبول کرنے کے مامور ہیں جب کہ ائمہ اور حکام عادل ہوں۔ اور علماء عادل اور پسندیدہ ہوں اور جس چیز کو وہ ادا کرتے ہوں اُس میں ان کے دین اور امانت پر اعتماد ہو۔

مطلب بالکل واضح ہے کہ اگر ائمہ اور حکام ظالم ہوں اور خلاف شرع احکام جاری کرتے ہوں اور علماء دین اور دینی امانت کے لحاظ سے قابل اعتماد اور عادل نہ ہوں بلکہ علماء رُسور ہوں تو ان کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور امام رزنیؒ اولی الامر کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

المسألة الاولى في اولي الامر قولنا احدها
 الى ذوى العلم والرأى منهم والشأني
 الى امراء السرايا وهؤلاء تتجملوا هذا
 القول على الاول قالوا لان اولي الامر
 الذين لهم امر على الناس واهل
 العلم ليسوا كذلك انما الامراء
 هم الموصوفون بان لهم امرا
 على الناس واجيب عنه بان العلماء
 اذا كانوا عالمين باوامر الله
 ونواهيہ وكان يجب على غيرهم
 قبول قولهم لم يجب ان يسموا
 اولي الامر من هذا الوجه والذي
 يدل عليه قوله تعالى يتفقهاوا
 في الدين ولينفذوا قوامهم

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اولی الامر کی تفسیر میں دو قول میں ایک یہ کہ اس سے اہل علم اور اصحاب الرأی مراد ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے امراء جو کوشش مراد ہیں اور اس قول والوں نے اس کو پہلے پر ترجیح دی ہے یہ کہتے ہوئے کہ اولی الامر وہ ہیں جن کی بات اور حکم لوگوں پر نافذ ہو اور اس وصف کے ساتھ امراء ہی موصوف ہیں نہ کہ علماء۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ علماء جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو جانتے ہوں تو نہ جاننے والوں پر ان کی بات کو قبول کرنا واجب ہے تو اس وجہ سے بعید نہیں کہ وہ بھی اولی الامر سے موسوم ہوں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ چاہیے کہ وہ لوگ دین میں تفقہ حاصل کریں اور چاہیے کہ اپنی قوم کو جب وہ ان کی طرف لوٹے ڈلائیں شاید کہ وہ (مافوقی سے) پہنچتے رہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ڈرانے سے قوم کو پہنچنا چاہا جسکی وجہ سے اور جس قوم کو انہوں نے

اذا رجعوا اليهم لعلهم يخذرون فاجب
المحذر بانذارهم والزم المنذرين قبول
قولهم فجاز لهذا المعنى اطلاق اسم
اولى الامر عليهم (تفسير كبير ص ۱۹۹)

نے ڈرایا ہے ان پر ان کے قول کو قبول کرنا لازم ٹھہرایا
ہے تو اس وجہ سے اولی الامر کا اطلاق ان پر جائز ہے۔

یعنی جس طرح علوم پر اُمراء کا قول ماننا (جو موافق شرع ہو) واجب اور لازم ہے اسی طرح لاعلم لوگوں پر
علماء کی بات جو اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی سے بخوبی آگاہ ہیں تسلیم بھی لازم اور واجب ہے اس لحاظ سے
علماء حق کی بات ماننا بھی علوم پر واجب اور لازم ہے جس طرح اُمراء کی تو علماء حق بھی اولی الامر کا مصداق ہیں۔
(۴) نواب صاحب لکھتے ہیں کہ اولی الامر کی جو دو تفسیریں کی گئی ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ

والتحقیق ان الامراء انما يطاعون
اذا امروا بمقتضى العلم فقطاعتهم
تبع لطاعة العلماء كما ان طاعة
العلماء تتبع لطاعة الرسول (المجتمعة ص ۱۲۱)
تحقیق یہ ہے کہ اُمراء اور حکام کی اطاعت تب ہی کی جاتی
ہے کہ وہ علم (شریعت) کے مطابق فیصلہ کریں تو اُمراء کی
اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے۔ جیسا کہ علماء کی اطاعت
جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کے تابع ہے۔
الحاصل یہ کہ حقیقتہً اطاعت تو علماء کی ہونی چاہیے۔ حکام کی اطاعت تو اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ علماء کے
تابع اور شریعت اسلامی کے موافق فیصلے صادر کرتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (المتوفی ۱۳۹۶ھ)
فرماتے ہیں کہ۔ اولی الامر کی تفسیر میں صحابہ کرام ثم تابعین اور تبع تابعین کا موقف یہ ہے کہ اس سے مراد عقلاء علماء
اور فقہاء ہیں اور مولانا صدیق حسن خان صاحب (رئیس اہل حدیث) بھی اس معنی کو اپنی تفسیر میں قبول کرتے ہیں۔
(جواہر الفقہ ص ۱۲۱)

آپ اولی الامر کی تحقیق سن چکے کہ اصحاب فقہ ہوں یا حکام بہر حال ان کی اقتدار کا حکم قرآن کریم کی آیت
نہ کہہ سکتے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے اگر حضرات ائمہ کرام کی تقلید اور اطاعت شرک فی الرسالة ہے
تو حکام اور اُمراء کی اطاعت بھی تو شرک فی الرسالة ہی ہوگی لیکن اگر حکام کی اطاعت واجب ہے تو لاعلمی
کے وقت حضرات ائمہ کرام کی اطاعت بھی واجب ہی ہوگی اور ہے۔ اگر فرق ثانی اس کو واجب نہیں مانتا
تو نہ ہی مگر اس کو شرک بھی تو نہ کہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ خود اس کا اپنا زاویہ نگاہ ہی درست نہیں۔
تیری نگاہ کرم کو بھی آزما دیجھا
اذیعوں میں نہ ہونی تھی کچھ کمی نہ ہونی

دوسری آیت :- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ أَلْخَوْفِ
إِذَا عَوَّاهُمْ وَكُودُوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ
مِنْهُمْ لَعَلَّهُمُ الَّذِينَ يَسْتَبْطُونَهُ مِنْهُمْ
(رپ۔ آل عمران)

جیب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی واقعہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو مشورہ کر دیتے ہیں اور اگر وہ اس کو جناب رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اولی الامر کی طرف لڑائے (تو بہتر ہوتا) تاکہ ہر ایک حقیقت اور شر کو پہنچ سکتے ہیں وہ اس کو جان لیتے (پھر جیسا مناسب سمجھتے کرتے)

اس آیت کرمہ میں عوام الناس کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر بات ان کے سمجھنے کی نہیں ہوتی۔ لہذا جب بھی وہ کسی امن یا خوف کی بات کو سنیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولی الامر سے اسکی بابت پوچھ لیا کریں۔ پھر جیسا وہ مناسب خیال فرمائیں گے بتلا دیں گے۔ پھر عوام اس پر عمل کریں۔

مندرجہ ذیل امور پر غور کریں۔

(۱) اگرچہ آیت میں امن اور خوف کا ذکر ہے۔ لیکن ان کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امن اور خوف ان کا پس منظر اور ان کی تشہیر یا اوقات امن عامہ کے لیے نکل ہوتی ہے۔ اور ہر آدمی ان کے نتائج ملک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے یہ ضروری مقرر کہ ایسے اہم کاموں میں ہر آدمی اپنی سمجھ سے کام نہ لے۔ بلکہ کسی سمجھدار سے جو حقیقت آشنا ہو پوچھ لے۔ اسی طرح دین کام ہر آدمی کی حقیقت بھی ہر آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے اس لیے ایسے مسائل میں ایسے لوگوں سے جو حقیقت سے آگاہ ہوں پوچھنا ضروری مقرر۔

(۲) اس آیت میں اولی الامر ایسے حضرات کو کہا گیا ہے جن میں استنباط اور اجتہاد کا مادہ موجود ہو۔ تاکہ ضرورت کے وقت وہ جزئیات کو اصول کی طرف اور غیر منصوص مسائل کو احکام منصوصہ کی طرف لانا کہ معاملہ کی نزاکت کو معلوم کر سکیں اور یہ کام صرف حضرات فقہاء کرام اور مجتہدین کا ہے۔ چنانچہ اہم البکر الجصاص الرزاقی اس آیت کرمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ۔

فقد حوت هذه الآية معاني منها ان
في احكام الحوادث ما ليس بمنصوص عليه
بل مدلول عليه ومنها ان على العلماء
استنباطه والتوصل الى معرفته
بلا شك ان آیت کرمہ مقصد معانی و مطالب پر مشتمل ہے
ایک یہ کہ پیش کردہ مسائل کے احکام ایسے بھی ہیں جو ضرورت
مہت نہیں بلکہ دلیل سے ان کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اور
دوسرا یہ کہ علماء پر ان کا استنباط اور منصوص نظام کی طرف

مجردہ الحائضہ من المنصوص ومنها
ان العاجی علیہ تقلید العلمانی احکام
المحادث الا (احکام القرآن ص ۲۱۵)

یہ عبارت بھی اپنے مضموم اور مدلول کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔
حضرت مولانا عبدالحق حقانی (المتوفی ۱۳۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ

ہاں یہ بات ضروری ہے کہ استنباط کرنا ہر ایک کا کام نہیں اور اس کے شرط بھی ہیں اور استنباط کو
فقہار قیاس بھی کہتے ہیں پس جو استنباط نہ کر سکتا ہو اس کو اس مسئلہ میں جو اس کو کتاب و سنت و اجماع میں
نہ ملے تو مستنبط یعنی مجتہد سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا چاہیے اور اسی کو تقلید شرعی کہتے ہیں جس کی ضرورت سمجھی
گئی (تفسیر حقانی ص ۲۵)

اہم البوکر الجصاص الرزازی غیر منصوص حوادث میں قیاس اور اجتہاد کے جائز ہونے پر قرآن کریم کی چند
آیات اور بعض احادیث کا حوالہ دیتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں۔

ونظیر ذلك من الاخير والموجبة لجواز
الاجتهاد في امور الدين لا توقفت فيها
ولا اجماع الاكثر من ان تحصى وفيما ذكرنا
كفاية لمن وفق لرشده (الفصول في
الاصول ابواب الاجتهاد والقياس
للجصاص الرزازی مکتبہ العلمیۃ لاہور)
اور ان کی مانند وہ احادیث جو دین کے ایسے امور کے بارے
جس میں وقوف اور اطلاع نہ مل سکی ہو اور ان میں اجماع بھی
نہ ہو اجتہاد کے جواز پر دال ہیں اور وہ اس کثرت سے ہیں
کہ ان کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا اور ہم نے جو بیان کی ہیں۔
جس کو بھلائی کی توفیق نصیب ہے اس کے لیے وہ کافی
ہیں۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول میں بالکل واضح ہے کہ غیر منصوص مسائل میں قیاس اور اجتہاد کے جائز ہونے
پر بے شمار احادیث بھی دال ہیں۔

اہم محمد بن احمد الخضر الحنفی (المتوفی ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ

انه ما من حادثة الا وفيها احكام الله
تعالى من تحصيل او تخديم او ايجاب
او اسقاط ومعلوم ان كل حادثه
کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحویل یا تحریم
یا ايجاب یا ذمہ کو فارغ کرنے کا کوئی حکم نہ ہو اور یہ بات بالکل
عیاں ہے کہ ہر مسئلہ میں نص نہیں پائی جاتی منصوص مسائل تو محدود

لا يوجد فيها نص فالمنصوص معدودة
متناهية ولا نهاية لما يقع من
الحوادث الى قيام الساعة وفي تسمية
حادثة اشادة الى انه لا نص
فيها فان ما فيه النص يكون
اصلاً معهوداً وكذلك الصحابة
ما اشتغلوا باعتقاد نص في كل حادثة
طلباً او رواية فعرفنا انه لا يوجد
نص في كل حادثة (اصول سرخی ص ۱۳۹ طبع مصر)

اس عبارت سے بھی واضح ہو گیا کہ تمام پیش آمدہ مسائل میں نص موجود نہیں ہے۔

اجتہاد ہر کس و ناس کا کام نہیں

سابق عبارات اور حوالوں سے یہ بات تو بالکل آشکار ہو گئی ہے کہ
پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں قیاس اور اجتہاد تا قیامت جائز ہے

اور اس سے کوئی مخلص اور چارہ نہیں لیکن اجتہاد کرنا ہر کس کا کام نہیں اس کے لیے اصول فقہ کی کتابوں میں اہم
اور ضروری شرائط بیان کی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں درسی اور متداول کتابوں مثلاً نور الانوار، التوضیح والتلویح،
مسلم البیروت، فرائح الرحمن، التحریر، کشف الاسرار، منہاج الاصول غایتہ التحقیق وغیرہ کے علاوہ احکام القرآن
لابی بکر الجصاص ص ۲۶۳ الاحکام فی اصول الاحکام للعلامة الامامی ص ۲۱۹ المستصفیٰ للقرنی ص ۲۳۶ اور
اصول الفقہ لابی زہرہ ص ۲۳۶ وغیرہ کتابوں میں خاصی تفصیل موجود ہے۔ ہم اختصار کے پیش نظر صرف دو
ہی حوالے عرض کرتے ہیں۔

(۱) امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدری الحنفی (المتوفی ۴۸۲ھ) سنایت ہی مختصر الفاظ میں اجتہاد کی شرط یہ تحریر فرماتے
ہیں کہ۔

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ مجتہد کتاب اللہ کے معانی اور حدیث
کی اسانید اور متن اور ان کے معانی کے طریقوں کے علم
پر حادی ہو اور یہ کہ قیاس کے طرق اور وجوہ کو بھی جانتا ہو۔

اما شرطه فان يحوي علم الكتاب
بمعانيه و علم السنة بطريقها ومتونها
و وجوه معانيها وان يعرف وجوه القياس
(كنز الوصول الى معرفة الاصول ص ۲۴۰ طبع مصر)

یعنی مجتہد کے لیے یہ ضروری ہے اور اجتہاد کی یہ بنیادی شرط ہے کہ مجتہد کتاب اللہ کے معانی پر عبور رکھتا ہو اور حدیث کی اسانید اور اس کے متون پر بھی اس کا علم جاری ہو اور اخذ معانی مثلاً عبارة النص۔ اشارة النص ولالة النص اور اقتضاء النص وغیرہ کے وجوہ کو بھی بخوبی جانتا ہو اور قیاس کے وجوہ کو بھی (جو قیاس کے باب میں مذکور ہیں) جانتا ہو۔ ظاہر امر ہے کہ جس نے نہ تو کسی باہر استاد سے قرآن کریم کے باقاعدہ معانی پڑھے ہوں اور نہ علوم آئینہ سے شناسائی حاصل کی ہو۔ اور نہ حدیث کی سند اور معنی کو پڑھا ہو اور نہ اصول تفسیر اور اصول حدیث سے واقفیت حاصل کی ہو اور نہ اصول فقہ اور قیاس کے وجوہ کو پڑھا ہو محض بعض تراجم پر نگاہ جمالی ہو وہ بھلا مجتہد کیسے بن سکتا ہے؟ وہ روایتی عالم ہو یا جج اور وکیل ہو شرعی اجتہاد کے میدان کا ہرگز شہسوار نہیں ہے وہ صَلَّوْا وَاَصْلَوْا کا مصداق تو ہو سکتا ہے لیکن مجتہد ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۲) امام عبد الحکیم شرنشانی (المتوفی ۵۴۸ھ) اجتہاد کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

شرائط الاجتہاد (۱) معرفۃ قدر صلاح من اللغۃ والتفہیم
بین الالفاظ الوضیعیۃ والاستعاریۃ والنص والظاہر
والعام والخاص والمطلق والمقید والمجمل والمفصل
وفحوی الخطاب ومفہوم الکلام (۲) معرفۃ تفسیر
القرآن خصوصاً ما یتعلق بالأحكام (۳) ثم معرفۃ
الاخبار یمتدونها واسانیدھا والاحاطۃ
بالحوال النقلۃ والروایۃ (۴) ثم معرفۃ
مواقع اجماع الصحابۃ والتابعین
وقابلی التابعین من السلف الصالحین
حتى لا يقع اجتہادہ فی مخالفتہ
الاجماع۔ (۵) ثم التہمدی الی مواضع
الاقبیۃ وکیفیۃ النظر والتردد فیہا الخ
(الملل والنحل ص ۲۱ طبع مصر)

اجتہاد کی شرطیں یہ ہیں (۱) بقدر ضرورت لغت (عربی) کی معرفت ہو اور الفاظ وضعیہ اور استعاریہ اور نص اور ظاہر اور عام اور خاص اور مطلق اور مقید اور مجمل اور مفصل اور فحوی الخطاب اور مفہوم الکلام میں تمیز کرنے کی اہلیت ہو۔ (۲) قرآن کریم کی تفسیر کی معرفت ہو خصوصاً جو احکام سے متعلق ہے (۳) پھر احادیث کی ان کی اسانید اور متون کے ساتھ معرفت اور ناقلین اور روایت کے احوال کی معرفت کا احاطہ (۴) پھر حضرات صحابہ کرامؓ۔ تابعینؓ اور تبع تابعینؓ وغیرہم سلف صالحین کے اجماع کے مواقع کی معرفت تاکہ مجتہد کا اجتہاد اجماع کے خلاف نہ واقع ہو (۵) پھر قیاسات کے مواقع اور تزلالی کی کیفیت اور ان میں غور و فکر کرنے کے مواقع کی شناسائی اور ہدایت ہو۔

قارئین کرام! یہ ہیں اجتہاد کے لیے مختصری شرطیں جس شخص نے نہ تو تفسیر و حدیث باقاعدگی سے پڑھی ہو اور نہ علم

عربیہ اور اصول فقہ سے واقفیت رکھتا ہو۔ اور نہ حضرات سلفت سناہین کے اجمل کے مواقع کو ان کے مآخذ سے جانتا ہو اور نہ قیاس کے طرق پر مطلع ہو صرف بعض کتابوں کے خلاصے اور تراجم پڑھ لیے ہوں تو وہ کس طریقہ سے اجتہاد کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ یا علمی طور پر اس کا اہل ہو سکتا ہے؟ راقم اٹھم نے بحمد اللہ تعالیٰ پورے سولہ سال درس نظامی کا مکمل نصاب پڑھا ہے اور پھر اٹھائیس سال سے پڑھا رہا ہے اور درس نظامی کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو کسی کی بار نہ پڑھائی ہو مگر جس چیز کا نام علمی طور پر اجتہاد ہے راقم اٹھم اپنے آپ کو واللہ باللہ اس کا کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتا بقدر وسعت صرف کتابوں کے حوالے سے کرتا ہے اور میں مگر نہایت افوس ہے کہ اجتہادی علوم و فنون تو درکنار جس شخص نے درس نظامی یا اس سے ملتا جلتا نصاب جس سے اصلی زبان میں علوم عربیہ کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اساتذہ سے نہ پڑھا ہو صرف بعض کتابوں کے خلاصے اور تراجم ہی دیکھے ہوں اور وکالت پاس کر لی ہو تو بھلا وہ کیونکر اجتہاد کا اہل ہو سکتا ہے؟ الغرض پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں باقی مست اجتہاد جاری اور جاری ہے۔ لیکن مجتہد کے لیے شرط لفظ بھی ہیں نہ یہ کہ ہر کہ دمہ اجتہاد کر سکتا ہے۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری دانہ

(۳) قیاس۔ اجتہاد اور استنباط کے اثبات پر جہاں اور بہت سے براہین ہیں وہاں ایک دلیل یہ آیت مذکورہ بھی ہے۔ اگر قیاس وغیرہ درست نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ امن اور خوف کے معاملہ کو ایسے اولی الامر کی طرف جو استنباط کر سکے ہوں لوٹانے کا حکم نہ دیتے۔ چنانچہ اہم ابو بکر الجصاص الرازی ہی لکھتے ہیں۔

وفي هذه الآية دلالة على وجوب القول بالقياس واجتهاد الرأي في

اس آیت سے نئے نئے مسائل میں قیاس اور رائے سے اجتہاد کرنے کا مسئلہ اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔

احکام الحوادث - (احکام القرآن ص ۲۶۲)

(۴) اگر اولی الامر کی بات محبت نہ ہوتی خصوصاً جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں تو قرآن کریم نے کیوں اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے؟ اور پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کو (خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی جیب کہ اصول دین کے موافق ہو) قبول کرنا شرک فی الرسائل ہے تو قرآن کریم نے اس شرک کی کیوں ایذا دی ہے؟ اور اگر آپ کے ارشاد کے موافق اولی الامر کی بات شرک فی الرسائل نہیں تو حضرات ائمہ مجتہدین کی بات کیوں شرک ہے؟

(۵) اس آیت میں اولی الامر سے اگرچہ بعض حضرات نے مراد سرایا مراد لیے ہیں (دیکھیے کشاف ص ۲۷۶) لیکن جمہور حضرات مفسرین کرام کے نزدیک اولی الامر سے مراد اصحاب فہم حضرات ہی مراد ہیں۔

چنانچہ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ

وهم كبار الصحابة البصراء في الامور وهو
الذي ذهب اليه الحسن وقتادة ومخلق

کشیور۔ (روح المعانی ص ۸۵)

اولی الامر سے مراد کبار صحابہ کرامؓ ہیں۔ جو معاملات میں
بصیرت رکھتے تھے۔ یہی تفسیر حضرت حسن بصریؒ، حضرت قتادہؒ
اور بہت سے حضرات مفسرین کرامؓ نے کی ہے۔

اور اگر امر اور جوش بھی مراد ہوں تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ امیر کی اطاعت میں بھی
دینی پہلو بھی ہوتا ہے تو مندر رسول پر وہ بھی بیٹھتے ہیں۔

(۶) چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت حضرات صحابہ کرامؓ ہی تھے اس لیے کبار صحابہ کرامؓ کا ذکر
کیا گیا ہے۔ ورنہ ان کی تخصیص نہیں۔ ہر زمانہ میں اصحاب بصیرت لوگ اس آیت کا مصداق ہیں۔

اصل مسئلہ کل ترین مواقع، مقامات اور مسائل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی اور بعد
کو بھی دیگر اصحاب بصیرت اور اہل استنباط کی طرف رجوع کرنا شرک نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ قرآن کریم بھی
شرک فی الرسالت کی تعلیم دیتا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) بلکہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
بتلائے ہوئے اصول کے ماتحت اصحاب بصیرت کا حکم ماننا۔ ان کی تقلید کرنا دراصل آپؐ ہی کی اطاعت
میں داخل ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بخاری شریف کی حدیث سے نقل کر چکے ہیں کہ جس نے میرے امیر کی اطاعت
کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور نواب صدیق حسنین
صاحبؒ کے حوالہ سے بھی ہم نقل کر آئے ہیں کہ علماء کی اطاعت کوئی الگ چیز نہیں بلکہ جناب محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت ہے۔

اور غیر مقلد عالم مولانا محمد صاحب جو ناگرم بھی لکھتے ہیں کہ۔

لفظ اولی الامر جمع ہے اور تقلید شخصی مفرد ہے اس لیے بھی دعوئے اور دلیل میں مطابقت نہیں۔ در کیا
خوب! غیر مقلدین کے نزدیک کیا بیک وقت متعدد امر اور کی اطاعت جائز ہے؟ یا صرف ایک کی؟ اگر
متعدد کی جائز ہے تو دوسرے کو قتل کرنے کا حکم کیوں صادر ہوا ہے؟ اور اگر ایک کی ہے تو جمع کا صیغہ
ایک پر کیسے فٹ ہوگا؟ اور دعوای و دلیل میں تقریب نام کیسے ہوگی؟ اور پھر فَاَسْلَمْنَا أَهْلَ الذِّكْرِ
میں بھی تو تعمیم ہے۔ نہ معلوم ان کے شیخ اکل صاحبؒ نے صرف ایک ہی سے سوال کرنے پر عذرہ تکلیف
سے لاعلم کر کیوں فارغ الذمہ قرار دیا ہے؟ صفحہ ۱ آیت کا اصل صحیح اور ٹھیک مطلب یہ ہے کہ خدا اور

کی تو مستقل اطاعت ہے ہی اولی الامر یعنی حکومت والوں کی اطاعت امور دنیا میں اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ خدا رسول کے خلاف نہ کہیں اور علماء کی اس شرط کے ساتھ ہے کہ خدا رسول کی باتیں وہ سچیں پہنچائیں۔ تو اس میں چاروں اماموں کی کوئی خصوصیت نہیں (یقیناً ہے کیونکہ ان کے مسائل کتابوں میں ابواب و فصولاً مدون و مرتب ہیں جب کہ دوسرے حضرات ائمہ کرام کے مسائل یا تو ان ہی حضرات ائمہ اربعہ کے مسائل میں مدغم اور مندرج ہو گئے ہیں۔ اور یا مٹ گئے ہیں کما یجی انشاء اللہ تعالیٰ۔ صدر صاحبؒ سے لے کر آج تک جو علماء کرام خدا رسول کی باتیں لوگوں کو پہنچائیں۔ ہر شخص پر ان باتوں کا ماننا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ ان کی اپنی باتیں نہیں وہ صرف ناقل اور مبلغ ہیں۔ باتیں دراصل اللہ رسول کی ہیں جن کی اتباع بالاستقلال جائز و مہم فرض ہے۔ (غیر منصوص مسائل میں قیاس و اجتہاد کا جواز بھی تو حدیث اور اقرار فریق ثانی سے ثابت ہے۔ صدر) الی قولہ پس امور شرعی میں کسی کی تقلید مطلق حرام خطری۔ یہی ائمہ کا ارشاد ہے۔ اور یہی امام صاحبؒ فرماتے ہیں۔

(طریق محمدی ص ۱۹۲)

انشاء اللہ تعالیٰ ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ لا علم کسیے تقلید واجب ہے۔ حرام نہیں۔ اور قرآن و حدیث نے شرعی امور میں تقلید کی اجازت دی ہے۔ جب کہ مسائل غیر منصوص ہوں۔ اور اس پر حضرات غیر مقلدین کی تصریحات بھی باحوالہ عرض کی جائیں گی اور حضرات ائمہ اربعہؒ اور ان علیؑ انھوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے پیروکاروں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ بھی مفصل آرہا ہے۔ اور امور شرعی میں مطلقاً تقلید کو حرام کہنا صرف اسی شخص کا حصہ ہو سکتا ہے جو بخل و خرد سے محروم ہو۔ مذکورہ عبارت میں خط کشیدہ الفاظ سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حکام اور علماء کی اطاعت اس شرط سے مشروط ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہوں ان کی باتیں سچیں پہنچائیں اور اہل اجتہاد و اجتہاد بھی کریں اور ہم اس کو بھی تسلیم کریں۔ اور جبکہ مقلدین بھی یہی کہہ سکتے ہیں فرق صرف تعبیر کا ہے۔ یہ بات بھی نہایت ہی قابل توجہ ہے کہ اگرچہ حضرات، محدثین کرامؒ کا پایہ بھی اسلام میں بہت ہی بلند ہے۔ لیکن حضرات فقہار کرامؒ کا تہذیب بھی کسی طرح کم نہیں۔ ہم یہاں صرف دو ہی حدیثوں کا ترجمہ عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حضرت ابو موسیٰ (عبداللہ بن قیس) الاشعریؒ (المتوفی ۵۲ھ) سے مروی ہے کہ

انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو روحانی بارش میں سے لے کر آیا ہوں اس کی

مثال ایسی ہے جیسے جسمانی بارش کی۔ جو زمین کے مختلف خطوں پر برستی ہے اور اس سے مختلف قسم کے اثرات اور نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک خطہ ارضی وہ ہے جس پر بارش ہوئی۔ اور اس خوشگوار زمین نے بارش کا پانی اپنے اندر خوب جذب کر لیا۔ اور پھر گھاس، بنری، ترکاری اور مختلف پھولوں کی شکل میں اس زمین نے سبزہ اگایا۔ دوسرا قطعہ زمین کا وہ ہے جہیں پانی رک تو جاتا ہے۔ لیکن اس میں بنری گھاس اور پھول وغیرہ اگانے کی قابلیت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ زمین بھی مفید ہے۔ کہ اس کے اندر رکے ہوئے پانی کو لوگ بھی پیتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں۔ اور کھیتی کو بھی وہ پانی مل سکتا ہے۔ تیسرے قسم کا ٹکڑا وہ چٹیل حصہ ہے جہیں نہ تو سبزہ اگانے کی استعداد ہوتی ہے۔ اور نہ ہی پانی کو ٹھکنے کی۔ پس پانی آیا اور گیا۔ (بخاری ص ۲۴۷ و مشکوٰۃ ص ۲۸۸)

غور فرمائیے کہ زمین کے ان تین خطوں میں سے بہتر کون سا خطہ ہے؟ اگرچہ پانی کا اپنی صحیح صورت میں رہنا بھی مفید ہے۔ لیکن ان نول اور حیوانوں کی دیگر مختلف ضروریات (املج، ترکاری، پھل اور پھول اور گھاس وغیرہ) پانی کے اپنی اصلی شکل پر پہنچنے سے تو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے زمین کا سہارا ٹکڑا جس سے ہر قسم کی ضروریات پوری ہوتی ہیں) سب سے بہتر ہے۔

زمین کے پہلے حصہ سے آپ حضرات فقہاء کرامؒ سمجھ لیں جو اس روحانی بارش (قرآن و حدیث) کی استعداد سے ان کی ضروریات کے مختلف پہلوؤں کو سیراب کرتے ہیں۔ اور دوسرے خطہ کی مثال آپ حضرات محدثین عظامؒ کی سمجھ لیں۔ جو روحانی بارش (قرآن و حدیث) کو اپنے حلقہ کے تالاب اور حوض میں جمع کر لیتے ہیں اور بندگان خدا اپنی دینی تنگی اس پانی سے بچاتے ہیں۔ اور تیسرے خطہ کی مثال مادہ کا سمجھ لیجیے کہ نہ محدث نہ فقیہ۔ نہ اپنے کام کے اور نہ دوسروں کے کام کے۔ دنیا میں نامراد آئے اور ناکام گئے۔

۱۔ قسمت کیا ہر ایک کو تمام ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

(۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

فَضَرَ اللّٰهُ اَمْرًا سَمِعَ مَعَالَتِي
فَقَطَّهَا فَوَعَاها وَاَدَّاهَا فَرَبَّ
حَامِلٍ فَفَعَلَ خَيْرَ فَعْلٍ (الحديث)

اللہ تعالیٰ تو تازہ رکھے اس بندہ کو جو میری حدیث کو سن کر یاد رکھے۔ پھر دہرائیں کرنے کے بعد دوسروں کو سنائے ہو سکتے ہیں کہ وہ حامل حدیث فقیہ نہ ہو (اور جس کو یہ سنئے وہ فقیہ ہو)

اور وہ اس سے ضروریات کے موافق مسائل استنباط کھینکتے

یہ حدیث جہاں تک راقم الحروف کو معلوم ہے تین سٹل حضرات صحابہ کرامؓ سے مختلف الفاظ اور متعدد معذرات کے ساتھ مروی ہے۔ ہم نے اس حدیث کی تشریح میں "شوق حدیث" میں کتب حدیث و تاریخ و اسرار الرجال سے حضرات محدثین کرامؓ کے حافظہ کی ایسی مثالیں نقل کی ہیں۔ جن کو سن کر انسان حیران رہ جاتا ہے

یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت جابر بن مطعمؓ وغیرہ سے مروی ہے امام ترمذیؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث متعلق لکھتے ہیں "حسن صحیح" (ترمذی ص ۹۶) امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ حضرت جابر بن مطعمؓ کی حدیث کی شرطیں پختہ کر رہے ہیں۔ (مستدرک ص ۸۶)

الغرض مختلف ان فی ضروریات کو حضرات فقہار کرامؓ ہی اپنے قیاس۔ اجتہاد اور استنباط سے پورا کر سکتے ہیں۔ حضرات محدثین عظامؓ کا کام تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کو بلا کم و کاست فحشہ تک پہنچادیں۔ جب وہ خوب چھان بین اور تحقیق سے حدیث پہنچا دیں تو

بس ان کی ڈاک ختم ہو جاتی ہے۔ پھر اس حدیث سے جواہر ریزے نکالنا حضرات فقہار کرامؓ کا کام ہے۔ تو جیسے حضرات محدثین کرامؓ پر تصحیح حدیث کے سلسلہ میں اعتماد کرنا شرک فی الرسائل نہیں۔ اسی طرح حضرات فقہار کرامؓ پر مسائل کے استنباط کرنے کی وجہ سے اعتماد کرنے سے بھی شرک فی الرسائل لازم نہیں آتا ہے۔

تیسری آیت: اللہ تعالیٰ مومن کو پہلے یہ حکم دیتے ہیں کہ اگر ماں باپ تجھے شرک کرنے پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت نہ کرنا۔ ہاں دنیوی امور میں ان کا ساتھ دیتے رہنا۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاتَّبِعْ مَسِيئَکَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ
جو لوگ میری طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں۔ تو ان کے راستے کی اتباع کر۔ (پ۔ لقان۔ ۲)

اس آیت مجرمیہ سے معلوم ہوا کہ جو بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں۔ ان کی اتباع نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ ضروری اور واجب بھی ہے۔ کیونکہ واتبع صیغہ امر ہے اور صیغہ امر کا وجوب پر دلالت کرتا ہے کما سیجی انشاء اللہ تعالیٰ۔ علامہ آلوسیؒ اس آیت مجرمیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ بِالتَّوْحِيدِ
 یعنی جو لوگ توحید اور اخلاص کے ساتھ اطاعت پر
 گامزن ہیں تو ایسے مخلصین کے راستے کی اتباع کر
 سبیل المخلصین۔ (روح المعانی ص ۳۱۸)

اب ہم فریق ثانی سے پوچھتے ہیں کہ حضرات ائمہ اربعہؑ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات ائمہ کرامؑ کیا
 توحید و سنت پر قائم تھے یا نہ؟ اور کیا اطاعت خدا تعالیٰ اور رسولؐ برحق کی فرمانبرداری میں اخلاص سے
 پیش آتے تھے یا ریاکاری بھی کر لیا کرتے تھے؟ اگر آپ یہ کہیں کہ وہ لوگ العباد باللہ تعالیٰ نہ توحید
 سنت پر گامزن تھے اور نہ مخلص تھے بلکہ مشرک اور ریاکار تھے تو اس کا اثبات آپ کے ذمہ ہوگا۔

مَنْ ادْعَىٰ فَصْلِيهِ الْبَيَانِ

اور اگر وہ موصد اور مخلص تھے اور یقیناً ایسے ہی تھے تو حافظ ابن تیمیہؒ کے الفاظ میں ان کی اتباع
 واجب ٹھہری۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ
 وَالْأَمَّةَ مُنِيبَةً إِلَى اللَّهِ تَعَالَى
 فیجیب اتباع سبیلہا (معارج الموصول ص ۱۸)

جب امت منیب ہے اور فقیہی طور پر اس امت کے مقتدی اور پیشوا حضرات ائمہ اربعہؑ بھی
 ہیں۔ تو فرمائیے کہ تعلیم قرآن کی وجہ سے ان کی اتباع اور تقلید شرک فی الرسل ٹھہری یا واجب؟ ہم پہلے
 باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ اتباع اور تقلید ایک ہی شئی ہے۔ اور جنہوں نے ان میں تفریق کی ہے ہم بفضلہ
 تعالیٰ باحوالہ ان کے جوابات بھی عرض کر چکے ہیں۔

قاریں! ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہوں گے کہ فریق ثانی کا یہ دعوے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی اور کی اتباع اور اطاعت جائز نہیں کیسا غلط دعوے ہے کیونکہ امیر کی اتباع
 اور اطاعت رسول کی اتباع اور اطاعت ہے اور حضرات فہم اور علماء کی اتباع و اطاعت بھی رسول کی
 اتباع و اطاعت ہے۔ گویا ان کی اطاعت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت میں مدغم ہے
 جیسے جناب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت میں مدغم ہے۔ امیر خسرو
 صاحبؒ کی ربیلی زبان میں ہے۔ تاکس نگویہ بعد ازال من دیگرم تو دیگرمی۔

البتہ ایک چیز پیش نظر ہے کہ حضرات ائمہ کرامؑ مصبوب نہیں ہیں۔ اس لیے ان سے خطا اور غلطی کا صدر بمقتضائے بشریت ممکن ہے۔ ان کی ایسے مسائل اور امور میں اطاعت جائز نہیں بلکہ اس صورت میں قرآن اور حدیث کو ہی اپنا حکم تسلیم کرنا ضروری ہے جو لوگ جہالت یا خیانت سے قرآن اور حدیث پر اپنے کسی اہم یا پیر کی بات کو ترجیح دیں یا ان کے مساوی سمجھیں بلکہ قرآن اور حدیث کی موجودگی میں حضرات ائمہ کرامؑ اور پیران عظام کی بات سے استدلال اور احتجاج کریں تو ایسے لوگ ملحد اور زندقہ ہیں۔ ایسے لوگ واقعی شرک فی الاکوہیت اور شرک فی الرسالت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لیکن معاف رکھنا ہمیں ان سے کیا علاوہ اور نسبت؟ بلکہ ہم تو ایسے ملاحدہ کو صاف کہتے ہیں۔

ترسم کہ زسی بحجبہ لے اعلیٰ
کیں راہ کہ تو میروی ہر کستان ست

ایسے زنادقہ اور دجالہ کے عمل اور طرز و طریق پر مجبور اہل اسلام کی تقلید کو قیاس کرنا شیر کو شیر بنانا بلکہ اسلام کو کفر بنانے کے مترادف ہے۔ اور مولانا رومؒ کی اصطلاح میں۔ کج۔ مگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔ کا ارتکاب کرنا ہے۔
چوتھی آیت: واللہ تعالیٰ مشرکین کے اس عقیدہ کی کہ بغیر بشر نہیں ہو سکتے تو دید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رَجُلًا نُّوحِيْ
إِلَيْهِمْ فَأَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُونَ (پ ۱۲، ا نحل۔ ۶)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہم علم اور تاجھ کو عالم اور مجھدار سے پوچھنا اگر واجب نہیں تو (فاسئلوا) صیغہ امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم اذکم منتخب تو ضرور ہے۔ اگر وہ عالم زندہ ہے تو اس سے مشافتہ پوچھا جائے۔ اور اگر وہ فوت ہو چکا ہے تو اس کے بتلائے ہوئے اصول اور ضوابط کی طرف مراجعت کر لی جائے۔

حضرت امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

ان من الناس من جَوَّزَ التَّقْلِيدَ بلا خبر بعض لوگوں نے مجتہد کے لیے اس آیت کریمہ

للمجتهد لهذه الآية فقال لعالم يمكن
 احد المجتهدين عالماً واجب عليه
 الرجوع الى المجتهد العالم لقوله
 تعالى فاستلوا الآية فان لم يجب فلا
 اقل من الجواز (تفسير کبیر ص ۱۹۷، روح المعانی ص ۱۳۸، ملاحظہ)۔
 سے تقلید کا جواز ثابت کیا ہے وہ (بقول امام رازی) یوں
 کہ جب مجتہدین میں سے کوئی کسی چیز کو نہیں جانتا تو اس پر مجتہد
 عالم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا
 ارشاد ہے کہ تم سوال کرو اور اگر رجوع کرنا واجب نہ ہو
 تو جواز سے کیا کم ہوگا؟

جب بعض مسائل میں مجتہد کو اپنے سے بڑے مجتہد عالم سے پوچھنا جائز ہے تو ایک عامی اور جاہل
 کو پوچھنا کیوں جائز نہ ہوگا؟

دیکھیے آج نہ تو حضرت امام بخاریؒ زندہ ہیں۔ اور نہ حضرت امام عبدالرحمن بن ابی حاتمؒ۔ نہ حضرت
 امام مزنیؒ موجود ہیں اور نہ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ۔ کہ جن سے ہم رجال کے متعلق سوال کریں۔ مگر حضرت
 امام بخاریؒ کی کتب تاریخ۔ امام ابی حاتمؒ کی کتاب العلل۔ امام مزنیؒ کی تہذیب الکمال علامہ ذہبیؒ کا تذکرہ اور میزان
 الاعتدال اور حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب اور لسان وغیرہ موجود ہیں۔ جن کے مطالعہ کرنے سے ہمیں رجال کی توثیق
 یا تضعیف پر پورا الطینان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگرچہ آج نہ تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ موجود ہیں اور نہ حضرت امام شافعیؒ
 اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر حضرات کرامؒ تاکہ ہم معانی حدیث سے متعلق ان پوچھیں۔ لیکن ان کی اور ان کے معتبر تلامذہ کی کتابیں اور
 ان کے بیان کردہ اصول تو ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس لیے ہمیں ان کی طرف رجوع کرنے کے بعد قرآن
 اور حدیث کے سمجھنے میں بہت کم ٹھوکر لگ سکتی ہے۔

بغلاف اس کے آپ دیکھ لیں کہ فرق یا ظلم معسرہ، خوارج، روافض، جہمیہ اور کرامیہ وغیرہ کو کہہ اپنے
 خود تراشیدہ اصول کے مطابق اور اپنے ذہن نارسا پر بھروسہ کرنے کی بدولت ان کو قرآن اور حدیث میں کتنی
 تحریف کرنی اور کس قدر ٹھوکریں کھانا پڑیں۔ آج بھی آپ باطل فرقوں کو مثلاً قادیانی، چنگڑالوی اور زمانہ حال
 کے مشرکین اور مبتدعین کو دیکھ لیجئے کہ کس طرح وہ قرآن اور حدیث کے معانی کو بگاڑتے ہیں۔ اور اپنے باطل
 اور فرسودہ عقائد کے اثبات میں کس طرح آسمان سے لسمان بناتے ہیں۔

اگر ہم حضرت امام بخاریؒ وغیرہ سے رجال حدیث کے متعلق سوال کر سکتے ہیں اور ضرور کرنا چاہیے تو حضرت
 امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ وغیرہ سے ہم کیوں معانی حدیث کا سوال نہیں کر سکتے؟ اور اگر ہم پہلی چیز

شرک نہیں تو دوسری چیز کیوں شرک ہے؟ یا اگر دوسری چیز شرک ہے تو پہلی چیز کیوں شرک نہیں؟
الحاصل ناواہن اور بے سمجھ کا اہل علم سے سوال کرنا اور پوچھنے کے بعد اس کی بابت پر بھروسہ اور اطمینان
کرنا اگر ناجائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اہل علم سے پوچھنے کا کیوں حکم دیتے؟ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کیوں فرماتے کہ۔

انما شفاء العی السوال

(مشکوٰۃ ص ۵۵)

یقیناً ناواقف کا علاج اور شفا اسی میں ہے کہ وہ واقف
سے پوچھ لے۔

اس کی مفصل بحث انشاء اللہ العزیز آ رہی ہے۔ اگر محیب کی بات سائل کے لیے حجت اور دلیل
نہیں تو سائل کو کیوں ایک مہمل کام کے پیچھے لگا دیا گیا ہے؟
تقلید حضرات المرکوم کا مقصد بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ لا علم مقلد جو ایک قسم کا سائل ہوتا
ہے ہر مسئلہ کی تحقیق فقہیہ اور عالم سے پوچھے۔ اور اس پر عمل کرے۔ اگر وہ مسئلہ قرآن یا حدیث میں ہو گا تو
مقلد اپنے اہم کی غلطی، علم اور دیانت پر بھروسہ کرے گا۔ تاکہ خود اس سے حضرت عہد نبی بن حاتم کی طرح
سیاہ اور سفید دھاگے میں فرق نہ کر سکے کی غلطی واقع نہ ہو جائے۔ جس کی تحقیق (انشاء اللہ العزیز) آئندہ
عرض ہوگی۔

صحیح بخاری ص ۹۸۱ اور صحیح مسلم ص ۶۹ کی ایک حدیث میں یہ جملہ بھی موجود ہے کہ ایک صحابی
نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا فسألت اهل العلم فاجابونی (الحديث)
اس موقع پر ان اہل علم کا جو فیصلہ تھا وہ شرعاً غلط تھا۔ اس کی آپ نے پُر زور الفاظ میں تردید فرمائی
لیکن اہل علم سے دریافت کرنے کے سلسلے میں آپ نے کوئی گرفت نہیں فرمائی۔ کہ تم نے اہل علم سے سوال
کیوں کیا۔ اور ہمارا استدلال بھی صرف ایسی شق سے ہے جس سے معلوم ہوا کہ اہل علم سے سوال کرنا ناجائز نہیں۔
ورنہ آپ خاموش نہ ہوتے۔ ضرور منع کرتے۔ تو یہ تقریری حدیث بھی قوی حدیث کے موافق ہے کہ لا علمی
میں اہل علم سے سوال کرنا چاہیے۔

اعترض فریق ثانی اس آیت کے متعلق بعض حضرات مفسرین کرام کے کچھ اقوال نقل کیا کرتے ہیں کہ اہل الذکر
سے تو علماء یہودی و نصاریٰ اس لیے اس آیت کو عید میں سوال کرنا عام نہ ہو گا۔ جس میں حضرات
فقہاء اسلام بھی شامل ہوں۔ بلکہ محض یہودی علماء سے سوال کرنا مراد ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیریہ ص ۱۶۳

میں ہے کہ آیت میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ اور اس آیت کے مخاطب کفار مکہ ہیں الخ لہذا اس آیت سے تقلید حضرات ائمہ کرام پر استدلال کرنا نام نہیں۔

جواب | فریق ثانی کی یہ ایک صریح کوثر فہمی ہے۔ کیونکہ جبہور اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ عموماً قرآن کریم کے اسباب نزول پر بند کر دینا باطل ہے کیونکہ کوئی آیت بظاہر ایسی نہیں جس کا شان نزول

خاص نہ ہو۔ مگر اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ اس آیت کا حکم اسی خاص سبب کے ساتھ خاص ہے بلکہ اقامت اس کا حکم باقی ہے گا۔ تاوقتیکہ اس کے مخصوص اور منوع ہونے پر کوئی نص قاطع موجود نہ ہو۔

پہلے اہم شافعی (کتاب الام حلیہ ص ۲۷۱ میں) حافظ ابن تیمیہ (الصارم المسلول ص ۱۵۱ میں) حافظ ابن القیم (ربائع الفوائد ص ۱۶۱ میں) حافظ ابن کثیر (تفسیر ص ۹۰ میں) حافظ ابن حجر (فتح الباری ص ۱۸۳ میں) اہل جلال الدین سیوطی (تفسیر القرآن ص ۱۶۱ اردو میں) قاضی شوکانی (زیل الاوطار ص ۱۴۹ میں) اور نواب صدیق حسن خان (بدور الاصلہ ص ۱۲۱ میں) لکھتے ہیں کہ

وعمرت لعموم لفظ است نہ بخصوص سبب
چنانکہ در اصول مقرر شدہ (واللفظ لہ در الاصلہ ص ۲۹)
اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ خصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ بات اصول میں طے ہو چکی ہے۔

اور فتاویٰ مذکورہ میں ایک مقام میں لکھا ہے کہ
اب جو کوئی کہے کہ یہ آیات کفار کے حق میں وارد ہیں تو وہ بڑا جاہل اور بے وقوف ہے
ہے۔ کیونکہ اعتبار لعموم لفظ کا ہے۔ نہ کہ خصوص محال کا۔ جیسا کہ جابجا کتب احادیث و کتب

اصول فقہ و استدلالات صحابہ کرام سے واضح ہوتا ہے الخ (ص ۱۹۵)
جب یہ بات طے شدہ ہے کہ خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ عموم الفاظ کا ہی اعتبار ہوگا۔

تو اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شان نزول کے لحاظ سے اہل الذکر سے مراد یہودی علماء تھے تو بھی فریق ثانی کو کچھ
بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اعتبار لعموم الفاظ ہی کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں علماء یہودی کی تخصیص

ہرگز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہر عالم صحیحہ و ہر عالم صاحب فہم و فراست اس میں شامل ہے۔ اور لاعلمی کے وقت ہر
ایسے بزرگ سے جو عالم ہو سوال کرنا واجب اور کم از کم مستحب اور جائز ضرور ہے۔

لطیفہ۔ چونکہ بظاہر فریق ثانی قرآن کریم کی آیات کے اسباب نزول پر بند ہونے کا قائل
معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ہم قرآن کریم کے بے شمار مقامات اور مواقع سے قطع نظر کر کے فقط ایک

ہی محل پیش کرتے ہیں اُمید ہے کہ فریق ثانی ٹھنڈے دل سے غور فرما کر کچھ ارشاد فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے
مشرکین مکہ اور اہل عرب کے خانہ ساز عقائد کے تار اور پود بکھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ قَالُوا اتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ
عَلَيْكُمْ اِلَّا تَشْرِكُوْا بِهِمْ شَيْئًا ۝۱۰
آیات (پہ انعام)

رب نے یہ چیزیں حرام کی ہیں کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤ۔ اور حکم دیا ہے کہ اولاد کو قتل نہ کرو۔
فواحش کے قریب نہ جاؤ، قتل ناحق کا ارتکاب نہ کرو، یتیم کا مال نہ کھاؤ، وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ ان آیات میں خطاب (بذرعیہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام) مشرکین سے ہے۔ اس لیے فریق ثانی
کے خانہ ساز قاعدہ کے بموجب ان آیات کا شان نزول ہی وہی لوگ ہیں اور مؤمنوں کے لیے ان اشیاء
کی حرمت ان آیات سے ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ شان نزول میں فقط مشرکین ہی تھے۔ وہذا القیاس ان کے
علاوہ دیگر بھی بے شمار آیات کے متعلق بھی یہی کہنا ہوگا۔ اب دیکھیے کہ فریق ثانی کس منطق سے کام لیتا ہے
اور اس کا جواب کیا ارشاد فرماتا ہے۔

دُلوئے میری کشتی شوق سے اُنے ناخدا لیکن اَلَمْ یَہُوْا شِقْ وَاٰمِنٌ سَاھِلٌ تُوْکِیْ ہُوْگا
پانچویں آیت: قیامت کے دن جب کافر دوزخ میں آگ کے شعلوں میں جل رہے ہوں گے تو
اُس وقت کی اُن کی بات اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَالُوا لَوْکَا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ
مَا کُنَّا فِیْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ
اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سُنّتے یا سمجھتے تو نہ ہوتے
دوزخ والوں میں۔

(پ ۲۹ - الملک - ۱۰)

حضرت شاہ عبدالغفریہ صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) اس کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ
بعض حضرات مفسرین کہہ رہے ہیں کہ نَسْمَعُ کو تقلید پر اور
نَعْقِلُ کو تحقیق و اجتہاد پر حمل کیا ہے کہ یہ دونوں
نجات کے ذریعے ہیں۔

وَبَعْضُ اَزْ مَفْسِرِیْنَ فَتَمَعُ رَا بَرْتَقْلِیْ
وَنَعْقِلُ رَا بِحَقِیْقِیْ وَاجْتِهَادٍ حَمْلٌ مُنَوْدَہُ اَنْدَ
کہ ہر دو راہ نجات اند

(تفسیر عزیز می پارہ تبارک ص ۱۳۱ مطبع محمد لاہور)

اور حضرت مولانا محمد عبدالحق تھانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ
پس انسان کی فلاح کے دو ہی طریق ہیں اول اور آسان یہ کہ کسی ناصح اور ہادی کی بات سن کر مان لے یہ
تقلید کا مرتبہ ہے اور قرآن مجید نے اس آیت میں اسی کو مقدم کیا۔ دوم یہ کہ خود عقل سلیم سے غور و تدبر کرے یہ
اجتہاد کا مرتبہ ہے پھر جس کو دونوں باتیں نصیب نہ ہوں تو اس کے برباد ہونے میں کیا شک ہے؟
(تفسیر تھانی ص ۱۴۹)

اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) اپنے ایک وعظ میں سورہ ملک کی اسی آیت کریمہ
کی تفسیر اور تشریح میں فرماتے ہیں کہ

اس آیت میں اسی کے متعلق ارشاد ہے نَسُحٌ مِّنْ تَقْلِيدٍ اور نَعْقِلٌ مِّنْ تَحْقِيقٍ کو ذکر فرمایا ہے پس
معلوم ہوا کہ دوزخ سے بچنے کے دو طریق ہیں یا تقلید ہو یا تحقیق ہو (دعوات عبدیت جلد پنجم دوسرے وعظ طریقی
النجاة ص ۱۸ مطبوعہ جہاں پرنٹنگ ورکس دہلی)

ظاہر بات ہے کہ علم نہ ہونے کی وجہ سے تحقیق تو ہو نہیں سکتی اور اگر تقلید ہی نہ ہو تو ہلاکت اور بربادی کے
سوا اور کیا ہاتھ آسکتا ہے؟

سوچ لو راہ میں خود کو پریشان نہ کرنا راستہ ذلیست کا کہتے ہیں کہ ہمارے نہیں
حضرات! تقلید اور اتباع شرعی کے اثبات پر عقیدین کے پاس اور بھی بعض آیات موجود ہیں لیکن
ہمیں چونکہ تقلید اور اتباع ملت کے دلائل اور براہین کا احصاء مقصود نہیں بلکہ ہماری غرض صرف اتنی
ہے کہ جہاں ان کے اور دلائل ہیں وہاں قرآن کریم کی یہ آیات کرمیات بھی ہیں۔ تو ایسے قطعی دلائل کہہ سکتے
ہوئے مقلدین حضرات کی تکفیر و تفسیق اور تجہیل و کتا جرم عظیم ہے۔ اور قرآن کریم کا کس طرح صاف انکار ہے۔ دل
تو چاہتا ہے کہ ہم اور بھی کچھ آیات کرمیات اور ان کی تفاسیر جمہور اہلسنت سے پیش کریں کیونکہ
نگاہیں ان پر پڑتی ہیں کہ جن سے کچھ حلق ہو محبت کی نظر سے ہر بشر دیکھ نہیں جاتا
لیکن ہم نے چونکہ بعض احادیث پیش کرنے کے بعد فریق ثانی کے اعتراضات کے جوابات
بھی عرض کرتے ہیں اس لیے ہم اس باب کو اسی بحث پر ختم کرتے ہیں۔

باب دوم

اس باب میں ہم تقلید اور خصوصاً تقلید شخصی کے اثبات میں بطور نمونہ بعض احادیث عرض کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جمہور اہل اسلام کا قریش قرآن اور حدیث کے دلائل سے کس طرح چر ہے اور یہ سمندر اتنا وسیع ہے کہ اس کا ساحل معلوم کرنا ہرگز و مہر کا کام نہیں بلکہ کاسے دارد۔

پہلی حدیث حضرت عراب بن ساریہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ایک موثر اور بلیغ تقریر ارشاد فرمائی جس سے لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل میں خشیت طاری ہو گئی۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ یہ تقریر آپ کی رخصت کرنے والے کی (آخری) تقریر ہے اس لیے ہمیں کچھ وصیت ارشاد فرمائیجئے آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہنا میری بات کو سننا۔ اور اس کی اطاعت کو بجالانا۔ اگرچہ ایک حبشی غلام ہی تمہارا امیر منتخب ہو جائے۔ کیونکہ میرے بعد تمہاری زندگی کے مراحل میں بہت کچھ اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ

فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين
المہدیین۔ تم کو اپنا و اعضا علیہا
بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور
فان کل محدثة بدعة وکل
بدعة ضلالة (ترمذی ص ۲۶۹، ابن ماجہ ص ۲۶۹)
یرواہ ابو داؤد ص ۲۶۹، مسند احمد ص ۲۶۹، مسند دارمی ص ۲۶۹،
مترکم ص ۹۵ اور مشکوٰۃ ص ۳۱ وغیرہا۔

میری سنت اور خلف۔ راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو جو ہدایت
یافتہ ہیں۔ مضبوط پکڑو اور میری اور ان کی سنت کو
اپنی دڑھوں سے مضبوط پکڑو۔ اور دین میں نئی نئی
باتوں سے احتراز کر دو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے۔
اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اس حدیث کی مخفی اور درایتی حیثیت کی طرف رجوع کریں زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صحت قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیں۔ یہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ ہم صرف ایک سند کے رجال اور اس کے روایت کی توثیق اور پھر بعض محدثین کرام سے اس حدیث کی تصحیح نقل کر کے یہی اکتفا کرتے ہیں۔ متدرک میں بھی یہ حدیث کئی صحیح اسانید سے مروی ہے۔ ایک سند اور اس کے روایت یہ ہیں۔

۱۔ ابوالعباس محمد بن یعقوب، ۲۔ عباس بن محمد الدوری، ۳۔ ابوعامر صہاک بن مخلد، ۴۔ ثور بن یزید، ۵۔ خالد بن معدان، ۶۔ عبد الرحمن بن عمرو السلمی، ۷۔ عرابض بن ساریہ

(۱) محمد بن یعقوب کو علامہ ذہبی، اللام الثقة اور محدث مشرق لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۳۲)

(۲) عباس بن محمد دوری کو حافظ ابن حجر، ثقة اور حافظ لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۹۱)

(۳) ابوعامر صہاک بن مخلد کو حافظ ابن حجر، ثقة اور ثبت لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۶۹)

(۴) ثور بن یزید کو علامہ ابن سعد، دحیم، احمد بن صالح، یحییٰ بن سعید، عیسیٰ بن یونس، ولید بن مسلم، ابن معین، محمد بن عوف، نسائی، ابوعامر، ابن عدی، ابن جان، عجمی، اور ساجی وغیرہ تمام ثقہ لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۱۶۲) اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ (تقریب ص ۱۶۲)

(۵) خالد بن معدان کو محدث عجمی، یعقوب بن شیبہ، محمد بن سعد، ابن خراش، نسائی اور ابن جان سب ثقہ لکھتے ہیں۔ (تہذیب ص ۱۱۹)

(۶) عبد الرحمن بن عمرو السلمی کو حافظ ابن حجر، مقبول لکھتے ہیں۔ (تقریب ص ۲۳۲) اور ابن جان، ثقہ ہیں اور مسلمہ تابعین کے طبقہ اولیٰ میں شمار کرتے ہیں۔ (تہذیب ص ۲۱۶)

(۷) حضرت عرابض بن ساریہ (الموتی ۵۷) جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ کی وفات دمشق میں واقع ہوئی (تجزیہ اسماء الصحابہ علامہ ذہبی ص ۱۱۶) اس مذکور سند سے حدیث کی تصحیح پر امام حاکم اور علامہ ذہبی دونوں متفق ہیں۔ (متدرک ص ۹۶ و تلخیص علامہ ذہبی ص ۱۶۶)

امام ترمذی (ترمذی شریف ص ۹۶) میں ایک دوسری سند کے ساتھ اس حدیث کو پیش کر کے فرماتے ہیں۔ ہذا حدیث حسن صحیح۔

مشہور محدث ابن حزم غلامی (غیر مقلد) اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں۔

(بحوالہ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ص ۲۲۵)

حضرات! ہم نے بعض کُتب حدیث کا حوالہ نقل کرنے کے بعد ایک سند کے روات کی توثیق کُتب رجال سے نقل کر کے بعض حضرات محدثین کرام سے اس کی تصحیح بھی نقل کر دی ہے۔
اب اس حدیث کے معنوی اور مدلول کے لحاظ سے مندرجہ ذیل امور پر غور فرمائیے۔
(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی وصیت میں جہاں تقویٰ اختیار کرنے پر زور دیا ہے وہاں امیر کی اطاعت کی بھی اگرچہ وہ امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو نمایاں طور پر تاکید فرمائی ہے۔ اور ہم امیر کی اطاعت کے تقلید شخصی ہونے کی بحث پہلے کر چکے ہیں۔

(۲) آپ نے جہاں اپنی سنت کی پیروی پر حضرات صحابہ کرام اور امت کو تاکید بلیغ ارشاد فرمائی ہے۔ وہاں اپنے حضرات خلفاء راشدین کی سنت کو بھی مضبوط پکڑنے کا تاکید ہی حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اور ان کی سنت کو ایک حسی مثال سے واضح کیا ہے کہ جس طرح دائیہوں میں مضبوط پکڑی ہوئی چیز کھل نہیں سکتی۔ اسی طرح فرمایا کہ میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو۔ اور اس کو بالکل جنبش بھی نہ آنے دو۔

(۳) آپ نے اپنے خلفاء راشدین کی غیر معمولی توصیف کی ہے کہ وہ راشد راہِ راست پر چلنے والے (اور مدی (مدایت یافتہ) ہیں اس لیے ان کی جو بھی سنت ہوگی وہ اسلام میں رشد اور ہدایت ہی ہوگی۔
(۴) تمام اہل السنۃ والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، ذوالنورینؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ، خلفاء راشدین میں تھے۔ رجب کا ارشاد اور حمدی ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اور جمہور اہل اسلام کے مشاہدہ اور شہادت سے ثابت ہو چکا ہے۔

(۵) ان حضرات خلفاء راشدینؓ کے قول و فعل کے خلاف اور بعد کو جو چیز بھی ظاہر اور پید ہوگی اس کو دین اور مذہب سمجھنا نہی بدعت ہوگی۔ اور ہر بدعت ارشاد نبویؐ علیٰ صاحبہ الف الف تیغ کے بموجب گمراہی ہی ہوگی۔ اب ان مذکورہ بالا امور کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہمارا استدلال اور احتجاج ملاحظہ فرمائیے۔

ایک وقت میں خلیفہ راشد صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اور مسلمانوں پر اس ایک ہی کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم اور ضروری ہوتی ہے۔ جس طرح دو تلواریں ایک نیام میں نہیں آسکتیں اسی طرح دو خلیفے بھی بیک وقت منتخب نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاف اور صریح ارشاد موجود ہے کہ

اِذَا بَلَغَ الْخُلَفَاءُ فَقَاتِلُوا الْاُخْرَ مِنْهُمَا۔ (مسلم ص ۱۲۸)
جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو تم دوسرے کو قتل کر دو۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا اپنے فرمایا کہ۔
مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يَدِيْدُ اَنْ يَشْتَقَّ عَصَاكُمْ اَوْ يَضْرِبَ جَمَاعَتَكُمْ فَاَقْتُلُوْهُ
تھما ہے پاس جو شخص اس حالت میں آیا کہ تمہارا ایک شخص پر اتفاق ہو اور وہ تمہاری جماعت میں (ایک شخص پر اجتماعیت سے ہٹا کر) تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دو۔ (مشکوٰۃ ص ۲۲)

ان حدیثوں سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور اگر دوسرا اپنی خلافت منوانے پر مصر ہو تو اس کو قتل کر دینا ضروری ہے۔ اور اسی پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں۔
کہ ایک زمانہ میں دو خلیفوں کی بیعت کرنا تمام علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔ چاہے دارِ اسلام کا حلقہ وسیع ہو یا تنگ (شرح مسلم ص ۱۳۶)

تو جس طرح ایک وقت میں صرف ایک ہی خلیفہ کی بیعت کرنا جائز ہے اور دوسرے کی بیعت جائز تو کیا ہوتی وہ تو مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کے شیرازہ کو بکھیرنے کے جرم میں واجب القتل ہے۔ اسی طرح خلیفہ راشد بھی ایک وقت اور ایک زمانہ میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ جس کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں کو بیعت کرنا اور اس کے حکم کے سامنے گردن جھکا دینا اور اس کے ہر ارشاد پر چلنا اور دین و دنیا کے مسائل میں اس سے استہلال اور احتجاج کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ الغرض خلافت صدیقیہ میں تمام مسلمانوں کو صرف حضرت ابوبکرؓ ان الصدیقؓ کو اپنا امام۔ حاکم۔ پیشوا اور مقتدا بنانا ضروری تھا۔ اور دین و دنیا کے تمام معاملات میں مسلمانوں کو ان کی اطاعت اور اتباع کرنا لازمی تھی اسی طرح خلافت فاروقی۔ عثمانی اور حیدری کا حال سمجھیے۔ ان میں سے ہر ایک کے دور میں صرف ایک ایک کی تقلید کرنا ضروری تھا۔ اور تقلید شخصی کا یہی معنی ہے کہ ایک ہی ہستی اور ذات کو اپنے پیش نظر رکھ کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرا جائے۔

رہی یہ بات کہ خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت تو نظام عالم اور نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لیے یعنی سیاسی طور پر ہوتی ہے۔ اور حضرات ائمہ کرامؑ کی تقلید محض امور دین میں ہوتی ہے جو حقیقتہً جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منہ اور گہی ہے۔ تو اہم کی بیعت سے تقلید شخصی کیسے ثابت ہوئی؟ تو ہم اس کا جواب بخاریؒ کی حدیث اور مسامرہ اور شرح العقائد کے حوالہ سے پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اہم وقت اور خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت بھی دین ہی کے لیے ہوتی ہے۔ اور دنیا اس کے تابع ہے۔ مقصود بالذات خلافت سے اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت ہوتی ہے اس لیے اہم وقت کی تقلید اور بیعت کو جائز کرنا اور اہم معین کی تقلید اور اتباع کو شرک کہنا بالکل نامناسب بلکہ ظلم عظیم ہے۔

جب پہلی چیز جائز ہے تو دوسری بھی جائز ہے۔ اور اگر دوسری شرک ہے تو پہلی اس سے بھی ڈبل شرک ہوگی۔ کیونکہ خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت سے دین اولاً اور دنیا ثانیاً (یعنی دین اور دنیا دونوں پہلو) ملحوظ ہوتے ہیں۔ اور اہم معین کی تقلید میں فقط دین کا لحاظ ہوتا ہے۔ اور جب دین اور دنیا دونوں پہلوؤں میں تقلید شرک نہیں بلکہ شریعت حقہ کی اس پر اشد تمہین تاکید ہو تو وہ ہے تو دوسرے مسئلہ میں تقلید اور اتباع سے کیوں شرک لازم آتا ہے؟ غرضیکہ دین و دنیا، مذہب اور سیاست میں فرق نکالنا یہ اہل یورپ کی پیداوار ہے۔ شریعتہً محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام کا دامن اس تفریق سے بالکل پاک اور منترہ ہے۔ مسلمان کی دنیا بھی دین ہے۔ بلکہ مسلمان کا سونا جاگن۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ کھانا۔ پینا وغیرہ بلکہ زندگی کا ہر شعبہ اور ہر پہلو دین ہے۔ یہاں تو یہ نظریہ ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ

احتسب نومتی کما احتسب قومتی یعنی میں اپنی نیند کو بھی ایسا ہی ثواب سمجھتا ہوں جس طرح کہ اپنے کھڑے ہو کر نماز اور تسبیح پڑھنے کو (بخاری ص ۶۲۲)

الحاصل اگر تقلید اور خصوصاً تقلید شخصی شرک ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایک خلیفہ اور اہم کی اتباع۔ تقلید اور بیعت پر اتنی تاکید شدید نہ فرماتے۔ جب آپ نے ایسا کرنے پر امت کو عموماً اور حضرات صحابہ کرامؓ کو خصوصاً ایک حد تک مجبور کر دیا ہے تو اب فرمائیے۔ کہ آپ تقلید شخصی کے اثبات پر اور کسی دلیل چاہتے ہیں؟ کیا آپ کے نزدیک العیاذ باللہ تعالیٰ یہ تمام حضرات صحابہ کرامؓ تقلید شخصی کے ارتکاب کی وجہ سے مشرک ہو گئے تھے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ کو شرک کرنے پر ابھارتا تھا؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

جب فریق ثانی کے نزدیک بھی ایک خلیفہ اور امام کی بیعت، تقلید اور اتباع صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تو امام معین کی تقلید اور اتباع کو بھی ایسا ہی سمجھئے۔ جس چیز کو آپ تسلیم کرتے ہیں ہم اسی کو تقلید شخصی سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ اس کا عنوان کچھ ہی اختیار کر لیجئے۔ مَعْنُونِ ایک ہی ہے۔ سُرخ کوئی مقرر کر دیجئے۔ مطلوب اور مطلوب ایک اور صرف ایک ہی ہے۔

اعتراض ممکن ہے کہ کسی صاحب کے دماغ اور خیال میں یہ وہم پیدا ہو کہ حضرات خلفاء راشدین کی اتباع اور اطاعت سے تقلید شخصی ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خلیفہ راشد ایک ہی نہ تھا۔ بلکہ یکے بعد دیگرے چار (بلکہ زیادہ) تھے اور چار کی یکے بعد دیگرے تقلید کرنے سے تقلید شخصی نہ رہی۔ بلکہ غیر شخصی ہو گئی۔ اور ہم تقلید غیر شخصی کے قائل ہیں۔ جھگڑا تو تقلید شخصی کا ہے؟

جواب اگر غیر رسول کو مندر رسول پر بٹھانا شرک ہے تو اس میں شخصی اور غیر شخصی کا کیا سوال ہے؟ ایک کو بھی مندر نبوت پر بٹھانا شرک فی الرسل ہے اور متعدد افراد اور اشخاص کو بھی۔ اور اگر کسی ایک کی تقلید سے کسی شرعی نص اور حکم پر نہ پڑتی ہے تو غیر شخصی سے یہ زد کیوں نہیں پڑتی؟ اور یہ بڑی ہی عجیب منطق ہوگی کہ محدود شرک تو ناجائز ہے اور غیر محدود جائز ہے۔ بالفاظ دیگر کم مقدار میں شرک تو ناجائز ہے مگر زیادہ مقدار میں درست ہے۔ نیز سوچنے اعد غور کرنے کی ایک بات اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ایک مہنت کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ مثلاً وہ حضرات صحابہ کرام جنہوں نے حضرات خلفائے راشدین میں سے ہر ایک کی خلافت کا زمانہ دیکھا ہے وہ تو تقلید شخصی سے فی الجملہ بچ جائیں گے کہ انہوں نے کچھ عرصہ کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی تقلید اور اتباع کی۔ اور پھر حضرت عمرؓ کی۔ پھر باری باری سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی تقلید اور اتباع کی۔ لیکن ذیل کے امور پر اچھی طرح نگاہ رکھیے۔

(۱) اگر رسول کے بغیر کسی دوسرے کی بیعت، اتباع اور تقلید شرک ہے تو لازم آئے گا کہ جب حضرات صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اور ان کی تقلید کی تو دو سال اور چار ماہ تک ایک ہی کی تقلید کی وجہ سے الیاذن اللہ تعالیٰ وہ شرک کہتے تھے۔ پھر اس کے بعد ساڑھے دس سال تک حضرت عمرؓ کی، پھر تقریباً بارہ سال حضرت عثمانؓ کی اور پھر چار سال اور نو ماہ اور کچھ دن حضرت علیؓ کی خلافت رہی (ان سب کے لیے دیکھیے علی الترتیب اکمال ص ۵۸، ص ۶۰۲، ص ۶۰۳، ص ۶۰۴) اور یہ شرعاً محال ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ہر ایک خلیفہ کے وقت اور زمانہ میں شرک کہتے رہے تھے۔ کیونکہ شرک تو ایک لمحہ

کے لیے بھی جائز نہیں اور خصوصاً حضرات صحابہ کرام سے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بحکم جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اپنے وقت میں ایک ایک کی تقلید کی۔ تو کہنا پڑے گا کہ تقلید شخصی شرک نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ العیاذ باللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام شرک کرتے رہے بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس کے جواز کی نسبت ہوگی کہ آپ نے اس کی اجازت دی اور حضرات صحابہ کرام نے ایسا کیا معاذ اللہ تعالیٰ۔

(۲) ایک ایسا صحابی آپ تسلیم کیجئے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور ان کی تقلید اور اطاعت کا دم بھرتا رہا۔ پھر مان لیجئے کہ خلافت صدیقی ہی میں اس صحابی کا انتقال ہو گیا اب ارشاد فرمائیے کہ کیا وہ مسلمان رہا؟ یا العیاذ باللہ تعالیٰ کافر ہو گیا؟ کیونکہ ان کے حق میں تو محض تقلید شخصی ہی رہی ان کو تو دور سے حضرات خلفاء کا زمانہ پانا نصیب ہی نہیں ہوا۔ آپ اس صحابی کے متعلق کیا ارشاد فرمائیں گے؟

یہ نرا احتمال ہی نہیں بلکہ آپ بخاری (۶۶۶) اور منہ طیبی (۲) وغیرہ دیکھ لیجئے کہ جنگ یمامہ میں جو عہد صدیقی میں ہوئی کتنے صحابی جو حافظ اور قاری قرآن تھے شہید ہوئے اور اس کثرت سے شہید ہوئے کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسے مدبر اور دور اندیش کو یہ کہنا پڑا کہ قرآن لکھنا اور جمع کرنا چاہیے۔ اگر حضرات صحابہ کرامؓ کی شہادت اسی زور پر رہی تو خطرہ ہے کہ کہیں دنیا سے قرآن ہی ختم نہ ہو جائے۔ اسی حدیث کی شرح میں شرح حدیث نے یہ لکھا ہے کہ گیارہ سوا دہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ چودہ سو مسلمان شہید ہوئے تھے اور علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ بارہ سو مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں سات سو حافظ قرآن اور قرأت تھے (حاشی بخاری ۶۶۶) آپ ان حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق کیا نظریہ قائم کریں گے؟ کیا واقعی یہ لوگ العیاذ باللہ تعالیٰ شرک تھے؟ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے علاوہ اور کسی خلیفہ کی خلافت تو انہوں نے پائی ہی نہیں تاکہ وہ تقلید شخصی سے نکل جاتے۔

(۳) وہ تابعی اور مسلمان جنہوں نے مثلاً صرف حضرت عمرؓ کے زمانہ اور عہد میں اسلام قبول کیا (کیونکہ انہیں کے دور میں مصر، شام، عراق، ایران، مکمل طور پر اور روم کا خاصا علاقہ فتح ہوا۔ اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے) اور پھر طبعی موت یا شہادت کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انہوں نے نہ تو اس سے قبل کا زمانہ پایا اور نہ بعد کا۔ فقط مثلاً حضرت عمرؓ کی خلافت ہی میں حلقہ جگوش اسلام ہوئے۔ اور پھر انہی کی خلافت اور عہد میں انتقال کر گئے یا شہید ہو گئے۔ کیا وہ لوگ بھی مسلمان تھے یا نہیں؟ کیونکہ انہوں

نے تو ایک سے زیادہ خلافت کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ تاکہ وہ اکابر تعلقہ شخصی کے چکر سے نکل جاتے؛ اس قصہ کو کہاں تک بیان کیا جائے۔

گھیسے تو ابتداء نہیں بڑھے تو انتہاء نہیں

الغرض یہاں بھی اگر غور اور فکر سے کام لیں گے تو آپ کو تعلقہ شخصی ہی کا فرائض نظر آئے گی اور بس قارئین کرام کو یہ بات معلوم ہوگی کہ جب عین تراویح پر حضرت عمرؓ سے اور جمعہ کے دن اذان زائد پر حضرت عثمانؓ کے حوالہ سے استدلال کیا جاتا ہے تو بعض غیر مقلد اس کا ردائی گو بہ عمت عمری اور بدعت عثمانی سے یاد کیا کرتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کا وہ مقولہ جو ایک امام اور ایک قاری پر سب نمازیوں کو اکٹھا کرنے کے بعد اس فعل کو مکہ اور پسندیدہ خیال فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ

فعم البدعة هذه (بخاری ص ۲۶۹) یہ کیا ہی اچھی نوایجاد ہے

بعض غیر مقلدین اس کو بطور ہتھیار کے استعمال کیا کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے خود اپنی اس کاروائی کو بدعت کہا ہے۔ تو پھر یہ سنت کیسے ہوئی؟ ہم یہاں اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے کہ اصل مناز تراویح کا نیز جماعت کے ساتھ نماز تراویح کا ثبوت خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا نہیں؟ اور آپ نے کتنی راتیں نماز پڑھائی؟ اور پھر کتنی رکعات پڑھائیں؟ یہ بات انشاء اللہ العزیز ہمسئله تراویح میں بیان ہوگی۔ اس کے علاوہ رسالہ التراویح صح ترجمۃ النبیاء پر بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے جو طبع شدہ ہے البتہ ایک امام کی اقتدار میں اکٹھے ہو کر نماز تراویح کو اتفاق اور اتحاد سے ادا کرنا حضرت عمرؓ کے ارشاد کے مطابق تھا۔ یعنی حضرت عمرؓ نے نماز تراویح اور بیسٹس رکعات کو بدعت نہیں کہا۔ بلکہ ایک امام کے پیچھے اجتماع صورت میں نماز پڑھتے کو بدعت کہا ہے جس کے خود غیر مقلدین بھی متکلب ہیں۔ اور اس حدیث میں لفظ بدعت سے شرعی بدعت مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہے۔ یعنی یہ اجتماعی شکل کیا ہی بہترین نوایجاد ہے۔ (نعمت البدعة ہدہ) اور درحقیقت حضرت عمرؓ کی یہ کاروائی بھی سنت ہی تھی اور ہے اور انشاء اللہ العزیز ماقیامت رہی اور ہم حضرات خلفاء راشدینؓ کے فعل اور قول کو اس لیے سنت کہتے ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات خلفاء راشدینؓ کے قول اور فعل کو سنت کہا ہے۔ اب فرق ثانی کی مرضی کہ حضرت عمرؓ وغیرہ کے فعل اور قول کو بدعت کہیں یا خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی اقتدار کریں۔ کیونکہ آپ تو حضرات خلفاء راشدینؓ کے عمل کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دیکھیے فرقہ ثانی

کیا ارشاد فرماتا ہے؟ ج۔ نبی اپنا اپنا اہم اپنا

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ہم حضرات خلفاء راشدینؓ کے اقوال و افعال کے سنت ہونے کی علت علم اور اسکی حکمت اور فلسفہ بھی ہر یہ قارئین کر دیں۔ اسیں تو کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد اور فرمان سنت ہی ہے۔ جب آپ کا ارشاد سنت ہے تو آپ نے اپنے حضرات خلفاء راشدینؓ کی پیروی اور اقتدار کا تاکید فرمان صادر فرمایا ہے۔ اس لیے حضرات خلفاء راشدینؓ کے اقوال اور افعال سنت ٹھہرے کہ آپ نے ان کی اقتدار کا حکم دیا ہے۔ اور آپ کا حکم اور ارشاد بہر حال سنت ہی ہے۔ لہذا بواسطہ آپ کے امر اور حکم کے حضرات خلفاء راشدینؓ کا ہر قول اور ہر فعل بھی سنت ہی ہوگی۔ ہاں اگر کسی معقول دلیل سے ان کی کسی بات میں غلطی ثابت ہو جائے تو معاملہ جدا ہے کیونکہ وہ معصوم نہ تھے۔ مناسبت معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کی تائید میں فریق ثانی کے رہبر اعظم جناب نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کا ایک اقتباس بھی پیش کر دیں۔

صاحب موصوف ارشاد فرماتے ہیں۔

ان ماسئد الخلفاء الراشدون من بعدہ فالخذ بہ لیس الا لا مرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالخذ بہ والاقتدار بما فعلوہ ہوا مرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لنا بالعمل بسنة الخلفاء الراشدین والاقتدار بالی بکسر وفتح (الدین الخالص ص ۲۲۵)

نواب صاحبؒ نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بغیر چارہ کار نہ دیکھا کہ حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت کی اقتدار محض حضرات خلفاء راشدینؓ کے قول و عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ دراصل یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کی وجہ سے ہے۔ اور ان ماسئد الخلفاء کے الفاظ سے نواب صاحبؒ نے حضرات خلفاء راشدینؓ کے طور و طریق کو صریح الفاظ میں سنت

سے تعبیر کیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ مشہور ہے کہ کلام الملوک۔ ملوک الکلام

اعتراض

فریق ثانی کیا غلام اور کیا خواص یہ اعتراض کیا کہ تاہم کہ حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت سے مراد صرف وہی چیز ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ اور جو چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوئی ہو اور حضرات خلفاء راشدینؓ میں سے اکثر یا بعض نے اس کو رائج کیا ہو تو ایسے امور خلفاء کے مجتہدات میں شامل ہوں گے۔ سنتہ خلفاء میں داخل نہ ہوں گے۔ حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت صرف وہی اشیاء ہو سکتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اور موافق ہوں اور جو چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے بظاہر مخالف نظر آئے تو وہ سنت نہ ہوگی۔ بلکہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا اجتہاد ہوگا اور اگر ایسے لوگوں کی اقتداء بھی کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور نہ اس سے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين کی خلافت ورنہ لازم آتی ہے لہذا حضرت عمرؓ کا قول اور فعل سینس تراویح کے متعلق اور حضرت عثمانؓ کا ارشاد جمعہ کی اذان کے متعلق سنتہ میں داخل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ جو بدعت عمرؓ کی اور بدعت عثمانیؓ کی ہے۔

فریق ثانی کے مابین ناز محدث مولانا مبارکپوری صاحب (المتوفی ۱۲۵۳ھ) فقہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص ۳۶۸ میں (جمعہ کی اذان زائد کے سنت نہ ہونے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ اذان زائد بدعت ہے اور پھر یہ لکھا ہے کہ اگر اذان زائد سنت ہوتی تو حضرت ابن عمرؓ کیوں اسے بدعت سے تعبیر کرتے؟ لہذا معلوم ہوا کہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا ہر فعل اور قول سنت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہی سنت ہوگا۔ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل کے موافق ہو۔

جواب

اگر ہم فریق ثانی کے اس اعتراض کے جواب میں یہ کہہ دیں تو بالکل بجا ہوگا کہ اگر حضرات خلفاء راشدینؓ العیاذ باللہ تعالیٰ بدعت رائج کیا کرتے تھے تو یہ بتلایا جائے کہ بدعتی کیسے عیضہ راشدہ اور بدعت یا قرین کہتا ہے جبکہ آپسے انہیں خلفاء راشدینؓ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ بدعتی بھی راشدہ اور مہدی ہو سکتا ہے۔

عدوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے بعد سنتہ خلفاء راشدینؓ کا ذکر وادعای عطف سے کیا ہے اور سنت کو ظاہر اور صاف طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اور کچھ کا مشہور و معروف مسئلہ ہے کہ اصل عطف میں مغایرت ہے کہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہو جانا چاہیے۔ لہذا آپ کی سنت الگ اور حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت الگ ہوگی اگر حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت جدا اور الگ نہ ہوتی بلکہ

وہی جتنی جو آپؐ کی ہے تو حضراتِ خلفاء راشدینؓ اور ان کی سنت کے وارثوں کے ساتھ الگ ذکر کرنے کا کوئی معنی نہیں تو ہمارا یہ جواب بھی ناکافی نہیں ہوگا۔ لیکن ہم فریقِ ثانی کی تسلی کے لیے اور خصوصاً جنابِ مبارک پوری صاحبؒ کے اطمینان کے لیے ایک ایسی چیز پیش کرنا چاہتے ہیں جس کے بعد ان کو لبِ کثافی کی جرأت ہی نہ ہو سکے۔ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت علیؓ نے شراب کی حد کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

جلد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور یعین والی بکھڑے
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرابی کو چالیس
کوڑے لگوائے۔ اور حضراتِ ابوبکرؓ نے بھی چالیس
لگوائے اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے لگوائے اور
ان میں سے ہر ایک سنت ہے۔ (مسلم ص ۶۲)

حضرات! ملاحظہ فرمائیے کہ یہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ اور سند کے ساتھ ہے جس کی سند اور رواقہ پر کلام نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت عمرؓ کے اس فعل کو جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کے مخالف ہے۔ حضرت علیؓ سنت سے تعبیر کرتے ہیں اور حضرت علیؓ بالاتفاق خود بھی خلیفہ راشد ہیں۔ لہذا ان کا حضرت عمرؓ کے فعل کو سنت کہنا ہمیں اس لیے بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضراتِ خلفاء راشدینؓ کے قول اور فعل کو سنت کہا ہے۔ اور ہمیں ان کی پیروی اور اقتداء کا حکم دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے ایسے فعل کو جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کے خلاف ہے سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اگر آپ مزید اضافہ کے طالب ہوں تو وہ بھی سن لیجئے۔ امام حاکمؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت علیؓ کا یہ جملہ بھی نقل فرماتے ہیں۔

ثم اتمها عثمان ثمانین وکل سنة
پھر حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کوڑے لگوائے۔ اور ان
میں سے ہر ایک سنت ہے۔ (معرفة علوم الحديث ص ۱۱۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ ثم جلد عثمان ثمانین واربعین (متحدک ص ۲۵۵) قال الحاکم والذہبی صحیح (پھر حضرت عثمانؓ نے اسی کوڑے لگوائے) چونکہ حدیث میں زیادتِ ثقہ کا معتبر ہونا ایک اتفاقی چیز ہے لہذا حضراتِ محدثین کرامؒ کے اصول کے مطابق زیادت بھی تسلیم کرنا پڑے گی۔

اب ہم فریق ثانی سے موذبانہ التجار کرتے ہیں کہ اگر حضرات غلطی کی سنت صرف وہی ہو سکتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو تو ارشاد فرمائیے کہ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے اس فعل کو جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل۔ بلکہ حضرت ابو بکرؓ کے فعل کے بھی مخالفت ہے۔ کیوں سنت سے تعبیر کرتے ہیں اور کیوں فرماتے ہیں۔ وکل سنتہ۔ سند صحیح مسلم کی ہے۔ اور فرمانے والے حضرت علیؓ ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی نظر سے اوجھل نہ ہو جائے کہ شرابی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی حتمی۔ قطعی اور اٹل حد مقرر ہی نہیں کی تھی۔ بلکہ شرابی کو ہاتھوں سے۔ پاؤں سے اور چادر روں سے (بڑبڑکا مار پیٹ لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری ص ۱۲۱ وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے) اس کے ساتھ اس کو بھی ملا لیجئے کہ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ اگر کسی حد میں سزا دینے کی وجہ سے مجرم کی جان تلف ہو جائے تو مجھے کوئی پروا نہیں مگر شرابی کی جان اگر تلف ہو جائے تو میں اس کی دیت اور خون یا دینا پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ

لا نرسلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (بخاری ص ۱۲۱) و مسلم ص ۱۲۱
سزا سنون قرار نہیں دی۔

لہٰذا یسئلہ کے جملہ کو دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے نزدیک، شرابی کی (اٹل) سزا اسے سے ثابت ہی نہیں۔ بلکہ پھر بھی وہ چالیں اور انہی کوڑوں کی سزا کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں وکل سنتہ ان میں سے ہر ایک سنت ہے۔

اب ارشاد فرمائیے کہ اگر مقلدین حضرات اور خصوصاً احناف۔ حضرات غلطی را شذیذ کے اس فعل کو جو بظاہر اوسطی نظر سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول اور فعل کے مخالفت ہو سنت کہتے ہیں تو آپ ان پر کیوں بستے ہیں؟ اور ان کی اصلاح کی آپ کو کیا فکر پڑ گئی ہے؟ آپ اپنی اصلاح کیوں نہیں کرتے؟ ع۔ خویش را تاویل کن نے ذکر را

راہ مولانا مبارک پوری صاحب کا حضرت ابن عمرؓ سے جمعہ کی اذان اول کے بدعت ہونے کا قول نقل کرتا تو بلاشبہ یہ قول (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴ طبع حیدر آباد دکن میں) موجود ہے۔ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ احتمال ہے کہ ان کا بدعت کہنا علی سبیل الامکار ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ یہ کاروائی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی۔ اور جو چیز آپ کے زمانہ میں نہ تھی تو وہ (لغوی) بدعت کہلاتی ہے لیکن بدعت حسن بھی ہوتی ہے اور اس کے

خلافت بھی ہوتی ہے۔ (فتح الباری ص ۴۵) اور یہی مطلب بذل الجہود (ص ۱۸) میں بھی بیان کیا گیا ہے اگر بدعت لغوی مراد ہو تو اس پر تو کوئی قدغن نہیں۔ اور اگر اُن کی مراد شرعی بدعت ہے تو ان کی اپنی رائے ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ شرعی بدعت کی تردید کریں اور حضرات صحابہ کرامؓ کی اکثریت شرعی بدعت پر اتفاق کرے۔ اور حضرات تابعینؓ تبع تابعینؓ اور تانہوز سلف و خلف کا اس پر اتفاق اتحاد اور تعامل مستزاد ہو۔ اور خود اکثر غیر مقلدین حضرات کا بھی اس پر عمل ہے۔

دوسری حدیث: حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تم میں زندہ رہوں گا۔ لہذا

فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ تم میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدار کرنا
(ترمذی ص ۲۰۰، ابن ماجہ ص ۲۰۰ متدرک ص ۵۵۰ اور مشکوٰۃ ص ۵۹ وغیرہ)

اس حدیث کی اہم ترمذی تحفین اور فن رجال میں مہارت نامہ کہنے والے یعنی علامہ ذہبیؒ کی تخصیص مذکور ہے (پس) تصحیح کرتے ہیں۔ اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام حضرات صحابہ کرامؓ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اقتدار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔ اور من بعدی سے مراد ان حضرات کی حالت خلافت ہے کیونکہ بدون امارت اور بلا خلافت تو دونوں حضرات آپ کے دو بوجہ ہی موجود تھے۔ تو پھر من بعدی کا کیا مطلب؟ اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسلام اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ دو خلیفوں کی بیک وقت اطاعت اور اتباع کی جائے۔ لہذا مطلب بالکل صاف ہے کہ محمد ابوبکرؓ حضرت ابوبکرؓ کی اور عمرؓ میں حضرت عمرؓ کی تقلید اور اقتدار کی جائے۔ اور یہی تقلید شخصی ہے۔ گو ایک معین زمانہ کے لیے ہی سہی۔ رہا مذہب و سیاست یا دین و دنیا کا فرق نکالنا تو یہ بالکل کچر پوچ بات ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

تیسری حدیث: ہم نقل تصحیح کے ساتھ یہ حدیث پہلے نقل کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام عبد میں تمہارے لیے اس چیز پر ماضی خوش ہوں جس چیز کو تمہارے لیے عبداللہؓ ابن مسعودؓ پسند کریں۔
(متدرک ص ۳۱۹)

اگر تقلید شخصی شرک ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف حضرت ابن مسعودؓ ہی کی تخصیص فرماتے اور

ان ہی کی پیروی پر آمادہ نہ کرنے ورنہ اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا کہ جو چیز بھی تمہارے لیے حضرت ابن مسعودؓ فرمائیں تو میں بھی اس کو تمہارے لیے پسند کرتا ہوں۔ اور اس پر راضی اور خوش ہوں؟

حضرات! یہی وہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں جن کے اقوال اور افعال پر فقہ حنفی کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود جس چیز پر راضی ہوں اس پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی راضی ہیں اور آپ جس چیز پر راضی ہوں ناممکن ہے کہ پروردگار عالم اس پر راضی نہ ہو نتیجہ ظاہر ہے کہ حدیث اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر حق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا حضرت ابن مسعودؓ پر تھی۔ اور ان کے اقوال و افعال پر حنفی فقہ کا دار و مدار ہے۔ اب تو آپ حضرات کو مخزن فقہ نبوی حضرت ابن مسعودؓ اور اس فقہ کے معلم اور استاد حضرت ام ابوحنیفہؓ کے سامنے سپردِ مال کر دیں اپنی شکست کا اقرار کرنا چاہیے۔ گو

ضروری تو نہیں کہ دیں لبوں سے دلتاں اپنی زباں اک اور بھی ہوتی ہے اظہارِ متن کی پوچھتی حدیث: بخاری وغیرہ کے حوالہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا یہ ارشاد ہم نقل کر چکے ہیں کہ جب تکسیر عالم مختصر یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان زندہ ہے تو مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔ انہیں سے پوچھو۔ اگر حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک تقلید شخصی شرک ہوتی تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر ایک ہی آدمی کو اپنا امام نہ بنایا کرو بلکہ جس سے جی چاہے پوچھ لیا کرو۔ حالانکہ آپ خود صاف طور پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ذات گرامی پر جبر و سرکرتے ہوئے لوگوں کو ان کی طرقت مراجعت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ بلکہ یوں کہتے کہ آپ تقلید شخصی پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں۔ اگر تقلید شخصی شرک ہوتی جیسا کہ فریق ثانی کا زعم ہے تو پہلے آپ نے اور پھر حضرت ابو موسیٰؓ نے اس پر لوگوں کو کیوں اُجھارا؟

پانچویں حدیث: حضرت اسود بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ

انا ما معاذ بن جبل بالینہ من معلماً
او ما یؤا فسألناہ عن رجل قوفی و
ترک ابنتہ واختہ فاعطی الابنتہ
النصف والاخت النصف
حضرت معاذ بن جبلؓ جو اسے پاس میں میں معلم یا امیر
منتخب ہو کر آئے۔ ہم نے ان سے دریافت کیا کہ ایک
شخص کی وفات ہو چکی ہے اور اس کی ایک لڑکی اور
ایک بہن موجود ہے اس کی وراثت کسی طرح تقسیم ہوگی؟
تو حضرت معاذؓ نے اس میت کا ترکہ نصف لڑکی کو اور لڑکا
اس کی بہن کو دیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے قبل سترہ میں حضرت معاذ کو مین کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔
(قطانی حاشی بخاری ص ۱۸۶) گویا یہ واقعہ آپ کی زندگی کا ہے۔ اس حدیث سے ذیل کے امور وضاحت کے
ساتھ ثابت ہوتے ہیں

(۱) جس طرح امیر اور حاکم کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح معلم کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اور معلم کا لفظ
اس میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ورنہ حضرت اسود کو اس لفظ کے نقل اور پیش کرنے کی کیا ضرورت
تھی؟ چونکہ حضرت معاذ مین کے گورنر تھے۔ جو امیر اور معلم بنا کر وہاں بھیجے گئے تھے۔ اس لیے وہاں کے سب
باشندوں پر ان کی اطاعت لازم تھی۔

(۲) اگر اہل مین کے لیے حضرت معاذ کی بات فیصلہ اور فتویٰ حجت نہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
سلم نے العیاذ باللہ تعالیٰ ایک بے فائدہ اور عمل کام کیوں کیا کہ تنہا حضرت معاذ کو اہل مین کی طرف بھیجا جبکہ
ان کا حکم ان پر لازم ہی تھا؟ حضرت امم بخاری کتاب اخبار الاحاد میں فرماتے ہیں

وکیف بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امراء واحدًا بعد واحد
یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے حکام و امراء
کو یکے ایکے بھیجا کرتے تھے۔

(بخاری ص ۱۸۶)

(۳) اگر سب اہل مین کے لیے حضرت معاذ کی جو شخص معین اور فرو حقیقی تھے اطاعت ضروری تھی اور یقیناً
ضروری تھی تو فریق ثانی پر لازم آئے گا کہ وہ تقلید شخصی کے جواز کو تسلیم کرے۔ یا صاف کہے کہ العیاذ باللہ
تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک کی اشاعت کے لیے حضرت معاذ کو روانہ کیا تھا اور وہ
اس کی اشاعت بھی کرتے ہیں۔

(۴) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی تقلید شخصی رائج تھی
کیونکہ آپ کی زندگی میں ہی اہل مین پر حضرت معاذ کی رائے اور بات حجت تھی۔ اور یہی تقلید شخصی ہے کہ غیر مخصوص
مسائل میں کسی ایک پر اعتماد کر لینا۔

(۵) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسئلہ مذکورہ میں سائیکین نے حضرت معاذ سے کوئی دلیل نہیں چھی
اگرچہ اپنے مقام پر اس کی دلیل بھی موجود تھی۔ لیکن ان پر محض حسن ظنی کرتے ہوئے انہوں نے حضرت معاذ
کی بات کو حجت تسلیم کر لیا۔ اور یہی تقلید شخصی ہے۔

چھٹی حدیث : ہم باحوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر میں کوئی ثقہ آدمی حضرت علیؓ کا فتویٰ سنائے تو ہم سب کو بھی اس سے تجاوز نہیں کریں گے۔ اور عافذا بن حجرؒ سے اس حدیث کی تصحیح بھی ہم نقل کر چکے ہیں۔

دیکھیے کہ حضرت ابن عباسؓ ایسے جلیل القدر اور مجتہد صحابی حضرت علیؓ کی کیسی تقلید کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ لحم تجاوز هذا ہم حضرت علیؓ کے فتویٰ سے ذرا بھی تجاوز نہ کریں گے۔ فریق ثانی ہی حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کر سکتا ہے کہ آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ کی تقلید کا ارتکاب کیوں کیا؟ اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک ہے گی تو حضرت ابن عباسؓ سے پوچھ لیجئے کہ آپؓ نے یہ کیوں نہ کہا کہ ہم تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی تقلید کریں گے۔ ہیں حضرت علیؓ وغیرہ کی بات کی تقلید کب جائز ہے؟

ساتویں حدیث : ہم ازالہ الخفاء کے حوالہ سے پہلے یہ نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام لوگ کسی ایک وادی اور گھاٹی میں چلنا شروع کر دیں اور حضرت عمر فاروقؓ کسی دوسری وادی اور گھاٹی میں جائیں تو میں۔

سلکت وادی عمنہ و شعبہ حضرت عمرؓ کی وادی اور گھاٹی میں ہی جاؤں گا۔

اگر تقلید شخصی شرک ہوتی تو حضرت ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کی راہ و رسم کی پابندی کا کیوں اظہار فرماتے؟ بلکہ ان کو کہہ دینا چاہیے تھا کہ اگر تمام لوگ بھی کسی میدان اور گھاٹی میں جائیں، تو جائیں مگر میں تو بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم بہت م ہی چلوں گا۔ مجھے حضرت عمرؓ وغیرہ کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے العیاذ باللہ تعالیٰ مشرک بننے کی کیا ضرورت ہے؟ اور ہم یہ حدیث بھی نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہی کچھ کہتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند ہوتا تھا۔ اور آپؓ کسی چیز کو پسند نہ فرماتے تھے۔ تازہ گفتے کو دکار اٹھو **حدیث :** حضرت جابر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور آپؓ سے کوئی چیز دریافت فرمائی۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ پھر کسی وقت آنا۔ (آپ اس وقت بیمار تھے) اس عورت نے عرض کیا کہ اگر میں پھر کسی وقت آؤں۔ جیسا کہ آپؓ فرماتے ہیں اور آپؓ کو نہ پاؤں یعنی اگر آپؓ کی وفات ہو جائے تو پھر کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا

فتاویٰ ابابکرؓ (دستخط ۵۱۶ھ / مسلم ص ۲۴۳ اور مشکوٰۃ ص ۵۵۵ وغیرہ)

کہ تو ابو بکرؓ کے پاس آنا

اس حدیث سے جہاں حضرت ابو بکرؓ کی خلافت ثابت ہوتی ہے۔ وہاں اس سے تقلید شخصی بھی آفتابِ نمرود کی طرح ثابت ہے۔ کیونکہ اس عورت نے تو آپ سے مسئلہ ہی پوچھا تھا۔ اس کے اس سوال پر کہ اگر آپ نہ ہوں تو میں کیا کروں آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ ابو بکرؓ کے پاس آنا۔ اگر تقلید شخصی شرک ہوتی تو آپ یوں ارشاد فرماتے کہ جس سے تمنا رہی چاہے پوچھ لینا۔ حضرت ابو بکرؓ ہی سے سوال کرتے اور پوچھنے کی آپ نے کیوں یقین کی؟ اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی ایک ہی آدمی سے مسئلہ پوچھنا نہ شرک فی الرسائل ہے اور نہ گناہ۔ بالفاظ دیگر غیر منصوص مسائل میں تقلید شخصی نہ شرک ہے اور نہ گناہ۔

حضرات! ہم نے چند صحیح حدیثیں بطور نمونہ آپ کے سامنے عرض کی ہیں کہ تقلید شخصی اگر شرک ہوتی تو ناممکن اور محال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی اجازت دیتے؟ اور پھر آپ کے حضرات صحابہؓ اس کی ترویج اور اشاعت کرتے؟ بلکہ وہ خود اس پر اس طور پر عمل پیرا تھے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ میں وہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے قدم بقدم چلتے کہ ہر مو بھی تجاوز نہ کرتے؟ اور پھر حضرات صحابہ کرامؓ ایک ہی استاد کی خدمت میں رہنے کی وصیت بھی اپنے تلامذہ کو کرتے رہے۔ جیسا کہ ہم نقل کر چکے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے اپنے شاگرد حضرت عمرو بن مسعودؓ کو وصیت کی تھی کہ تم میری وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ہی رہنا۔ اور بعض حضرات تابعینؓ کے بعض اقوال بھی ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مثلاً حضرت محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ اہم شےؓ کے فتاویٰ پر ہی بھروسہ کرنا کیونکہ وہ حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت غنہؓ کا حضرت ابو قتادہؓ کے متعلق اہل شام کو یہ کہنا کہ

اے اہل شام! جب تک تم میں حضرت ابو قتادہؓ یا ان جیسے مجدد موجود ہیں تو تم خیریت کے ساتھ ہی رہو گے۔

لن تنالوا بخیر یا اهل الشام ما دام
فیكم هذا او مثل هذا۔
(دستخط ۶۶۳ھ / مسلم ص ۱۰۱۹ / واللفظ لہ)

اور اس قسم کے دیگر ایسے اہل دلائل اور براہین ہیں جن سے انماض نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر
حضرات ائمہ مجتہدین مثلاً حضرت اہم شافعی ایسے بزرگوں کا حضرت عطارؒ کی تقلید کرنا۔ یا حضرت اہم احمد
بن حنبلہ کا یہ فرمانا کہ حضرت اہم شافعیؒ کا قول بھی ایک زبردست حجت ہے جب کہ ایسے موقع میں صحیح حدیث
موجود نہ ہو جن کو ہم باحوالہ تفصیل کے ساتھ ہر یہ ناظرین کہ چکے ہیں اور اس قسم کے دیگر سینکڑوں اقوال اور
بھی موجود ہیں جن سے صرف شپڑہ چشم ہی انماض کر سکتا ہے۔ ہم اس باب میں انہیں حوالوں پر اکتفا
کر رہے ہیں جن سے بخوبی روشن ہو گیا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید شخصی نہ تو کفر و شرک ہے اور
نہ بدعت و مذہب بلکہ محمود و مقصود ہے ورنہ معاذ اللہ تعالیٰ اس غلط نظریہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم حضرت اصحاب کرامؓ تابعین عظامؓ اور جمہور سلف و خلف کی طرف ہوگی ہم فریق ثانی سے نہایت
ہی متاثرانہ التجار کرتے ہیں کہ وہ اس دلدلی پر خار میں اس کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انصاف و عدل
کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

خدا کا کہ خوف دل میں کلچیں لگانا بیل کے گھر میں آتش
دبال سے اس کے لگ اٹھے گی ہر اک ٹخڑ اور حجر میں آتش

باب سوم

تقلید چوتھی صدی کے
بعد کی پیداوار ہے

فریق ثانی کا یہ بھی ایک عام اعتراض ہے کہ تقلید اگر کوئی اچھی چیز ہوتی
تو خیر و نفع القرون میں اس کا ثبوت ہوتا حالانکہ چوتھی صدی سے قبل
اس کا وجود نہ تھا اور یہ چوتھی صدی کے بعد کی بدعت ہے۔ چنانچہ بقول

ان کے امام النہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ۔

اعلم ان الناس كانوا قبل المائۃ
الرابعة غیر مجتمعین علی
التقلید الخالص مذهب واحد
تم جان لو کہ بلاشبہ لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی
ایک معین مذہب کی تقلید خالص پر مجتمع اور متفق
نہ تھے۔

بھینہ اھ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۲)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چوتھی صدی سے قبل تقلید شخصی کا رواج اور ثبوت نہ تھا اور جو دینی مسئلہ
خیر القرون میں نہ ہوا اس کے مذہب اور بدعت ہونے میں کیا شک ہے؛ علاوہ ازیں حضرت امام ابوحنیفہؒ
اور دیگر حضرات ائمہ کرامؒ چوتھی صدی سے پہلے ہی گزرے ہیں جب تین صدیوں میں ان کی تقلید
نہیں ہوئی تو بعد کو آنے والوں کی تقلید کا کیا اعتبار ہے؛ اور اسی تقلید شخصی کی تردید اور مذمت حضرت
شاہ ولی اللہ صاحبؒ کرتے ہیں جن کی شخصیت بین الفریقین مسلم ہے۔ مشورہ غیر مقلد عالم مولانا محمد جونا گڑھی
حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت کو نقل کر کے یوں لکھتے ہیں کہ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ چاروں مذہب مالکی، حنفی، حنبلی، شافعی چار سو برس بعد کے مسلمانوں
میں پھیلے چار سو برس تک کے مسلمان ان سے دور تھے الخ بلفظہ (طریق محمدی ص ۱)
الجواب: ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ کتب اسماء الرجال (دیوگرافی) سے اس پر کچھ

حوالے نقل کرتے ہیں کہ چوتھی صدی سے قبل بھی لوگوں میں اہم معین اور مذہب متعین کی تقلید رائج تھی اور جن کے حوالے درج کیے جائیں گے وہ صرف یہی نہیں کہ مقلد اور فقہی ہی تھے بلکہ بعض جلیل القدر محدث بھی تھے اور عالم اسباب میں علم حدیث کے اصول و ضوابط انہیں ہی کے ارشادات پر موقوف ہیں۔ اور وہ احادیث کے مرکزی راوی ہیں اور ان میں سے بعض حضرات حج اور قاضی بھی رہے ہیں اور ان میں کوئی کسی اہم کا اور کوئی کسی اہم کا مقلد تھا

(۱) قاضی اسماعیل بن النعمانی الکندی (المتوفی بعد ۱۶۴ھ) فقہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متبع تھے اور مصر

ان سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے شائق تھے ۱۶۴ھ میں انہیں مصر کا ناظم مقرر کیا گیا تھا (الجزیرہ ص ۱۶)

(۲) امام لیث بن سعد (المتوفی ۱۷۵ھ) جو کثیر العلم و الحدیث اور ثقہ و ثبت تھے (تہذیب التہذیب ص ۱۶۱) اور اپنے زمانہ میں مصر کے سب سے بڑے مفتی سی تھے (تہذیب الاسماء و اللغات للنووی ص ۱۶۱) نواب صلیبی غل صاحب لکھتے ہیں کہ مے حنفی مذہب بود و قضائے مصر و اشدت (استحاف ص ۲۳)

(۳) امام عبد اللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) جو الامام علامہ الحافظ اور شیخ الاسلام تھے (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۵۲) فرماتے ہیں کہ میرے پاس جو فقہ ہے میں نے وہ امام ابو حنیفہؒ ہی سے سیکھی ہے (تاریخ بغداد ص ۲۵۵) مناقب ص ۲۲۶ علامہ ابو الولید الباجی المالکی (المتوفی ۴۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب و مقلدین میں امام ابن المبارکؒ بھی ہیں (شرح الموطا ص ۲۲ طبع مصر) اور امام صدر الامم المالکی (المتوفی ۵۶۸ھ) اور مولیٰ احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاشس کبری زاوہ (المتوفی ۹۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ امام حنفیہ میں سے ایک امام عبد اللہ بن المبارکؒ بھی ہیں (مناقب موفی ص ۱۳۲ و مفتاح السعادة ص ۱۱۲)

(۴) امام ویس بن الجراح (المتوفی ۱۹۷ھ) جو الامام الحافظ اور الثبت تھے (تذکرہ ص ۲۸۲) کان یفتی بیرالی ابی حنیفہ (جامع بیان العلم ص ۱۵۹) کان یفتی بقول ابی حنیفہ (تذکرہ ص ۲۸۲) و تہذیب التہذیب ص ۱۱۲ کہ وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے اور ان کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے مولانا مبارک پوری صاحب نے ازراہ تعصب امام ویس بن الجراحؒ کے حقیقی ہونے کا انکار کیا ہے اور ٹھوس تاریخی حوالوں کو منہ کیے ہوئے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کا اجتہاد حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق ہو جایا کرتا تھا نہ یہ کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے قول اور رائے پر فتویٰ دیتے تھے (محصلہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۶) لیکن یہ تاویل سراسر باطل ہے اس لیے کہ اگر ان کا اجتہاد حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق ہوتا تو عبارت یوں ہوتی یفتی کوئی

ابی حنیفہؒ وکھول ابی حنیفہؒ لیکن الفاظ موالی ابی حنیفہؒ وکھول ابی حنیفہؒ
ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ امام صاحب کی رائے اور ان کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے امام ابن عبد البر المالکیؒ
کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

کان یفتی برأی ابی حنیفہؒ وكان یحفظ
حدیثہ کلمہ وكان قد سمع من ابی
حنیفہؒ حدیثاً کثیراً۔
(جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۴۹ طبع مصر)
حضرت امام وکیع بن الجراحؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے
پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان کی سب حدیثیں ان کو یاد
تھیں اور امام ابو حنیفہؒ سے بہت سی حدیثیں امام وکیعؒ نے
سنی تھیں۔

الغرض امام وکیع بن الجراحؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد بھی تھے اور انہیں کی رائے اور قول پر فتویٰ بھی دیتے تھے۔
(۵) امام یحییٰ بن سعید القطانؒ (المتوفی ۱۹۸ھ) جو امام العلم اور سید الحفاظ تھے (تذکرہ ص ۲۶۴) وہ بھی یفتی
بقول ابی حنیفہؒ (تذکرہ ص ۲۸۲) تہذیب التہذیب ص ۴۵۰ والجوہر المصنیع ص ۲۰۹) حضرت امام ابو حنیفہؒ
کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور خود امام یحییٰ بن سعید القطانؒ کا بیان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی
مکھڑب نہیں کرتے ہم نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں دیکھی اور بے شک ہم نے ان
کے اکثر اقوال کیے ہیں (تاریخ بغداد ص ۳۵۴) ۱۸۵ھ

(۶) امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہؒ (المتوفی ۱۸۲ھ) جو الحافظ المتقن الثبت اور الفقیہ تھے (تذکرہ ص ۲۴۶)
وہ بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد اور پیرو تھے۔ صاحب ابی حنیفہؒ (ایضاً) اور من اللامۃ الخفیۃ۔ ومن اصحاب
ابی حنیفہؒ تھے (مفتاح السعادة ص ۱۱۹) و مناقب کمروری ص ۴۰۰)۔

(۷) امام یحییٰ بن معینؒ (المتوفی ۲۴۳ھ) امام الجرح والتعلیل جو الشیخ المأمون اور احد الائمة الثقات تھے۔
(تاریخ بغداد ص ۱۸۸) اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ امام الجرح والتعلیل اور ایسے علم تھے جن کی رائے کی احادیث
میں اقتدار کی جاتی تھی اور وہ ایسے امام تھے جو علم حدیث میں مرجع خلافت تھے (تہذیب التہذیب ص ۲۸۸) علامہ
ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن معینؒ غالی حنفیوں میں شمار کیے جاتے ہیں مگر بائیں ہمہ وہ محدث بھی تھے (الروایۃ
الثقات المتکلم فیہم بما لا یدوجب ردہم) ص ۱۳۲ (۱۳۲ھ) اور خود امام ابن معینؒ
کا بیان ہے کہ قرأت میرے نزدیک حضرت امام حمادؒ کی اور فقہ کفرت امام ابو حنیفہؒ ہی کی معہر ہے اسی
پر میں نے لوگوں کو پایا ہے (تاریخ بغداد ص ۳۳۲) ان کا حقیقی ہونا ایک واضح حقیقت ہے (فیض الباری ص ۱۹۹)
و قد مر نصب الرایہ ص ۴۲)

لطیفہ علیہ تاقہ من رجال جن کے بعد آج تک اسماء الرجال پر ایسا مجبور نہ کئے والا کوئی اور شخص پیدا نہیں ہوا علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے دور میں علم (حدیث) کا دار میں بزرگوں پر تھا حضرت امام سجستانیؒ بن سعید القطانؒ حضرت امام سجستانیؒ بن زکریاؒ بن ابی زائدہؒ اور حضرت امام وکیعؒ بن الجراحؒ (تذکرہ ص ۲۲۸) اور امام علیؒ بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے دور میں علم سجستانیؒ بن ابی زائدہؒ پر ختم تھا (اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۱۵۱) بحمد اللہ تعالیٰ یہ تینوں بزرگ مقلد تھے اور مقلد بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ علم حدیث و فقہ سے بے برہہ ہوتے تو یہ حضرات کبھی ان کی تقلید نہ کرتے اور نہ ان کی رائے اور قول پر فتویٰ دیتے علامہ ذہبیؒ اور علامہ جزائریؒ فرماتے ہیں کہ روایت پر جرح و تعدیل سب سے پہلے حضرت امام سجستانیؒ بن سعید القطانؒ نے کی تھی ان کے بعد ان کے تلامذہ نے (میزان الاعتدال ص ۱۳۳) و توجیہ النظر ص ۱۱۳) گویا فن حدیث کی صحت و سقم کا عالم اسباب میں مدار حضرت امام سجستانیؒ بن سعید القطانؒ پر ہے جو مقلد اور حنفی تھے غیر مقلدین حضرات کا یہ شوشہ کہ اخاف کو حدیث سے کوئی لگاؤ اور تعلق نہ تھا بلکہ وہ صرف فقہ کے دلدادہ تھے سرسراہٹل ہے۔ اس لیے کہ اپنے دور میں علم حدیث کا مرکز بھی علماء اخاف ہی تھے اور حدیث کی تصحیح و تضعیف کے قائم کردہ اصول بھی انہیں حضرات کے علم چلے آئے ہیں۔

(۷) خلیفہ جعفر بن معصوم الملقب بـ المتوکل علی اللہ (المتوفی ۲۳۶ھ) خلافت میں سے پہلا شخص تھا جس نے حضرت امام شافعیؒ کی تقلید کی اور ان کا مذہب اختیار کیا (تاریخ الخلفاء بسیوطی ص ۲۵۹)

(۸) امام عبد الغضائبر بن داؤد الحرامیؒ (المتوفی ۲۴۰ھ) جو علم حدیث میں ثقہ اور ثبت تھے حنفی مسلک کے تھے (تہذیب التہذیب ص ۲۶۶)

(۹) امام عبد الملک بن حبیبؒ (المتوفی ۲۴۹ھ) جو الفقیہ البکری تھے چوٹی کے مالکی تھے (تذکرہ ص ۲۶۱)

(۱۰) امام اسماعیل القاضيؒ (المتوفی ۲۵۲ھ) جو الحافظ الامام اور شیخ الاسلام تھے عراق میں مالکیوں کے سربراہ تھے (شیخ المالیکۃ بالعراق تذکرہ ص ۱۸۰)

(۱۱) امام محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکمؒ (المتوفی ۲۵۸ھ) جو الامام الحافظ تھے امام الامتہ ابن خریتمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عبد الحکمؒ سے بڑھ کر حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے اقوال کو جاننے والا اور کوئی نہیں دیکھا مگر وہ بھی۔ اُمہ تھا مصر میں اصحاب مالکؒ تھے (تذکرہ ص ۲۶۱) اور وہ ایسے سخت قسم کے مالکی تھے کہ انہوں نے فقہی مسائل میں حضرت امام شافعیؒ اور اخاف کے رد میں کتابیں بھی لکھی تھیں (السید سیاح المذہب ص ۲۳۲)

لابن فرحون و المتوفی ۹۹ھ و تذکرہ ص ۱۱۵)

(۱۲) امام ابو بکر احمد بن محمد الاثرم (المتوفی ۲۶۰ھ) جو حافظ البکیر اور علامہ تھے علامہ ذہبی ان کو صاحب الامم احمد کہتے ہیں (تذکرہ ص ۱۳۵) یعنی حضرت امام احمد بن حنبل کے پیرو اور مقلد۔

(۱۳) امام المیمونی (ابراہیم بن عبد الحمید المتوفی ۲۷۴ھ) جو حافظ اور الفقیہ تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل کے بڑے پیروکاروں میں سے تھے کان من کبار اصحاب احمد (تذکرہ ص ۱۶۲)۔

(۱۴) امام حرب بن اسماعیل الکمانی (المتوفی ۲۸۰ھ) جو الفقیہ اور حافظ تھے حضرت امام احمد بن حنبل کے پیروکار اور ان کے مقلد تھے (تذکرہ ص ۱۶۲)۔

(۱۵) امام ابو بکر احمد بن محمد المروزی (المتوفی ۲۷۵ھ) جو القدرۃ اور الفقیہ تھے حضرت امام احمد بن حنبل کے بڑے مقلدین میں سے تھے اجل اصحاب احمد بن حنبل (تذکرہ ص ۱۸۵)۔

(۱۶) امام ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم البوشقی (المتوفی ۲۹۰ھ) جو الامم علامۃ الحفاظ اور الفقیہ تھے المالکی تھے (تذکرہ ص ۲۰۶) ان کی جلالت شان کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جب وہ امام الحسین القبانی کے جنازہ سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو مشہور محدث الحفاظ ابو عمر و الخفاف (المتوفی ۲۹۹ھ) ان کی سوری کی نگام اور پینے دوڑ میں الحفاظ البکیر اور امام اللامہ ابن خزیمہ (المتوفی ۳۱۱ھ) اس کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ (ایضاً ص ۲۰۶) حافظ ابن حجر علامہ ذہبی سے رس کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ من کبار الشافعیۃ و تہذیب التہذیب ص ۱۶۱) بڑے شوافع میں سے تھے۔ یہ بزرگ مالکی تھے یا شافعی کچھ بھی تھے مقلد تھے اور یہی ہمارا مدعی ہے۔

(۱۷) امام موسیٰ بن اسحاق القاضی (المتوفی ۲۹۷ھ) جو الامم الحفاظ اور الفقیہ تھے۔ شافعی المذہب تھے (تذکرہ ص ۲۱۶) اور فرماتے تھے کہ میں نے محدث ابو کریب (جو الحفاظ الشافعیہ محدث الکوفہ تھے) (المتوفی ۲۴۸ھ) (تذکرہ ص ۲۱۶) سے تین لاکھ حدیث سنی ہے (تذکرہ ص ۲۱۶)۔

(۱۸) امام محمد بن المنذر (المتوفی ۲۹۱ھ) جو حافظ اور الفقیہ تھے بلکہ و اہل بیتہ حنفیون (تذکرہ ص ۲۲۲) ان کا سارا خاندان ہی حنفی تھا۔

(۱۹) حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) امیر المؤمنین فی الحدیث جو شیخ الاسلام اور امام الحفاظ تھے (تذکرہ ص ۲۲۲) ان کو شیخ الاسلام تاجدین ابو نصر عبد الوہاب السبکی الشافعی (المتوفی ۴۴۰ھ)

طبقات الشافعیہ میں درج کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو طبقات الشافعیۃ البخاری ص ۲ تا ص ۱۹) اور حضرت شافعیؒ صاحب انصاف مع ترجمہ اردو کثافت ص ۶۷ میں بھی حضرت امام بخاریؒ کو شافعیہ کے طبقہ میں شمار کرتے ہیں اور نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی ان کو شافعی المذہب کہا ہے۔ (البحر العلوم ص ۸)

(۲۰) حضرت امام محمد بن شعیب النائیؒ (المتوفی ۲۰۲ھ) جن کی کتاب سنن نائی صحت مند کے لحاظ سے صحاح ستہ میں صحیح بخاری اور مسلم کے بعد تیسرے درجہ کی کتاب شمار ہوتی ہے۔ شافعی الملک تھے چنانچہ علامہ الخطیب (شیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبید اللہ سن تالیف اکمال ۴۰۷ھ) لکھتے ہیں کان شافعی المذہب (اکمال ص ۶۲) کہ حضرت امام نائیؒ شافعی المذہب تھے۔

(۲۱) امام و محدث ابو عوانہ (یعقوب بن اسحاق الاسمریؒ المتوفی ۳۱۶ھ) جو حافظ الثقة البکیر تھے اور علم حدیث میں صحیح ابو عوانہ کے مصنف ہیں جو المذہب کے نام سے مطبوع ہے شافعی الملک تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ

هو اول من ادخل كتب الشافعي ومذهبه
وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت امام شافعیؒ کی کتابیں
الى السرايين (تذکرہ ص ۶۷) اور ان کا مذہب ملک اسطرائین میں داخل کیا ہے۔

(۲۲) امام ابو بکر احمد بن محمد الخلالؒ (المتوفی ۳۱۱ھ) جو الفقیہ العلامة المحدث تھے منبلی تھے اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے علم کے معلم جامع اور مرتب تھے (تذکرہ ص ۶۳)

(۲۳) امام طحاویؒ (ابو جعفر احمد بن محمدؒ المتوفی ۳۲۱ھ) جو الامام العلامة اور الحافظ تھے حنفی تھے (تذکرہ ص ۲۸)

(۲۴) امام ابو العباس احمد بن عمرؒ (المتوفی ۳۰۶ھ) جو الامام العلامة شیخ الاسلام اور قدوة الشافعیہ تھے۔ (تذکرہ ص ۶۳) اور انہی کی وجہ سے حضرت امام شافعیؒ کا مذہب پھیلا (ایضاً ص ۳۱)۔

(۲۵) امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن زیادؒ (المتوفی ۳۲۴ھ) جو الحافظ المجود العلامة اور الفقیہ الشافعی تھے۔ امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ عراق میں اپنے دور کے اندر وہ شوافع کے امام تھے اور فقہی مسائل اور اختلاف صحابہؓ کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (تذکرہ ص ۶۳ ص ۲۸)

(۲۶) محدث محمد بن یوسفؒ (المتوفی ۳۲۰ھ) جو الحافظ الثقة تھے شافعی الملک تھے (تذکرہ ص ۵۴)

(۲۷) امام ابو القاسم عمرو بن الحسن البغدادی الخرقیؒ (المتوفی ۳۲۴ھ) شیخ الحنابلہ تھے (تذکرہ ص ۶۲)

(۲۸) امام ابو العباس بن القاسمؒ (المتوفی ۳۲۵ھ) کبیر الشافعیہ تھے (تذکرہ ص ۶۳)

(۲۹) امام ابو بکر احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) جو الامام الحافظ الفقیہ اور شیخ العلما تھے جنہلی تھے (تذکرہ ص ۸)
 (۳۰) محدث العراق امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ الشافعیؒ (المتوفی ۲۵۴ھ) جو الامام الحجتہ اور المفسر تھے (تذکرہ ص ۹)
 شافعی المذہب تھے۔

(۳۱) امام دہبؒ بن میسرہؒ (المتوفی ۳۴۰ھ) جو الحافظ اور العلما تھے مالکی تھے (تذکرہ ص ۱۰)
 (۳۲) امام ابو النضر محمد بن محمدؒ (المتوفی ۳۴۴ھ) الامام الحافظ شیخ الاسلام اور شیخ الشافعیہ تھے (تذکرہ ص ۱۱)
 (۳۳) امام ابو بکر محمد بن احمدؒ (المتوفی ۳۴۴ھ) جو العلما الحافظ اور شیخ عصرہ تھے شافعی تھے (ایضاً ص ۱۸)
 (۳۴) امام ابو بکر احمد بن ابراہیم الکھیلؒ (المتوفی ۳۴۵ھ) جو الامام الحافظ الثبت اور شیخ الاسلام تھے۔ اپنے
 علاقہ حرجان میں کبیر الشافعیہ تھے (تذکرہ ص ۱۹)

(۳۵) امام ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہؒ (المتوفی ۳۷۵ھ) شیخ الشافعیہ تھے (ایضاً ص ۱۹)
 (۳۶) امام ابو بکر القاسمی محمد بن عبد اللہؒ (المتوفی ۳۷۵ھ) شیخ مالکیہ العراق تھے (ایضاً)
 (۳۷) امام عبد ان بن محمدؒ (المتوفی ۳۹۲ھ) جو الفقیہ الحافظ تھے امام خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقت
 حافظ صالح اور زاہم تھے امام ابن السمانؒ (الحافظ البارع العلما ابو سعد عبد الحکیم بن احمدؒ المتوفی ۵۶۲ھ)
 فرماتے ہیں کہ

هو احد من اظهر مذهب الشافعيؒ وہ ان علما میں سے ایک تھے جنہوں نے حضرت
 بخراسان (تذکرہ ص ۲۲)

امام شافعیؒ کا مذہب ملک خراسان میں ظاہر کیا۔
 (۳۸) امام ابو الغرب محمد بن احمد المغربيؒ (المتوفی ۳۳۲ھ) جو الحافظ اور المؤرخ تھے۔ علامہ ذہبیؒ قاضی بیاض
 راہ الفضل بیاض بن یحییٰ المالکیؒ المتوفی ۵۴۴ھ کے حوالے لکھتے ہیں کہ وہ فقہار مالکیہ میں تھے اور حضرت
 امام مالکؒ کے مذہب کے حافظ مہتمی اور عالم تھے (تذکرہ ص ۲۹)۔

(۳۹) امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنیؒ (المتوفی ۳۶۴ھ) جو بڑے فقیہ عالم اور حلیل القدر مناظر تھے امام ابن
 عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ کان مقدما فی مذهب الشافعیؒ (الانتصار مناب طبع مصر) کہ وہ حضرت امام شافعیؒ
 کے مذہب میں پیش پیش اور سربراہ تھے۔

(۴۰) امام ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ البویٹیؒ (المتوفی ۴۳۱ھ) جو عالم اور فقیہ تھے اور حضرت امام شافعیؒ
 کے مقلدین اور اصحاب شوافع میں تھے امام ابن ابی اللیث الحنفی قاضی مصر کی ان سے حقیقت بھی ہوئی اور احمد

اور علوت کی وجہ سے مسئلہ خلقِ قرآن کو اڑ بنا کر انہیں انہوں نے مصر سے بعد از جلاوطن کر دیا تھا اور وہاں قید خانہ میں طویل دیر گئے تھے اور قید خانہ ہی میں ان کی وفات ہوئی (ایضاً) (الانتفاضة ص ۱۹ و ص ۲۰)

(۴) امام عبد الرحمن بن مہدی (المتوفی ۱۹۸ھ) جو الحافظ البکیر والامام العلم (تھے) (تذکرہ ص ۳۰۲) علامہ ابن فرحون فرماتے ہیں کہ

قال ابن المديني كان ابن مهيدي
يذهب الى قول مالك واليباج المذهب (۱۴۸)
امام ابن المديني فرماتے ہیں کہ امام ابن مہدی حضرت امام مالک
کے قول کی طرف جاتے تھے۔

قارئین کرام کتب اسرار الرجال حضرت متکلمین کے ناموں سے بھری پڑی ہیں اگر سب کی چھان بین کی جائے
اور مزید نام درج کیے جائیں تو یقیناً آپ اکتا جائیں گے ہم نے ان واقعات میں امور ذیل کا پورا پورا لحاظ
رکھا ہے تاکہ کوئی بات مبالغہ آمیز نہ ہو اور حقیقت اپنی اصلی شکل میں بالکل عیاں ہو جائے۔

(۱) ہر نام کے ساتھ باحوالہ ضروری اوصاف اور سن وفات ہم نے درج کر دی ہے۔
(۲) ہم نے زیادہ تر علامہ ذہبی کے تذکرہ کے حوالے پیش کیے ہیں ایک تر اس لیے کہ ان کے الفاظ
نہایت ہی مختصر ہیں اور دوسرے اس لیے کہ ان کا ناقد فن رجال ہونا فریقین کو تو کیا حافظ ابن حجر جیسے ماہر
فن امام کو بھی ممکن ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

الذهبي الذي هو من اهل استقرار
التام في نقد اسماء الرجال (شرح خیر الخیر)
علامہ ذہبی وہ بزرگ ہیں جنہیں اسرار الرجال کے
پرکھنے کی مہارت تامہ حاصل ہے۔

(۳) ہم نے حتی الوسع ہر نام کے ساتھ الحافظ الامام اور شیخ الاسلام وغیرہ کے توصیفی القاب بھی نقل کر دیے
ہیں اگر تقلید اور پھر خصوصاً شخصی تقلید بشرک ہے تو یہ حضرات الحافظ الامام اور شیخ الاسلام کیسے بن گئے؟ اور
بڑے بڑے نامی گرامی محدثین کرام نہ صرف یہ کہ ان کی توفیر و تعظیم کرتے ہیں بلکہ ان کی ساری کی رکابیں بھی
تھانتے ہیں۔

(۴) ہم نے یہ سب حوالے چوتھی صدی سے قبل ہی کے درج کیے ہیں تاکہ فریق ثانی اچھی طرح آنکھیں
کھول کر دیکھ لے کہ کیا چوتھی صدی سے قبل تقلید رائج تھی یا نہ؟ اور پھر خصوصاً شخصی تقلید؟ جس کو
وہ شرک و بدعت کہتا ہے۔

(۵) ہم نے بعض ایسے حوالے بھی درج کیے ہیں کہ بعض تقلیدین نے دوسرے حضرات کی تردید میں کتابیں

بھی نکلیں اور ایک دوسرے سے بحث و مباحثہ بھی ہوتا رہا۔ اور دوسرے نظریہ والوں کو جلاوطن بھی کیا گیا اگر تقلید اس وقت نہ تھی تو مقلدین کے ایک فرقہ کو دوسرے کی تردید کی کیا ضرورت پیش آتی تھی؟ اور اس کے خلاف کاروائی کی حاجت کیا تھی؟ الغرض یہ دعویٰ کہ چوتھی صدی سے قبل تقلید نہ تھی سراسر باطل اور یقیناً مر دود ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے ایسے رکیک سببناات سے جائز تقلید پر تو کوئی زونہیں پڑتی مگر غلط بات آخر غلط ہوتی ہے۔

کیا ہوا ہم کو اگر دو چار موجیں چھو گئیں ہم نے بدلہ ہے نہ جانے کتنے طوفانوں کا رخ مشہور اور قدیم مورخ علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق بن ندیم (المتوفی ۳۸۵ھ) اپنی کتاب الفہرست طبع مصر میں از ۲۹۸ تا ۳۰۸ میں ان حضرات فقہاء کرام کا تذکرہ کرتے ہیں جو فقہ میں حضرت امام ابو حنیفہ کے مقلد اور پیرو تھے اور ان کی تعداد انہوں نے تقریباً تین سٹس بیان کی ہے جن میں حضرت امام ابو یوسف امام محمد بن الحسن امام ابو الولید بشر بن الولید امام زفر بن النذیل امام محمد بن ساعدہ امام ابوسلمان الجوزجانی امام احمد بن عمر الخشاف امام طحاوی امام ابوالحسن عبید اللہ بن الحسن الکوفی اور امام ابو جعفر احمد بن علی الرازی وغیرہم شامل ہیں۔ اور پھر از ۳۰۸ تا ۳۱۷ میں حضرت امام شافعی کے مقلدین کا ذکر کرتے ہیں اور تقریباً چونتیس حضرات کا نام ذکر کرتے ہیں جن میں خصوصیت سے امام الربیع بن سلیمان المرادی امام ابو ثور ابراہیم بن خالد امام یوسف بن یحییٰ البوطی امام ابو ابراہیم اسماعیل بن ابراہیم المزنی امام ابو اسحاق ابراہیم بن احمد المرزئی امام ابوالعباس احمد بن عمر بن سرج اور امام ابوسعید الاصطخری وغیرہم قابل ذکر ہیں اور ۲۶۷ تا ۲۹۸ میں حضرت امام مالک کے مقلدین کا ذکر ہے جو تقریباً پچیس ہیں جن میں امام عبداللہ بن وہب امام عبداللہ بن عبدالحکم المصري امام معن بن عیسیٰ التمری امام اسماعیل بن اسحاق القاضی امام ابو الفرج عمر بن محمد المالکی اور امام ابو جعفر محمد بن عبداللہ لاہری وغیرہم زیادہ مشہور ہیں۔ اور ۳۲۲ میں حضرت امام احمد بن حنبل کا اور ان کی کتابوں کا تذکرہ کرنے کے بعد امام الاثرم احمد بن محمد امام احمد بن محمد بن الجراح اور امام اسحاق بن راہویہ کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے کہ یہ سب حنبلی تھے (۳۲۵) اور یہ تمام حضرات چوتھی صدی سے قبل کے مقلد ہیں اس لیے کہ مصنف کی وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی اور تصنیف کا سن ۳۷۷ھ ہے امام ابن عبدالبر المالکی نے اپنی کتاب الاستقار میں چوتھی صدی سے قبل کے مالکیوں شافعیوں کی خاصی اور بعض حنفیوں کی نام بنام فہرست دی ہے۔ شوق ہو تو ملاحظہ کر لیں۔ اہل مصر کی تقلید و مقتدا سے اہل السنن والجماعت حضرت امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی ہے۔

اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ

اهل مصر كانوا مالكية فلما

قدم الشافعي مصر تحولوا الشافعية

(الجنة في الاسرة الحنة بالنسبة ۵۵)

اہل مصر پہلے حضرت امام مالکؒ کے مقلد تھے اور پھر جب
حضرت امام شافعیؒ مصر گئے تو وہ لوگ شافعی المذہب ہو گئے۔

اگر چوتھی صدی سے قبل تقلید راجع نہ تھی تو مصر میں یہ مالکی کہاں سے پیدا ہو گئے تھے؟ اور پھر حضرت
امام شافعیؒ کے مصر تشریف لے جانے کے بعد یہ لوگ شافعی کیسے بن گئے تھے؟ اور حیرت ہے کہ بات
بھی صرف ایک دو افراد کی نہیں ہو رہی بلکہ عام اہل مصر کی ہو رہی ہے فریق ثانی کو کچھ تو غور و انصاف کرنا
چاہیے کہ وہ کیا کہتا ہے۔

جہاں میں عام ہے میرے اہل کی دلت لیکن وہ مجھ سے سُن نہیں سکتے ہیں ان سے کہہ نہیں سکتا

امام خطیب بغدادیؒ اور علامہ قزلباشیؒ لکھتے ہیں کہ۔ امام محمدؒ
بن جریر الطبریؒ (المتوفی ۳۲۰ھ) جو الام العلم الضرر

المحافظ تھے۔ پہلے چند سال بغداد میں حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کے مبلغ تھے اس کے بعد انہوں نے
اجتہاد مطلق کا درجہ حاصل کر لیا۔

وكانت الحنابلة تمنع من الدخول
عليه (إلى قوله) وقد ظلمته الحنابلة
اور حنبلی مسلک والے عام لوگوں کو ان کے پاس جانے سے
منع کرتے تھے۔ اور حنبلیوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔

(تاریخ بغداد ص ۱۶۳ تا ذکر ص ۲۵۲)

اگر چوتھی صدی سے قبل تقلید راجع نہ تھی تو امام ابن جریرؒ کو پہلے بغداد میں حضرت امام شافعیؒ کے مذہب
پھیلانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور پھر یہ حنبلی کہاں سے آگئے تھے جنہوں نے امام ابن جریرؒ پر
ظلم کیا اور لوگوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا؟

امام عز الدین ابوالحسن علیؒ ابن اثیرؒ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ ۲۲۳ھ میں خابلیہ نے خلافت
شرع باتوں پر احتساب شروع کر دیا جہاں نیند نظر آتی اُسے بہادیتے گانے والی عورتوں کو مار تے
آلات موسیقی کو ٹرڑ ڈالتے مردوں کو عورتوں کے ساتھ چلنے سے روکتے حکومت کی طرف سے
ان پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیا گیا کہ شارع عام پر ایک ساتھ دو حنبلی جمع نہیں ہو سکتے اس سے خابلیہ کا جوش

بڑھ گیا جو شافعی نظر آتا ہے پڑا ہوتا ہے اس سے بہتے شوافع کی جانب سے ضائع ہوئیں (ابن اثیر ص ۹۸ بحوالہ تاریخ اسلام ص ۴۱۵) اگرچہ چوتھی صدی سے پہلے عقیدہ حق تعالیٰ اور شافعی ایک دوسرے کے خلاف استقامتی جذبہ سے پیش آنے والے کہاں سے نازل ہو گئے تھے؟ اور ایک دوسرے کو دیکھ کر کون قابو ہو کر ملہ بول دیتے تھے مگر نہ

حضورِ یار بھی آنسو نکل ہی آتے ہیں کچھ اختلاف کے پہلو نکل ہی آتے ہیں

۲۲۸ء میں جب خلیفہ واثق باللہ العباسی نے سکندری کا حال دریافت کئے

گھر کی وزنی شہادت کے لیے کچھ لوگ بھیجے تو انہوں نے وہاں کے لوگوں کو حنفی المذہب پایا چنانچہ

نواب صدیق حسن خان صاحب بحوالہ مسالک الممالک لکھتے ہیں کہ

محققان سد کہ دریاں جا بودند ہمہ دین اسلام
داشتند و مذہب حنفی و زبان عربی و فارسی
میگفتند اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند
سد سکندری کے محافظ (باشندے) بھی مسلمان اور
حنفی المذہب تھے اور عربی و فارسی زبان بولتے تھے مگر
سلطنت عباسیہ سے بے خبر تھے۔

(ریاض المراض ص ۲۱۶ - بحوالہ غیر التفتیہ ص ۲۱۶)

اگرچہ چوتھی صدی سے قبل تقلید شافعی کا وجود نہ تھا تو شمالی علاقہ میں سکندری کے پاس بسنے والے
یہ حنفی المسک کہاں سے آگئے تھے؟ اور بڑی حیرانی کی بات ہے کہ اس دور میں تمام اسلامی علاقوں میں
ایک ہی خلیفہ ہوتا تھا۔ جو اس وقت عباسی تھا اور سکندری کے پاس بسنے والے لوگ اسلام اور مذہب
حنفی کے تو دلدادہ تھے لیکن سلطنت عباسیہ سے شناسنا نہ تھے۔

فاریں کریم خود فیصلہ کریں کہ چوتھی صدی سے قبل تقلید حق تعالیٰ یا نہ اور یہ غلط رائے قائم کرنے میں قصور کس
کا ہے؟

شوے ہمارے سارے غلط بھی سہی مگر تو تم ہی اب بناؤ کس کا قصور تھا

نواب صاحب انصاف کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ

فتا ابن شریح فاسس قواعد التقليد
والان قال، ولذا لا یجد من المجددین
علی رأس الماتین (الجنة ص ۲۹)

امام ابن شریح نے ہمت کی اور قواعد تقلید کی بنیاد
رکھی (پھر فرمایا کہ) اسی لیے وہ دوسری صدی کے مجددین
میں شمار ہوتے ہیں۔

اگر چوتھی صدی سے پہلے تقلید تھی تو دوسری صدی کے مجدد کو قواعد اور ضوابط تقلید مرتب کرنے کی کیا مصیبت پڑی تھی؟ اور پھر وہ یہ کاروائی کرنے کی وجہ سے مجدد کیسے بن گئے؟ جب کہ تقلید ہی ہے تو وہاں کیا شرک اور بدعت اور ناروا کام کہ نئے والا بھی اسلام میں مجدد کو کھلا سکتا ہے؟ شاید کہ ع

رکھ لیا ہے نام اس کا آسمان تحریریں

یہ بات سابق بحث سے بالکل عیاں ہو گئی کہ چوتھی صدی سے قبل نہ صرف یہ کہ تقلید ہوتی تھی بلکہ بکثرت رائج تھی لہذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی حجتہ اللہ البالغہ کی عبارت کو چوتھی صدی سے قبل تقلید کی نفی کے سلسلہ میں پیش کرنا قطعاً غلط اور سراسر باطل ہے۔ اور خود ان کی اپنی عبارت کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

وبعد الماتین ظہر فیہم المذہب
للمجتہدین باعیا فیہم وقل من کان
لا یعتمد علی مذہب مجتہد فینہم
وکان ہذا هو الواجب فی ذلک الزمان
(انصاف مع ترجمہ اردو کثافت ص ۵۹)

دوسری صدی کے بعد لوگوں میں معین مجتہدین کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور اُس وقت ایسے لوگ بہت ہی کم تھے جو معین مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس وقت مذہب معین کی پابندی ہی واجب تھی۔

حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت میں یہ امور بالکل واضح ہیں۔

(۱) دوسری صدی کے بعد معین مذہب کی تقلید (شخصی) رائج ہو چکی تھی۔

(۲) اُس دور میں ایسے آدمی بہت ہی کم تھے جو معین مذہبی پر اعتماد نہ کرتے ہوں۔

(۳) اور یہ معین اور شخصی تقلید اُس وقت نہ صرف یہ کہ رائج اور چالوسی تھی بلکہ واجب بھی تھی۔

اندریں حالات حجتہ اللہ البالغہ کا وہ سرسری مطلب مراد لینا جو فریق ثانی پیش کرتا ہے ایک بہت بڑے فقیہ محدث اور متکلم کے کلام میں کھلا تعارض اور تضاد ثابت کرتا ہے مگر یہ ڈر بھی ہے کہ فریق ثانی کہیں حضرت شاہ صاحب ہی پر زبردس پڑے کہ تقلید شخصی کو واجب کہہ کر (معاذ اللہ تعالیٰ) وہ بھی مشرکین کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ لیکن

ڈیسے کیوں میرا قاتل کیا ہے گا اسکی گردن پر وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر لیوں دم یم مٹلے

حجتہ اللہ البالغہ کی عبارت کا مطلب | حجتہ اللہ البالغہ کی عبارت پر غور کرنا قارئین کرام کا کام ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں تین جملے قابل غور ہیں (۱) غیر مجتہدین (۲) تقلید خالص (۳) مذہب واحد بعینہ اور اس کے ساتھ مزید یہ کڑی بھی ملا لیں کہ حضرت شاہ صاحب ہی فرماتے ہیں کہ

واعلم ان الناس كانوا في المسألة الاولى والثانية غايين مجتہدين على التقليد ولمذهب واحد بعينہ (انصاف ص ۵۷)

تم جان لو کہ لوگ پہلی اور دوسری صدی میں کسی معین مذہب کی تقلید پر مجتمع نہ تھے۔

اس عبارت میں پہلی اور دوسری صدی کا صراحتاً ذکر ہے اور اس کا ذکر بھی ہے کہ ان صدیوں میں مذہب خاص کی تقلید پر اجتماعیت نہ تھی یعنی گو تقلید ہوتی تھی لیکن متفرق تھی اور متعدد حضرات ائمہ کرام کی ہوتی تھی اور اس وقت ان میں علمی قابلیت بھی عروج پر تھی اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے کہ وہ تقلید بھی کرتے تھے اور خود بھی مسائل کو دلائل سے اخذ کرنے کی استطاعت رکھتے تھے اور بعد کے لوگوں میں علمی کمزوری پیدا ہو گئی اور تقلید خالص ضرورں پر ہو گئی اور تقلید کا عام رجحان ہو گیا یہ نہیں کہ پہلے تقلید نہ تھی۔ چنانچہ مشہور غیر متعلقہ عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب لکھتے ہیں کہ۔ چوتھی صدی کے بعد تقلید کا رجحان عام ہو گیا ائمہ کرام کی علمی اور اجتہادی کوششیں اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئیں (پیش لفظ معیار الحق ص ۱)

مطلب بالکل واضح ہے کہ چوتھی صدی سے قبل پہلی اور دوسری صدی میں بھی فی الجملہ تقلید رائج تھی۔ لیکن تقلید خاص کا رجحان اور اجتماعیت نہ تھی کیونکہ کسی اہم کی تقلید کرتا اور کوئی کسی کی اور کوئی نہ بھی کرتا۔ اور چوتھی صدی سے قبل حضرات ائمہ اربعہ کے علاوہ اور حضرات ائمہ کرام کی تقلید بھی ہوتی رہی لیکن بعد کو ان کی تقلید متروک ہو گئی اور اکثر امت کا اتفاق حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید پر ہو گیا اور انہیں کی تقلید متروک بل اعتبار ہوئی الحاصل کتب اسرار الرجال کے صریح اور محکم حوالوں کی روشنی میں اور خود حضرت شاہ صاحب کی انصاف کی عبارت کی روشنی میں حجۃ اللہ الباقیہ کی عبارت کا مطلب واضح ہے کہ چوتھی صدی سے قبل بھی تقلید تھی مگر اس میں اجتماعیت نہ تھی حضرات ائمہ اربعہ کے علاوہ اور حضرات ائمہ کرام کی تقلید بھی باقاعدہ ہوتی تھی اور تقلید بجھری ہوئی تھی اور چوتھی صدی کے بعد تشکیک رخص ہو گیا اور اجتماعیت پیدا ہو گئی اور تاریخی ٹھوس حوالے اس کا واضح ثبوت ہے۔

۱۔ اندازہ یہاں گہرہ بہت سطح نہیں ہے۔
 ۲۔ شاہد کہ ائمہ جائزے تیرے دل میں میری بات
 ۳۔ دوسرے حضرات ائمہ کرام کی تقلید | چوتھی صدی سے قبل حضرات ائمہ اربعہ کے علاوہ اور حضرات ائمہ کرام

کی تقلید بھی ہوتی تھی مگر بعد کو بند ہو گئی کیونکہ ان کی کُتب اور فقہ کی تردید نہ ہو سکی۔ ملاحظہ کریں۔

(۱) امام جیم بن عبد الرحمن المتوفی ۲۴۵ھ (جن کو علامہ ذہبی الحافظ الفقیہ البکیر کہتے ہیں حضرت امام افزاعی المتوفی ۱۵۷ھ جو شیخ الاسلام اور الحافظ تھے کے مقلد تھے (تذکرہ ص ۵۸)۔

(۲) امام علی بن احمد (المتوفی ۲۵۱ھ) جو الامام اور الفقیہ تھے حضرت امام ابن خزمیہ (ابو بکر محمد بن اسحاق جو الحافظ البکیر امام الامتہ شیخ الاسلام تھے المتوفی ۳۱۱ھ تذکرہ ص ۲۵۹) کے مقلد تھے (تذکرہ ص ۵۹)۔

(۳) امام معانی بن زکریا (المتوفی ۳۹۰ھ) جو الحافظ العلانیہ تھے امام ابن جریر طبری کے مقلد تھے (تذکرہ ص ۳۲)۔

(۴) امام الحسن بن سفیان (المتوفی ۳۰۳ھ) جو الحافظ الامام اور شیخ خراسان تھے حضرت امام ابو ثور (ابراہیم بن خالد المتوفی ۲۴۰ھ) جو الامام المجتہد الحافظ تھے تذکرہ ص ۸۷ کے مقلد تھے (ایضاً ص ۲۴۲)۔ یہ مثالیں موجود ہیں کہ چوتھی صدی کے قبل بعض دیگر حضرات ائمہ کرام کی تقلید بھی ہوتی رہی تھی لیکن بعد کو ترک ہو گئی علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی (المتوفی ۵۷۸ھ) فرماتے ہیں کہ۔ اہل اندلس اور اہل شام عرصہ دراز تک امام افزاعی کے مقلد تھے۔

ثم فنى العارفون منه وبقى منه ما يوجب في كتب الخلاف - (تذکرہ ص ۱۶۲) پھر ان کے جاننے والے مٹ گئے اور کُتب خلافت میں صرف ان کا نام ہی باقی رہ گیا۔

ظاہرات ہے کہ جب مذہب کو ماننے والے ہی نہ رہیں تو مذہب کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ امام یحییٰ بن عبد اللہ بن ابراہیم بن علی المائلی (المتوفی ۴۹۹ھ) حضرات ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کرام کا اور ان کے مقلدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وطلب مذهب الاوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ علی الشام وعلی حنیفۃ الامتہ لس الی ان طلب علیہا مذهب مالک بعد المائتین فانقطع واما مذهب الحسن والثوری فلم یكثر اتباعهما ولم یطبل تقلیدهما وانقطع مذهبہما عن قریب الی ان قال واما اصحاب الطبری والی ثوری فلم یكثر ولا طالت مدتهم وانقطع

کہ شام اور جزیرہ اندلس میں حضرت امام افزاعی کا مذہب غالب تھا اور در صدیوں کے بعد ان کا مذہب ختم ہو گیا۔ اور وہابی حضرت امام مالک کا مذہب غالب ہو گیا اور امام حسن بصری اور امام سفیان ثوری کے پیروکار زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا بلکہ جلد ہی ان کا مذہب ختم ہو گیا (دیکھئے فرمایا) باقی ہے امام طبری اور امام ابو ثور کے مقلد تو یہ بھی زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا اور امام ابو ثور کے مقلد تیسری صدی کے

اتباع الی ثور بعد ثلاثاً واتباع
الطبری بعد اربعاً واما داؤد
فکثر اتباعه وانتشر ببلاد
بعداد وبلاد فارس مذهبہ
وقال بہ قوم قليل باقریقیتہ
والاندلس وضعف الآن فہؤلاء الذین
وقع اجماع الناس علی تقلیدہم مع
الاختلاف فی اعیانہم واتفق
العلماء علی اتباعہم وازقتارہم بذہبہم
ودرس کتبہم والتفقہ علی ماخذہم
والبناء علی ماخذہم والنباء علی
قواعدہم والتفریع علی اصولہم
دون غیرہم لمن تقدمہم
او عاصرہم للعلل التی ذکرناھا
وصار الناس الیوم فی اقطار الارض
علی خمسہ مذاہب مالکیہ
وحنبلیہ وشافعیہ وحنفیہ
وداؤدیہ وهم المعروفون بالظاہر علیہ

(الدیلمی المذہب ص ۱۳)

بعد اور امام طبری کے پیروکار چوتھی صدی کے فجر ستم
ہو گئے اور امام داؤد ظاہری کے اتباع تیار ہو گئے اور
بعداد اور فارس کے شہروں میں ان کا مذہب پھیلا اور
افریقہ اور اندلس میں کچھ عورتوں سے لوگ بھی ان کے
مسک پر تھے اور اب وہاں بھی یہ مذہب کمزور ہو گیا ہے
پس یہ وہ حضرات ائمہ کرام ہیں کہ باوجود ان کی شخصیتوں
میں اختلاف کے لوگوں کا ان کی تقلید پر اب اجماع ہے
اور سب علماء کا اتفاق ہے کہ ان کی پیروی اور ان کے
مذہب کی اقتدار کی جائے اور ان کی کتابیں پڑھی پڑھائی
جائیں اور ان کے دلائل پر فقہ کی بنیاد رکھی جائے اور ان
کے قواعد کو مبنی قرار دیا جائے اور صرف انہیں کے اصول
پر تقریبات کی جائیں نہ کہ دوسروں کے اصول پر دوسرے
خواہ ان سے پہلے ہوں یا ان کے معاصر ہوں۔ ان اباب
کی وجہ سے جن کا ذکر ہم نے کر دیا ہے اور اب تو تمام
اطراف عالم میں پانچ ہی مذہب ہیں مالکی حنبلی شافعی
حنفی اور داؤدی جو ظاہری مشہور ہیں۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ باقی حضرات ائمہ کرام کی نہ تو کتب باقی رہیں نہ مقلد ہے اس لیے
ان کی تقلید کو فروغ حاصل نہ ہو سکا بخلاف ان پانچ مذہب کے جن کا تذکرہ ہوا کہ دنیا کے بیشتر علاقوں
میں یہی پائے جاتے ہیں اور لوگ انہیں کے پیرو ہیں اور جن جن ملکوں اور علاقوں میں وہ پائے جاتے
ہیں ان کا بھی انہوں نے قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو الیسا ج المذہب ص ۱۳ و ص ۱۴) گوانچی

تحقیق میں اہل الظاہر موجود تھے لیکن علامہ ابن خلدون کی تحقیق سے وہ بھی مٹ گئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ
ثم درس مذهب اهل الظاهر اليوم
بدروس ائمتنا (مقدمہ ص ۴۹)
اب اہل الظاہر کا مذہب باقی نہیں رہا اس لیے کہ
اس مذہب کے ائمہ مٹ گئے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم الوزير الیافانی (المتوفی ۶۰۰ھ) مقلدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
لان الاحاطة باعمال المقلدين متعذرة
مع انتشارهم في اقطار الاسلام
شوقاً وغرباً وشاماً وميماً
کہ وہ تمام اسلامی ممالک میں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

(الروض الباسم في الذب عن سنة ابي القاسم صلى الله تعالى عليه وسلم ص ۱۱)

اس عبارت سے مقلدین کی کثرت اور کل جہاں میں پھیلاؤ روز روشن کی طرح واضح ہے۔
غیر مقلدین حضرات قیاس کو رد کرتے کے لیے وہی حربہ استعمال اور اختیار کرتے ہیں جو امام داؤد
بن علی الظاہری (المتوفی ۲۴۰ھ) جو حافظ الفقیہ المجتہد و فقیہ اہل الظاہر تھے تذکرہ ص ۱۳۶ نے اختیار کیا ہے
اور وہی پینے شخص ہیں جنہوں نے قیاس کو رد کیا ہے۔ (الریبان المذہب ص ۱۲) اور امام سبکی جمہور کا یہ قول
نقل کرتے ہیں کہ۔

لغة القياس لا يبلغون رتبة
الاجتهاد ولا يجوز تقليدهم
القضاء الخ (طبقات الشافعية الكبرى ص ۲۵)
قیاس کی نفی کرنے والے اجتہاد کے درجہ کو نہیں پہنچ
سکتے اور قضاء کا عمدہ بھی ان کے سپرد کرنا جائز نہیں
ہے۔

اور نیز فرماتے ہیں کہ ہم نے اصولی اور فروعی احکام میں متعدد مقامات میں یہ بات دہرائی ہے کہ
اہل الظاہر علماء شریعت میں سے نہیں ہیں ہاں صرف ناقل ہیں اگر ثقہ ہوں (ایضاً) غیر مقلدین حضرات ان کی
تقلید کی حامی نہیں بھرتے اور نہ ان کی تقلید کا اقرار کرتے ہیں اس لیے مقلدین کے صرف چار ہی طبقے باقی رہ جاتے
جو غیر مخصوص احکام میں تقلید کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں۔

ناگواری
ممکن ہے بعض حضرات کو امام سبکی کا یہ قول ناگوار لگے کہ اہل الظاہر علماء شریعت میں سے نہیں
ہیں لیکن ان کی بات بالکل صحیح ہے اولاً اس لیے کہ جمہور اہل اسلام کا ساتھ چھوڑ کر اور ان کی
مخالفت کر کے کوئی شخص علماء شریعت کا فرد کیسے بن سکتا ہے؟ وثانیاً اگر ایسا شخص قاضی بن جائے، تو

پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں اسلام اور شریعت کا عالمگیر ہونا کیسے ثابت کر سکے گا؟ کیونکہ ظاہر امر ہے کہ تمام پیش آمدہ مسائل اور سب جہزیات قرآن و حدیث میں صراحتہً تو مذکور نہیں ہیں پھر قیاس سے مخلص ہی کیا ہے؟ وثائق مسائل اور احکام کے اثبات کے لیے شریعت میں چار ذیلیں اور اصول میں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کو قیاس درحقیقت منظر ہے مثبت نہیں لیکن اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے تو اس اصل من اصول الشریعہ کو نہ جانتے اور نہ مانتے والا علماء شریعت میں سے کیسے ہو سکتا ہے؟

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

وذهب الجمهور من الصحابة والتابعين
والفقهاء والملتکمين الى ان القياس الشرعي
اصل من اصول الشريعة يستدل
بہ علی الاحکام التي يرد بها
السمع وليس فيها نص ولا اجماع
قال ابن عبد البر لا خلاف بين
فقهائ الامصار وسائر اهل السنة
في نفی القياس في التوحيد واشباته
في الاحکام الا داود فانه نفاه
فيهما جميعاً انتهى (المنهاج ص ۱۷۸)

جمہور حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ فقہاء اور متکلمین اس
طرف گئے ہیں کہ شرعی قیاس اصول شریعت میں سے
ایک اصل ہے احکام سمعی میں درجہ محض عقلی نہیں جب
کہ ان کے اثبات کے لیے نص اور اجماع نہ ہو قیاس
شرعی سے استدلال کیا جاسکتا ہے اہم ابن عبد البر فرماتے
ہیں کہ (اسلامی) شروئ کے حضرات فقہاء کرامؓ اور متکلم
اہل سنت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید
(و عقائد) میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہاں احکام کا اثبات
قیاس سے ہو سکتا ہے اہم داؤد دونوں میں قیاس
کی ایک ساتھ نفی کرتے ہیں۔

اور نواب صاحبؒ ہی لکھتے ہیں کہ

و خلاف در قیاس شرعی است جمهور از
صحابہ و تابعین و فقہاء و متکلمین بآن رفتہ
کہ اصلی از اصول شریعت است استدلال بیز
بدان بر احکام وارده بسمع و ظاہرہ انکارش کردہ
اندھ (انوار الیون ص ۱۷۸)

قیاس شرعی میں اختلاف ہے جمہور حضرات صحابہ کرامؓ و
تابعینؓ فقہاء اور متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ قیاس
شریعت کے اصول میں سے ایک اصل ہے احکام سمعیہ
میں اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے اور اہل ظاہر نے
قیاس کی حیثیت کا انکار کیا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جب قیاس اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے تو اس کو نہ جانتے اور

نہ ماننے والا علماء شریعت میں شامل نہیں ہو سکتا اور اُدھورے عالم کو محمدؐ قضا پر کرنا خطرہ ایمان سے خالی نہیں ہے کما لا یخفی علیہ لوگوں کے لیے تو بس یہی کہا جاسکتا ہے۔

وہا یہ ہے رہ منزل سے آتش ٹھکیں یہ رہنا جو ابھی کارواں میں آئے ہیں

اس وقت دُنیا میں تقریباً ایک ارب سے زیادہ مسلمان بیان کیے جاتے ہیں اور ان میں اکثریت مقلدین کی ہے اور ان میں سے بھی

اسلامی ممالک اور باقی ملکوں میں مقلدین

علی الخصوص خفیوں کی اکثریت ہے اور پہلے بھی تھی۔ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النہر و بلاد الجحیم کما دعیم کے سب شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں (مقدمہ ص ۴۸) اور مؤرخ دوران۔ امیر البیان علامہ شکیب ارسلانؒ (المتوفی ۱۳۶۶ھ) فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی پیرو اور مقلد ہے یعنی سائے ترک اور بلقان کے مسلمان روس اور افغانستان کے مسلمان چین کے مسلمان ہندوستان اور عرب کے اکثر مسلمان شام و عراق کے اکثر مسلمان فقہ میں حنفی مسلک رکھتے ہیں۔ اور سورہ (شام) کے بعض اور حجاز، یمن، حبشہ، اجاوا، انڈونیشیا اور کردستان کے مسلمان حضرت امام شافعیؒ کے مقلد ہیں اور مغرب کے مسلمان مغربی اور وسط افریقہ کے مسلمان اور مصر کے کچھ لوگ حضرت امام مالکؒ کے مقلد ہیں اور عرب کے بعض مسلمان اور شام کے بعض باشندے جیسے نابلس اور دومہ کے رہنے والے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں (حاشیہ حسن الماسی ص ۶۹)

اور بفضلہ تعالیٰ تفصیل سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ چوتھی صدی کے بعد حضرت ائمہ اربعہؒ کے مذاہب اور ان کی کتابوں کی ہی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت ہوتی رہی اور لوگوں کی نظریں صرف انہیں کی طرف اٹھنے لگیں اور بیشش آدمہ مسائل میں ضرورتیں بھی انہیں سے اور ان میں سے بھی علی الخصوص فقہ حنفی سے پوری ہوئے گئے بقیہ مذاہب یا تو سرسبز سے مٹ گئے اور یا کجیاب اور مرجوح ہو کر رہ گئے اب بقول امام النعمہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ

فی الاخذ بہذہ المذاہب الاربعۃ
مصلحتہ عظیمۃ و فی الاعراض عنہا
مفسدہ کبیرۃ الخ (عقۃ الجیدہ ص ۳۶)

ان چاروں مذاہب کو لینے میں بڑی مصلحت اور ان سے اعراض کرنے میں بڑا فائدہ اور غرابی ہے۔

اور ہندوستان وغیرہ ان علاقوں میں جہاں دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کی فقہ اور کتابیں رائج نہیں ہیں

اور اُن کی تعلیم و تدریس نہیں ہوتی تو بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے ان علقوں میں جاہل انسان کے لیے حضرت امام
الوصیفہؒ کی تقلید واجب اور اس سے نکلنا حرام ہے۔

فان كان الانسان جاهلاً في بلاد الهند
الى قوله وجب عليه ان يقتل بمذهب
الحنيفة ويحرم عليه الخروج
من مذهب ال (الاصناف متح)

جب کوئی انسان ہندوستان (وغیرہ علقوں) میں جاہل
ہو (اگے فرمایا) تو اس کے لیے واجب ہے کہ حضرت
امام الوصیفہؒ کے مذہب کی تقلید کرے اور اس کے لیے
اس سے نکلنا حرام ہے۔

الحاصل حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجتہ اللہ الباقیہ کی عبارت سے چوتھی صدی سے قبل تقلید
کی نفی پر اور اسی طرح ان کی کسی اور عبارت سے یا ان کے ابناء کرام کی کسی عبارت سے غیر منصوص احکام
میں مشروع تقلید کی نفی اور تردید پر استدلال کہ ناقطاً باطل اور سرسمر مردود ہے۔ یہ حضرات خود بھی مقلد
تھے اور تقلید کے داعی بھی لہذا ترک تقلید پر ان سے استدلال و احتجاج کرنا بالکل بے سود ہے۔
پچھڑتا تھا ترک کوئی شکوہ بے جا کرتے

بجاء اللہ تعالیٰ ہم صریح اور خطوں حوالوں سے یہ بات بیان کر آئے ہیں کہ چوتھی صدی سے
تقلید کا تسلسل
پہلے بھی تقلید رائج تھی اور پہلی اور دوسری صدی میں تقلید کے ثبوت کا اقرار مہم
حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالہ سے عرض کر چکے ہیں۔ اب یہ عرض کرنا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ
کے زمانہ سے لے کر چوتھی صدی تک متواتر اور مسلسل تقلید ہوتی رہی اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا چنانچہ
حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

لان الناس لم يزلوا من زمن الصحابة
الى ان ظهرت المذاهب الاربعة
يفضلون من اتفق من العلماء من غير
نكير يعتبر انكاره ولو كان ذلك باطلاً
لانكره الخ (مختار الحیۃ ص ۲۹)

حضرت صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے لے کر مذہب اربعہ
کے طور تک لوگ علماء کرام میں سے جس کا بھی اتفاق ہوتا
ب برابر تقلید کرتے رہے اور بغیر کسی قابل اعتبار انکار کے یہ
کاروائی ہوتی رہی اگر تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات ضرور
اس کا انکار کرتے۔

غور فرمائیے کہ حضرت شاہ صاحبؒ حضرات صحابہ کرامؓ کے بابرکت دور سے لے کر مذہب اربعہ کے
ظہور تک کس طرح تسلسل اور تواتر کے ساتھ (لم یزلوا کے الفاظ سے) تقلید کا ثبوت پیش کر رہے ہیں اس

کام صاف طور پر مطلب یہ ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے عہد مبارک سے تسلسل کے ساتھ بلا ٹکیر آج تک برابر تقلید ہوتی رہی اور تقلید سے کوئی مخلص نہیں اور یہ بالکل جائز ہے۔ ع۔
زبان خلق کو لغتِ خدا کچھ

علامہ ابن خلدون کا یہ حوالہ ووقف التقلید فی الامصار عند حوالہ الاربعۃ الا
مذہب اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ ان هذه المذاهب
الاربعة المدونة المحترمة پہلے بیان ہو چکا ہے المدونہ اور المحترمة کے الفاظ میں حضرت
شاہ صاحب نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے کہ مذاہب اربعہ کی کتابیں ابواباً و فصولاً مدون اور مرتب
ہیں اور افادہ عام کے لیے مسائل اور جزئیات خاصی تفصیل کے ساتھ ان میں درج ہیں اور انہی مذاہب اربعہ کی
کتاب کی عموماً تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت ہوتی رہی ہے۔ اور انہی کتب سے لوگوں کی دینی طور پر پیش آمد
مسائل میں ضروریات پوری ہوتی ہیں اور بقیہ مذاہب کو فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ جیسا کہ علامہ ابن خلدون کے حوالہ سے یہ
بات گذر چکی ہے کہ اب تقلید انہی مذاہب میں منحصر ہے اور محققین کے نزدیک اگرچہ پیش آمد مسائل میں فی الجملہ اجتہاد اقامت باقی
ریگا لیکن اجتہاد مطلق حضرت امام محمد بن خاتم ہو چکا ہے اور یہ ترتیب کسی اور کو نزل کا اور نزل کا ہے ع۔ یہ تبرہ مندرجہ ماحول گیا۔

فریق ثانی کے شیخ اسکل کہتے ہیں کہ۔ اور ایک ان میں شیخ عزیز الدین بن عبد السلام ہیں اور ایک
ابن دقین العید ہیں کہ یہ دونوں صاحب بھی مرتبہ اجتہاد مطلق کو پہنچ گئے تھے چنانچہ فاضل حبیب اللہ
قد صارتی معتقہ الحصول میں فرماتے ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ کوئی دو آدمی اس میں خلاف نہ کریں گے کہ
ابن عبد السلام اور ابن دقین العید دونوں مرتبہ اجتہاد کو پہنچے تھے (المعیار الحق ص ۵۸)

المجواب۔ ان دونوں بزرگوں کو وجہ اجتہاد مطلق تک پہنچانا درست نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ علامہ ذہبی نے
پرجانب میاں صاحب نے کلی اعتماد کیا ہے دیکھئے معیار الحق ص ۲۷، علامہ ذہبی کے بارے فرماتے ہیں جن کی جلالت
شان اور علو مکان سے سب علماء ادنیٰ اور اعلیٰ واقف ہیں (الخ) امام ابن دقین العید کو اشغلی الماکی لکھتے ہیں
(تذکرہ ص ۲۵۶) اور شیخ عزیز الدین ابن عبد السلام (المتوفی ۶۶۰ھ) کو امام سبکی نے طبقات الشافعیہ
میں شامل کیا ہے (ملاحظہ ہو طبقات ص ۱۰۸) اور قاہرہ میں مدرسہ صابغیہ میں بادشاہ نجم الدین الیوب بن کلال نے
انہیں تدریس سپرد کی تھی۔ و فوض تدریس الشافعیۃ بہما الی الشیخ عزالدین قباشوہ (الخ)
(طبقات ص ۱۰۸) اور فقہ شافعی کی تدریس ان کے سپرد کی تھی جو پڑھاتے تھے۔ و شایب جانب میاں صاحب

کا دعویٰ اجتہاد مطلق کا ہے اور اپنے استدلال میں جو حوالہ انہوں نے فاضل فقہ حارثی کا پیش کیا ہے اس میں صرف اجتہاد کا ذکر ہے مطلق کا کوئی لفظ اس میں موجود نہیں ہے لہذا تقریب نام نہیں اور فی الجملہ اجتہاد کا ہمیں انکار نہیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ الغرض وہ مجتہد مطلق نہ تھے۔ اپنی مذاہب اربعہ کو شرف قبولیت حاصل ہوا اور صرف انہی کی پذیرائی ہوئی اور رد و قبول لا مدار انہی پر رہا اور اختلاف کا دروازہ بند کرنے کے لیے علمائے بہتری اور کامیابی اپنی مذاہب اربعہ میں کبھی اور باقی حضرات کی تقلید مسترد ہو گئی اور اب تقلید اپنی مذاہب اربعہ میں بند ہو گئی اور یہ وجہ ترجیح ان کے ہاں واضح ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ بے شک امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں حضرات سلف پر اعتماد ضروری ہے حضرات تابعین نے حضرات صحابہ کرام پر اعتماد کیا اور حضرات تبع تابعین نے حضرات تابعین پر اعتماد کیا اور اسی طرح ہر دور کے علماء نے اپنے زمانہ سے ماقبل دور کے علماء پر اعتماد کیا اور عقل بھی اس کی خوبی پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ شریعت صرف نقل اور استنباط سے ہی معلوم کی جا سکتی ہے اور نقل اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک کہ بعد کو آنے والا ہر طبقہ ماقبل کے حضرات سے اتصال کے ساتھ شریعت حاصل نہ کرے۔ اور جب حضرات سلف کے اقوال پر اعتماد کرنا مستحکم ہو گیا تو ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا گیا ہو صحیح اسانید سے مروی ہوں اور حدیث فی المکتب المشہورہ ہوں۔ یا اگر ان کی اسانید متصل نہ ہوں تو ان کے اقوال مشہور کتابوں میں مدون اور درج ہوں۔ اگے ارشاد فرماتے ہیں کہ

ولیس مذهب فی هذه الازمنة
المتأخرة بهذه الصفة الا هذه
المذاهب الاربعة الخ (مختار الحیة ۳۱ ص ۳۲)
اور نیز فرماتے ہیں کہ

ولما اندرست المذاهب الحققة الا
هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد
الاعظم واخرج عنها خروجا
عن السواد الاعظم (مختار الحیة ۳۸ ص ۳۹)

اور ان آخری زمانوں میں بحر ان مذاہب اربعہ کے
اور کوئی مذہب اس صفت پر نہیں ہے۔

جب ان چار مذاہب کے علاوہ دیگر مذاہب حقہ
رہ گئے تو انہی کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہو گئی اور
ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہو گا۔

یعنی ایسا مذہب جس میں حضرات سلفؑ کے اقوال صحیح اسانید سے منقول ہوں یا اگر صحیح اسانید موجود نہ ہوں تو حضرات سلفؑ کے اقوال مشہور اور معتبر کتابوں میں درج ہوں اب ان چار مذاہب کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے لیکن حق اور اہل حق اور فرقہ ناجیہ کا ان مذاہب اربعہ میں منحصر ہونا حصر عادی اور اکثری ہے نہ کہ حصر شرعی اور عقلی اور نہ اہل علم میں اس کا کوئی مدعی ہے اور یہ حصر عادی و اکثری فریق ثانی کے شیخ اکل کو بھی ظلم ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔ اگر اس حصر کو عادی اور اکثری کہیں تو مسلم الثبوت ہے الا (معیار الحق ص ۱۷۱) نیز تحریر فرماتے ہیں کہ اور معنی عادی اکثری کے یہ ہیں کہ فی الواقع تو بموجب حکم خدا و رسول کے سب اہل سنت کے مقتدائے صحابہؓ اور تابعینؓ اور مجتہدین ائمہ اربعہؒ اور سوائے ان کے اور مقلدین ان کے فرقہ ناجیہ میں داخل تھے۔ لاکھ آج کے دن عادت ایسی ہو گئی ہے کہ سوائے اہل مذاہب اربعہ کے کوئی نہیں رہا اور روایت بھی کسی مذہب کی سوائے مذاہب اربعہ کے اکثر کو نہیں ملتی تو اس طرح سے حصر کو تا شرعی تنزیہاً نہ ہوا بلکہ عادی اور اکثری بہ سبب وجہ مانع کے ہوا اور ارتداد اس مانع کی سے یہ حصر نہ ہے گالیعی جب کہ کوئی روایت صحیحہ منقول متصل ثابت کسی مجتہد سے سوائے ائمہ اربعہ کے کم کو ملے گی تو اس وقت ائمہ اربعہؒ اور وہ مجتہد آخر یکاں ہوں گے الا (معیار الحق ص ۱۷۱) اس صریح عبارت میں فریق ثانی کے شیخ اکل نے واضح الفاظ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ حصر عادی و اکثری کے تحت فرقہ ناجیہ اب مذاہب اربعہ ہی میں منحصر ہے۔

حافظ ابن تیمیہ اور علامہ بدر الدین عینی (المتوفی ۷۲۸ھ جنہوں نے فتاویٰ ابن تیمیہ کو ملخص کیا ہے) فرماتے ہیں قائل کا یہ قول کہ میں حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے کسی کی پابندی نہیں کرتا اگر اس کی مراد یہ ہے کہ میں دوسروں کو چھوڑ کر صرف ایک کی پابندی نہیں کرتا تو اس نے اچھا کہا اور وہ قولوں میں یہی درست ہے۔

وان اراد انی لا اقفید بہا کلہا بل
اخالفہا فہو محطی فی الغالب قطعاً
اذ الحق لا یخرج عن ہذہ الاربعۃ
فی عامۃ الشریعۃ الخ
اور اگر اس کی یہ مراد ہے کہ میں ان سب کی پابندی نہیں کرتا بلکہ ان سب کی مخالفت کرتا ہوں تو وہ اکثر مسائل میں قطعاً خطا کا رہے کیونکہ اکثر مسائل شرعیہ میں حق ان چاروں مذاہب سے خارج نہیں ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۱۹ و مختصر الفتاویٰ المصریہ ص ۱۷۱)

اور حافظ ابن تیمیہ ہی دوسرے مقام میں لکھتے ہیں کہ

اگرچہ حضرات ائمہ اربعہؒ کے علاوہ اور امام بھی ہوئے ہیں مثلاً سفیان بن عیینہ وغیرہ لیکن اولاً تو انہوں نے

اپنے اختیار کیے ہوئے احکام پر کما حقہ نہیں نکلیں۔

ثم اندرجت مذاهبهم تحت

مذاهب الاثمة المعتبرة الخ

(نقص المنطق ص ۱۲ طبع قاہرہ ۱۳۲۷ھ)

اور نیز فرماتے ہیں کہ: بلاشبہ حق ان مذاہب سے خارج نہیں کیونکہ یہی حضرات راہنما ہیں اور اس امت کے ارباب مذاہب ہیں اور بلند مرتبہ سردار اور قیادت کرنے والے علماء دین دیا تدار سچے اور امانت دار وافر علم اور واضح اجتہاد والے ہیں اور اسی وجہ سے لوگوں نے فروع میں ان کی اقتدار کی سب سے اور ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلہ بنایا ہے حتیٰ کہ یہی حضرات مشرق و مغرب میں ارباب مذاہب ہیں۔ (نقص المنطق ص ۱۲) علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں۔

ولم یبق الا مذهب اهل الراى اور باقی نہ رہا مگر مذہب اہل الراى (فقہاء اخاف)

من العراق واهل الحديث من الحجاز (مقدمہ) کا جو عراقی ہیں اور محدثین کا جو حجازی ہیں۔

یعنی جن حضرات پر باوجود محدث ہونے کے فقہ کا غلبہ تھا وہ اہل الراى کہلائے اور جن پر باوجود فقیر ہونے کے فن حدیث کا غلبہ تھا وہ محدثین کہلائے پہلے گزیدہ کام کو عراق تھا اور دوسرے کا حجاز تھا اور ان ہی کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے دور میں نہ تو اہل الظاہر کا یا عموم مذہب رہا اور نہ ان کے امر ہے۔

علامہ تاج الدین البکی الشافعی (المتوفی ۷۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ

وهذه المذاهب الاربعة ولله تعالى

الحمد في العقائد واحدة لا من لحق

منها باهل الاعتراف او التجسم

والا فجمهورية الحق يقترون

عقيدة الى جعفر الطحاوى

التي تلتها العلماء سلفاً وخلفاً

بالقبول الخ (محمّد النعم ونبیہ النعم طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مذاہب اربعہ اصول میں متفق ہیں ان میں جو بھی اختلافات ہیں وہ صرف

فروعی ہیں۔ اس کی مزید تشریح انہوں نے اپنی کتاب طبقات الشافعیۃ الجبرئیل ص ۲۶۱ طبع مصر میں کی ہے۔

الزام تراشی | جملہ مقلدین حضرات غیر مخصوص مسائل میں تقلید کرتے ہیں مگر اپنے ائمہ کرام کو صرف مجتہد جان اور مان کر نہ کہ ان کو معصوم عن الخطا تسلیم کر کے کیونکہ المجتہد بخلاف ولیصیب اور عقیقہ حقیقہ اُس پختہ یقین و اذعان کا نام ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو اور نہ شک ڈالنے والے کے شک سے زایل ہو مگر مشہور منکر حدیث جو غیر مقلدیت کے کھلے دروازہ سے ترقی کر کے اس مقام پر پہنچے ہیں جناب عظیم المصباح جیراچوری لکھتے ہیں کہ ان مقلدین کا اختلاف بظاہر فروعی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اصولی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک فرقہ اپنے مخصوص امام کی تقلید کا عقیدہ بھی رکھتا ہے بلفظہ دعلوم اسلام ص ۱۴ میری طالب علمی اگست ۱۹۵۰ء مقلدین کا آپس میں اختلاف فروعی ہے اصولی نہیں اور اپنے مخصوص امام کے متعلق ان کا غیر متزلزل عقیدہ نہیں بلکہ صرف مجتہد ہونے کی وجہ سے حسن ظنی ہے کہ مجتہد ہونے کی وجہ سے صواب و خطا دونوں پہلو ان سے ممکن ہیں گواغلب صواب ہے۔

باب چہارم

ہم باب سوم میں چوتھی صدی تک کے بہت سے اکابر حضرات محدثین کرام اور فقہاء کرام کا مقلد ہونا باوجود نقل کر چکے ہیں۔ اب ہم چوتھی صدی کے بعد کے بعض حوالے پر یہ قارئین کو راجع کرنا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) امام ابو عبد اللہ الحسین بن الحسن الحلیمی (المتوفی ۴۰۳ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ علامۃ الباریؒ اور رئیس بلقش لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۱۹)

(۲) امام ابو جبر احمد بن محمد البرقانی (المتوفی ۴۲۵ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ اور شیخ الفقہاء والمحدثین لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۵۹)

(۳) امام ابوالقاسم جہتہ اللہ بن الحسن اللکائی (المتوفی ۴۱۸ھ) جو الامام الحافظ اور الفقیہ تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۶۴)

(۴) امام ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی (المتوفی ۴۴۴ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الامام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ مالکی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۶۹)

(۵) امام ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر (المتوفی ۴۶۳ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام شیخ الاسلام اور حافظ المغرب لکھتے ہیں۔ پہلے ظاہری تھے۔ ذہبیؒ لکھتے ہیں ثم صار مالکیا پھر مالکی المذہب ہو گئے تھے اور حضرت امام شافعیؒ کی فقہ کی طرف بھی بکثرت میلان رکھتے تھے۔ (تذکرہ ص ۳۰۸)

(۶) امام ابو جبر احمد بن الحسین البیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ علامۃ اور شیخ فرسان لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ حضرت امام الحرمینؒ نے تو یہاں تک کہ یہ ہے کہ جتنے بھی شوافع ہیں ان کی گردن میں حضرت امام شافعیؒ کا احسان لٹکا ہوا ہے۔ مگر امام بیہقیؒ کا حضرت امام شافعیؒ پر احسان ہے لتصانیفہ فی فصولہ مذہبہ۔ کیونکہ حضرت امام بیہقیؒ نے حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کی تائید میں بہت سی

کتابیں لکھی ہیں۔ (تذکرہ ص ۳۱۰)

حضرت امام بیہقیؒ کی سنن الکبریٰ وغیرہ کتابیں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع ہو چکی ہیں جن کی روایات سے فریق ثانی استدلال کیا کرتے ہیں۔ اور ان کی دوسری کتاب کتاب القراءۃ کی اکثر روایات پر قرآنہ غلط الام کے سلسلہ میں تو اس کی گڑھی چلتی ہے۔ اگر حضرت امام بیہقیؒ فریق ثانی کے نزدیک تقلید شخصی کے ارتکاب کی وجہ سے مشرک ہیں تو مشرک کی تصنیف پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ (معاذ اللہ تعالیٰ)

(۸) امام ابو محمد الحسین بن محمود بغویؒ (المتوفی ۵۱۶ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الام اور الحافظ لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۵۲)

یہ وہی امام بغویؒ ہیں جن کی قرآن کریم میں تفسیر معالم التنزیل اور حدیث میں شرح السنۃ اور مصابیح وغیرہ کتابیں آج بھی موجود ہیں اور اہل علم ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

(۹) امام ابن عساکر۔ ابوالقاسم علی بن الحسنؒ (المتوفی ۵۴۱ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الام۔ الحافظ البیہقیؒ محدث انعام فخر الائمہ اور فقہ الدین لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۱۸)

جن کی تاریخ ابن عساکر طبع ہو کر منصفہ شہود پر پہنچی ہے۔

(۱۰) امام زیدی۔ ابوالحسن علی بن احمدؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الام الحافظ العابد المحدث اور احد الائمہ لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۵۱)

(۱۱) امام الحاکمی۔ ابوبکر محمد بن موسیٰؒ (المتوفی ۵۸۴ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الام الحافظ اور البیہقیؒ لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۵۲)

جن کی کتاب الاعتبار فی النسخ والنسخ من الآثار حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی ہے اور اصول حدیث میں شروط الائمۃ الخمہ وغیرہ متعدد کتابیں ان کی یادگار ہیں۔

(۱۲) امام عبد الغنی بن عبد الواحدؒ (المتوفی ۶۰۰ھ) جو الحافظ الام اور محدث الاسلام تھے۔ حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۶۱)

(۱۳) امام ابن الحصری ابوالفتوح نصر بن ابی الفرجؒ (المتوفی ۶۱۹ھ) جو الام اور الحافظ اور المفید تھے۔ حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۶۲)

(۱۴) امام عبد الرزاق بن ابی محمد الشیخ عبد القادر جیلانیؒ (المتوفی ۶۴۰ھ) جو ربیعہ ناشیخ عبد القادر جیلانیؒ

(المتوفی ۵۹۱ھ) کے صاحبزادے تھے۔ جن کو علامہ ذہبیؒ الامام المحدث اور الحافظ لکھتے ہیں۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۴۲)۔

- (۱۵) امام عبد القادر بن عبد اللہ (المتوفی ۶۱۲ھ) جو الامام اور الحافظ تھے۔ حنبلی المذہب تھے (تذکرہ ص ۱۴۲)۔
- (۱۶) امام علی بن المفضل (المتوفی ۶۱۱ھ) جو الحافظ۔ العلامة اور المفتی تھے۔ مالکی المذہب تھے (تذکرہ ص ۱۴۲)۔
- (۱۷) امام ربیع بن الحسن (المتوفی ۶۰۹ھ) جو الحافظ اور المحدث تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۴۲)۔
- (۱۸) امام عز الدین ابو الفتح (المتوفی ۶۱۲ھ) جو الحافظ الامام المحدث المفید تھے۔ حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۸۶)۔
- (۱۹) امام تقی الدین۔ ابو الطاہر اسماعیل بن عبد اللہ بن الانماطی (المتوفی ۶۱۹ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام البلیغ الحافظ اور مفید الثام لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے (تذکرہ ص ۱۹۰)۔
- (۲۰) امام ضیاء المقدسی۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد (المتوفی ۶۴۲ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام العالم الحافظ الحجۃ اور محدث شام لکھتے ہیں۔ حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۹۰)۔
- (۲۱) امام ابو یوسف۔ جمال الدین عبد اللہ بن حافظ عبد الغنی (المتوفی ۶۲۹ھ) جو الحافظ الفقیہ تھے۔ حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۹۳)۔
- (۲۲) امام ابن نقطہ۔ ابو یحییٰ محمد بن عبد الغنی (المتوفی ۶۲۹ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الامام المتقن اور المحدث لکھتے ہیں۔ حنبلی المذہب تھے (تذکرہ ص ۱۹۴)۔
- (۲۳) امام الدیلمی ابو عبد اللہ محمد بن ابی المعالی (المتوفی ۶۲۷ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ الشہ لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۹۹)۔
- (۲۴) امام ابن الصلاح۔ ابو عمرو عثمان (المتوفی ۶۴۳ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ المفتی اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ ان کو شافعی لکھتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۱۴)۔
- یہ وہی حافظ ابن صلاح ہیں جن کا اصول حدیث میں ایک بہترین رسالہ علوم الحدیث کے نام سے مصر اور المدینۃ المنورۃ میں طبع ہوا ہے۔

(۲۵) امام الصریضی ابوالاسحاق ابراہیم بن محمد۔ (المتوفی ۶۴۱ھ) جو الحافظ المتقن اور العالم تھے۔ حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۱۸)۔

(۲۶) امام یونس بن۔ ابو عبد اللہ محمد بن ابی الحسن (المتوفی ۶۵۸ھ) جو الفقیہ الحافظ الامام اور القدوة تھے۔

حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۲۳)

(۲۷) امام ابوشامہ۔ ابوالقاسم عبدالرحمن بن اسماعیل۔ (المتوفی ۶۵۵ھ) جو الحافظ العلامة تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۲۳)

(۲۸) امام رشید الدین ابوالحسن یحییٰ بن علی (المتوفی ۶۶۲ھ) جو الحافظ۔ الامام الشافعی اور المجتہد تھے۔ مالکی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۲۶)

(۲۹) امام شرف الدین النابلسی ابوالمنظور یوسف بن الحسن (المتوفی ۶۷۰ھ) جو الامام اور الحافظ تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۱۴)

(۳۰) امام ابن العاصیہ۔ ابوالمنظور منصور بن سلیم (المتوفی ۶۷۷ھ) جو الامام الحافظ اور المفید تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۴۸)

(۳۱) امام نووی۔ ابو زکریا یحییٰ بن شرف (المتوفی ۶۷۵ھ) جن کو علامہ ذہبی الامام الحافظ الاوحد القدوة شیخ الاسلام اور علم الاولیاء کہتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۵۰)

یہ وہی امام نووی ہیں جن کی "شرح منہج" "شرح صحیح مسلم" اور اسرار واللغات وغیرہ ایسی عظیم النفع کتابیں موجود ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ ہیں وہ بھی مقلد ہی۔

(۳۲) امام محب الدین الطبری۔ ابو العباس احمد بن عبد اللہ (المتوفی ۶۷۴ھ) جو الامام المحدث المفتی اور فقیہ الحرم تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۵۵)

(۳۳) امام زین الدین الانبوری۔ ابوالفتح محمد بن احمد (المتوفی ۶۷۷ھ) جو الامام المحدث الحافظ المفید تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۵۶)

(۳۴) امام ابن دقین العبد الوافتع محمد بن علی (المتوفی ۷۰۲ھ) جو الامام الفقیہ المحدث العلامة اور شیخ الاسلام تھے۔ علامہ ذہبی ان کو شافعی المالکی کہتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۶۲)

(۳۵) امام شرف الدین الدمیاطی (المتوفی ۷۰۵ھ) جو الامام۔ العلامة الحافظ المجتہد اور الفقیہ تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۳۵۸)

(۳۶) امام شباب الدین ابن الفرج (المتوفی ۶۹۹ھ) جو الامام العالم الحافظ اور شیخ المحدثین تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۶۷)

(۲۷) امام علی بن عبدالکافی (المتوفی ۶۷۲ھ) جو الفقیہ اور الحافظ تھے۔ شافعی المذہب تھے (تذکرہ ص ۲۶۲) انہوں نے حافظ ابن تیمیہ کی تردید میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ”شعار السقام“ ہے جو دکن میں طبع ہو چکی ہے۔

(۲۸) امام شمس الدین ابن جبران (المتوفی ۶۸۲ھ) جو الامام الحافظ اور المتقن تھے۔ شافعی المذہب تھے (تذکرہ ص ۲۶۳) (۲۹) امام سعد الدین الحارثی (المتوفی ۷۱۱ھ) جو الشیخ الامام الفقیہ الحافظ اور المتقن تھے جنہی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۶۴)

(۳۰) امام جمال الدین البرزنجی (المتوفی ۶۴۲ھ) جن کو علامہ ذہبی العالم البحر الحافظ الادب اور محدث شام لکھتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ انہوں نے دو سو جلدوں میں تہذیب الکمال تھی۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۶۵) یہ وہی تہذیب الکمال ہے جس کو چھانٹ کر حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) شافعی المذہب نے ”تہذیب التہذیب“ کی شکل میں اسماء الرجال (بیوگرافی) میں اپنی عمدہ یادگار چھوڑ دی ہے۔

(۳۱) حافظ ابن تیمیہ۔ ابوالعباس احمد بن عبدالمسلم (المتوفی ۷۲۸ھ) جو الحافظ المحدث المفسر العلامة المجتہد تھے۔ جنہی المذہب تھے۔ نواب صدیق حسن خان ان کو شیخ الحنبلیہ لکھتے ہیں۔ (الجنۃ ص ۲۸)

قاریین کرام! اس بحر بے کراں کا کوئی ساحل ہی نہیں۔ اگر آپ کتب اسماء الرجال۔ طبقات المحدثین۔ طبقات الفقہاء، طبقات المورخین۔ طبقات المفسرین اور طبقات النحاة وغیرہ ملاحظہ کریں تو آپ کو جمہور اہل اسلام میں حضرات محدثین کرام، فقہاء عظام، مفسرین نیک، انجمن، مورخین ذوالافہام اور مصنفین کتب الرجال کے الاعلام سے کم از کم اٹھانوے فی صدی متقدم نظر آئیں گے۔ ذرا آپ طبقات الشافعیہ الکبریٰ علامہ شکی، طبقات الحنبلیہ قاضی البیہقی اور طبقات مالکیہ میں الدیباچ المذہب لابن فرحون اور طبقات حنفیہ میں الجواہر المصنیۃ اور ”الفوائد البیہقیہ“ وغیرہ کا مطالعہ تو کیجئے۔ اور پھر آپ تقلید شخصی کو شرک اور متقدمین کو مشرک قرار دیجئے، کیا آپ کی جمہور اہل اسلام کو مشرک کہنے ہی سے غوشی ہو سکتی ہے؟ ہم علی وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ حضرات سلف و خلف میں تقلید شخصی نہ صرف یہ کہ رائج ہی تھی بلکہ بعض اس کی اشاعت اور وصیت بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابی امام ابواسحاق بن عبداللہ بن محمد المہرودی (المتوفی ۷۸۱ھ) کے ترجمہ میں ان الفاظ سے ان کی توصیف کرتے ہیں الامام الزاہد الحافظ شیخ الاسلام اور لکھتے ہیں کہ وہ علم نعت کے ماہر امام اور حافظ حدیث تھے اور کٹر جنہی تھے اور ان کا یہ قول بھی علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے۔

انما حنبلی صاحبیت وان امت
فوصیتی للناس ان یتحسبوا
(مذکرہ ص ۲۵۴)

میں جب تک زندہ رہا تو حنبلی ہی رہوں گا۔ اور اگر میں
مر جاؤں تو لوگوں کو میری یہی وصیت ہے کہ وہ حنبلی
مذہب اختیار کریں۔

کیا ہم فریق ثانی سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ جب تقلید شخصی کفر شرک اور بدعت ہے اور اس کی ترویج خدا
اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے تو اہل اسلام کے نزدیک تقلید شخصی کرنے والا اور
اس کی وصیت کرنے والا لام الزمام الحافظ اور شیخ الاسلام کیسے بن گیا؟ کیا کوئی مشرک اور بدعتی بھی شیخ الاسلام
بن سکتا ہے؟ ذرا ہمت کر کے ابو جہل اور ابولہب وغیرہ کو شیخ الاسلام کہہ دیجئے پھر دیکھئے کہ مسلمان آپ کی کیا تواضع
اور آپ سے کیا سلوک کرتے ہیں؟

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

حافظ ابن عبد السلامؒ اور ان کے تلمیذ حافظ ابن قیمؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن سید الناسؒ
اور ان کے شاگرد حافظ زین الدین العراقيؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور ان کے شاگرد امام جلال الدین
سیوطیؒ تمام اکابر شافعی المذہب تھے۔ (المنجۃ ص ۲۳)

فریق ثانی سے متبادانہ گزارش ہے کہ وہ حافظ ابن قیمؒ کی امام اور عمدۃ الاحکام وغیرہ اور علامہ
ابن سید الناسؒ کی شرح الترمذی اور امام عراقیؒ کا الفیتۃ الحدیث اور حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری۔ بلوغ المرام۔
شرح منجۃ الضمیر تقریب التہذیب التہذیب اور لسان المیزان وغیرہ بے شمار کتابوں اور امام سیوطیؒ
کی (نصف) تفسیر جلالین۔ تفسیر القان اور تقریب الراوی وغیرہ لاتعداد کتابوں کو ہاتھ بھی نہ لگائیں۔ کیونکہ یہ تمام
اکابر امام شافعیؒ کے مقلد تھے اور فریق ثانی تقلید شخصی کو شرک و بدعت کہتا ہے تو پھر شرکیں اور مقبہ عین کی کتابوں پر
کیا اعتماد اور پھر دوسرے ہو سکتے ہیں؟ اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ علوم اسلامیہ اور فنون متداولہ کی اکثر بدعتیں ہیں
مقلدین ہی کی تالیف کردہ ہیں۔ تو پھر اگر غیر مسلم یا ملحد قسم کے لوگ اسلامی کتب کے ذخیرہ پر اعتراض کریں اور
انہیں ناقابل اعتبار ٹھہرائیں تو ان پر کیا لگہ ہو سکتا ہے؟

دوستوں سے ہم نے وہ حدیث اٹھائے جان پر دشمنوں سے دشمنی کا سبب لگھ جاتا رہا

حضرت امام بخاریؒ حضرت امام مسلمؒ حضرت امام نائیؒ حضرت امام داؤدؒ
حضرت امام ترمذیؒ اور حضرت امام ابن ماجہؒ کے بارے کتابوں میں مختلف

حضرات مصنفین صحاح ستہ

قسم کے اقوال ملتے ہیں بعض حوالوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر مقلد تھے اور اپنی حوالوں سے مخالفہ
 کھاکر غیر مقلدین کے وکیل عظیم نے انہیں غیر مقلد لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو نتائج التقدیم)
 علامہ طاہر بن صالح الجزائری اپنی محقق کتاب توجیہ النظر الی اصول الاثر (المطبوع فی ۱۳۲۸ھ) میں
 لکھتے ہیں کہ

اما البخاری والبوداؤد فامان
 فی الفقہ وکنا من اهل الاجتهاد
 وامامہم والترمذی والنسائی
 وابن ماجہ وابن خزیمہ والبیہقی
 والبزار ونحوہم فہم علی مذهب
 اهل الحدیث یسوا مقلدین لولہد
 بعینہ من العلماء ولاہم من الائمۃ
 المجتہدین علی الاطلاق بل یمیلون
 الی قول ائمۃ الحدیث کالشافعی واحد
 واستحاق والی عبید وامثالہم
 وہم الی مذاہب اهل الحجاز
 امیل منہم الی مذاہب اهل
 العراق۔ (توجیہ النظر ص ۱۸۵)

باقی حضرات کا مجتہد منتسب ہونا تو اس عبارت میں واضح ہے کہ وہ مطلق مجتہد نہ تھے۔ بلکہ منتسب
 تھے البتہ حضرت امام بخاری اور حضرت امام البوداؤد کے بارے فرماتے ہیں کہ وہ دونوں من اهل الاجتہاد تھے
 اگر مزید یہ کہ یہ حضرات مجتہد منتسب ہیں۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حضرت امام البوداؤد اور
 حضرت امام ترمذی کے بارے فرماتے ہیں کہ

اما البوداؤد والترمذی فہما مجتہدان
 منتسبان الی احمد واستحاق (الانصاف ص ۹۸)
 حضرت امام البوداؤد اور حضرت امام ترمذی حضرت امام احمد
 اور حضرت امام اسحاق کی طرف مجتہد منتسب ہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مجتہد تو تھے لیکن مجتہد مطلق نہ تھے بلکہ مجتہد منسوب تھے اور اگر مکرر یہ ہو کہ وہ مجتہد مطلق تھے تو درست نہیں کیونکہ اگر حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام ابو داؤدؒ مجتہد مطلق ہوتے تو کتب فقہ میں جہاں دیگر حضرات ائمہ مجتہدینؒ کے فقہی اقوال نقل ہیں ان کے اقوال بھی نقل ہوتے۔ حالانکہ کتب فقہ ان کے فقہی اقوال سے بالکل خالی ہیں حضرت امام ترمذیؒ اپنے استاد امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ سے حدیث کی تصحیح و تضعیف اور روایت کی توثیق و تضعیف تو نقل کرتے ہیں لیکن کہیں بھی انہوں نے فقہی مذہب اور مسلک کے طور پر ان کا قول ترمذی شریف میں نقل نہیں کیا جب کہ حضرات ائمہ مجتہدینؒ کے علاوہ دیگر کثیر درجہ کے حضرات فقہاء کرامؒ کے اقوال اور مذاہب بھی انہوں نے نقل کیے ہیں یہ اس بات کی واضح دلیل اور کھلا قرینہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام ابو داؤدؒ مجتہد مطلق نہ تھے بلکہ مجتہد منسوب تھے رہا ان کا مجتہد اور فقیہ ہونا تو اس کا کوئی منکر نہیں حضرات علماء کرام کے ہاں یہ مقولہ شہرت کا درجہ رکھتا ہے۔ فقہ البخاری فی الابواب والترجم کہ حضرت امام بخاریؒ کی فقہ بخاری شریف کے ابواب تراجم میں ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

ومن هذا القبيل محمد بن اسماعيل البخاري فانه معدود في طبقات الشافعية ومن ذكره في طبقات الشافعية الشيخ تاج الدين السبكي (الى ان قال) وكلام النووي الذي ذكرناه شاهد له (انصاف ص ۷۷)

اور اسی طرح حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ طبقات شافعیہ میں شمار ہوتے ہیں اور جن حضرات نے انہیں طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے ان میں امام تاج الدین سبکیؒ بھی ہیں (پھر فرمایا کہ) حضرت امام نوویؒ کا کلام جو ہم نے ذکر کیا ہے اس امر کا شاہد ہے۔

امام سبکیؒ نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۱۶۱ میں حضرت امام بخاریؒ کے تفصیلی حالات بیان کیے ہیں اور ثواب صدیق حسن خان صاحبؒ بھی حضرت امام بخاریؒ، حضرت امام نسائیؒ، حضرت امام ابو داؤدؒ کو شوافع کی فہرست میں داخل کرتے ہیں (ابجد العلوم قسم ثالث ص ۲۸۱) حضرت امام بخاریؒ وہ بزرگ ہیں جن کے دو رسالوں جہز رفع الیدین اور جزا القرآۃ پر فریق ثانی کی دو اختلافی مسائل میں گاڑی چلتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کہ شمر دیکھئے کہ حضرت امام بخاریؒ بھی مثلاً ہی ثابت ہو گئے۔

جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

حضرت امام نائی کو علامہ سبکیؒ طبقات شافعیہ میں درج کرتے ہیں (ملاحظہ ہو طبقات ص ۴۳)

اور حضرت امام ابو داؤدؒ کے بارے فرماتے ہیں کہ

قال شيخنا الذهبي رحمه الله تعالى

لفقه ابو داود باحمد بن حنبل

ولازمه مدة (طبقات ص ۴۹)

تک ان کی خدمت میں رہے۔

حافظ ابن القيمؒ بھی حضرت امام ابو داؤدؒ کو حنبلی سمجھتے ہیں (اعلام الموقعین ص ۲۳ طبع ہند) اور علامہ اسماعیل

پاشا بغدادیؒ بھی حضرت امام ابو داؤدؒ کو حنبلی سمجھتے ہیں (مہیۃ العارفین ص ۳۹۵) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب

فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے حضرت امام نائیؒ اور حضرت امام ابو داؤدؒ کے حنبلی ہونے کی تصریح کی ہے۔

(مقدمہ فیض الباری ص ۵) اور فرماتے ہیں کہ حق بھی یہی ہے (العرف الشذی ص ۱) یہ حضرات شافعی ہوں

یا حنبلی بہر حال ہیں تو مسئلہ ہی۔ امام اسحاق بن ابراہیم بن راہویہؒ (المتوفی ۲۴۰ھ) کو امام سبکیؒ نے طبقات الشافعیہ

میں ذکر کیا ہے (طبقات ص ۲۳) اور مقدمہ فیض الباری ص ۵ میں حنفی بتایا ہے۔ حضرت امام دارقطنیؒ (المتوفی

۳۸۵ھ) بھی شافعی المذہب تھے (طبقات ص ۳۱) اسی طرح حضرت امام بیہقیؒ صاحب

مشکوٰۃ الشیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیبؒ (سال اختتام تالیف ۷۳۷ھ) اور مولف بلوغ

المسلم حافظ ابن حجرؒ سب شافعی المذہب تھے کما تر

اکثر اور متداول کتب تفسیر بھی مقلدین ہی کی ہیں مثلاً تفسیر بیضاوی البحر المحیط معالم التنزیل خازن

روح المعانی اور مظہری وغیرہ اخلاف کی ہیں و علیٰ ہذا القیاس تفسیر وغیرہ دیگر اسلامی علوم و فنون میں اکثر تصانیف

مقلدین کی ہیں اگر تقلید شخصی کے مرتکب مشرک اور مبتدع ہیں تو ان کی تالیف کردہ کتابوں سے کلیتہً دست برداری

کرنا پڑے گی کیونکہ مشرک و مبتدع کی دو شرعاً نقل اور بات معتبر ہے اور نہ جرح و تعدیل غیر مقلدین حضرات کو

پھر تو صرف داؤد بن علیؒ ابن بربانؒ ابن حزمؒ وزیر میانیؒ امیر میانیؒ اور قاضی شوکانیؒ وغیرہ کی کتابوں پر ہی اکتفا

کرنا پڑے گی بلکہ مقلدین حضرات کی کتابوں پر بے اعتمادی کے اظہار کے باوجود بھی ان سے چھٹکارا نہیں ہو

سکے گا۔

اگر تم طیش میں آکر میرا خط پھاڑ ڈالو گے

تو میرے پاؤں چوہیں گے میری تحریر کے ٹکڑے

باب پنجم

حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید پر اعتراض

فریق ثانی کا بزعم خویش دینی اور مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور علیؓ مخصوص حضرات خلفاء راشدینؓ کا علم یقیناً حضرات

ائمہ اربعہ سے زیادہ تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرات ابوحنیفہؒ اور حضرت عمرؓ وغیرہ کی تقلید نہیں کی جاتی؟ اور لوگ ابوحنیفہؒ اور عمرؓ وغیرہ کیوں نہیں کہلاتے؟ اور حنفی اور شافعی وغیرہ کیوں بن گئے؟ جب یہ چاروں حضرات ائمہ کرامؓ انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں نہ تھے تو کیوں نہ ہو کہ وہی چیز لی جائے جو انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں تھی اور ان کی تقلید کیوں نہ کی جائے جب کہ حدیث علیہ کو بسنتی و مسند الخلفاء الراشدینؓ (الحدیث) اور حدیث ما انا علیہ واصحابی اسکی واضح مؤید ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی تقلید نہیں کی جاتی اور حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید ضروری ٹھہرائی جاتی ہے؟

الجواب: یہ اعتراض آج کی پیداوار نہیں بلکہ یہ بہت پرانا ہے اور یہ ایک رافضی کی پٹاری سے سرور کیا گیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ اس کو یوں نقل کرتے ہیں۔

رافضی نے کہا کہ تمام مقلدین قیاس کے قائل ہیں اور اُن کو کہتے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین میں وہ کچھ داخل کر دیا جو دین میں سے نہیں اور انہوں نے شریعت کے احکام بدل ڈالے اور چار مذاہب بن دیے جو انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہ تھے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال ان مقلدین نے ترک کر دیے حالانکہ حضرات صحابہ کرامؓ نے ترک قیاس کی تصریح کی ہے اور یہ کہا

قال الرافضی ذهب الجميع منهم الى القول بالقياس والتخذ بالرأى فادخلوا في دين الله تعالى ما ليس منه وحرفوا احكام الشريعة واتخذوا مذاهب اربعة لو تكن في زمن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا زمن الصحابةؓ واهلوا اقاويل الصحابةؓ مع انهم

نصوا علی ترک القیاس وقالوا اول من قاس ابلیس الخ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۸۹ طبع بولاق)

ہے کہ سب پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا

ہم نے حافظ ابن تیمیہ کے الفاظ میں اس سوال اور اعتراض کے موجب کی نشاندہی کی ہے اور یہ ایک طویل اعتراض ہے جس میں رافضی کے اعتراض کی یہ شق بھی ہے کہ تم ابو بکرؓ اور عمرؓ کی غیرہ کیوں نہیں کہلاتے حنفی اور شافعی وغیرہ کیوں کہتے ہو (الآخر ما قال) اس طویل اعتراض کو نقل کر کے حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کے نیچے اُدھیڑے ہیں اور فضلاء آسمانی میں اس کی دھجیاں بکھیری ہیں کہ معتز ضیق کا سا لکنبہ جمع ہو کر بھی رفو نہ کر سکے ہم نہایت ہی اختصار سے ان کے جواب کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔

(۱) حضرات ائمہ اربعہؒ کے مسائل وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے نقل سے نقل ہوئے چلے آئے ہیں۔

(۲) مذاہب اربعہ کی کتابوں کو دیکھئے کہ وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال سے باقاعدہ استدلال کرتے ہیں اور ان کو وہ اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

(۳) باقی ابو بکرؓ و عمرؓ وغیرہ اس لیے نہیں کہتے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ نے دینی مسائل کُتب کی شکل میں جمع نہیں کیے بخلاف حضرات ائمہ اربعہؒ کے کہ خود انہوں نے یا ان کے لائق اور معتبر علماء نے ان کے بیان کردہ مسائل جمع کیے ہیں اس لیے مسائل کی نسبت حضرات ائمہ اربعہؒ کی طرف ہوئی اور ان مسائل میں لوگوں نے ان کی پیروی اور تقلید کی اور حنفی و شافعی وغیرہ کہلائے۔

(۴) جس طرح صحیح بخاری، مسلم، اور ابوداؤد وغیرہ کُتب حدیث حضرت امام بخاریؒ حضرت امام مسلمؒ اور حضرت امام ابوداؤدؒ وغیرہ نے مرتب اور مدون کی ہیں اور کمال فراست اور پوری دیانت کے ساتھ ان میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں جمع کی ہیں اس لیے ان کُتب کی نسبت ان کی طرف ہوتی ہے نہ اس لیے کہ یہ ان کی اپنی ایجاد کردہ اور اختراع کردہ باتیں ہیں جیسے صحیح بخاریؒ کو حضرت امام بخاریؒ کی طرف نسبت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں درج کردہ حدیثیں حضرت امام بخاریؒ کے اپنے اقوال بن جابین حدیثیں نہ رہیں اسی طرح حضرات ائمہ اربعہؒ کی طرف مسائل کی نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار نہ رہیں اور حقیقت بدل کہ کوئی اور چیز بن جائے تو جس طرح صحیح بخاریؒ کی نسبت حضرت امام بخاریؒ کی طرف اس لیے کی جاتی ہے کہ اس میں حدیثیں جمع کرنے میں ان کو دستِ بھر ہوا

کی محنت شائد کرنا پڑی ہے اسی طرح فقہ کی جمع و تدوین میں چونکہ حضرات ائمہ اربعہ (دو غیر ہم) نے بے حد کاوش اور بڑی کوشش کی ہے اس وجہ سے نسبت ان کی طرف ہوئی نہ اس لیے کہ یہ ان کی اپنی ایجاد و اختراع ہے اور معاذ اللہ تعالیٰ یہ قرآن و حدیث سے مستدام ہے۔

(۵) یا جیسے حضرت امام حنفیؒ کی قرأت (جو ہندوستان میں رائج ہے) یا ابن کثیرؒ اور امام نافعؒ وغیرہ حضرات کی قرأت ان کی اپنی ایجاد نہیں بلکہ ان (سات مشہور قاریوں) کی قرأت خود صحیح حدیث (انسوئل القرآن علی سبعة احرف) اور حضرات صحابہ کرامؓ سے نقل ہوتی چلی آتی ہے ان حضرات قرأت کی طرف قرأت کی نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ان کی اپنی ایجاد ہو اسی طرح فقہ کی نسبت بھی یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حضرات ائمہ اربعہؒ کی ایجاد ہو اور پہلوں سے منقول اور ماخوذ نہ ہو۔

(۶) رافضی کی مراد حضرات ائمہ اربعہؒ کے انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہ ہونے سے اگر یہ ہے کہ ان کے مسائل وہ نہیں جو انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے بیان کردہ مسائل تھے تو یہ رافضی کا خالص افتراء اور سفید جھوٹ ہے کیونکہ حضرات ائمہ اربعہؒ اور مذاہب اربعہؒ کی کتابیں احادیث اور اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے پڑ ہیں اور اگر رافضی کی مراد یہ ہے کہ یہ حضرات بنفس نفیس اٹھس مبارک زمانہ میں نہ تھے تو بجائے اس میں کیا مضائقہ ہے؟ آخر دنیا گدشتی اور گذشتی ہے۔ جیسے حضرت امام بخاریؒ حضرت امام مسلمؒ حضرت امام ابو داؤدؒ حضرت امام حنفیؒ حضرت امام نافعؒ اور حضرت امام ابن کثیرؒ وغیرہ بھی تو انحضرت صلی اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں نہ تھے ان کے تاخر زمانی کی وجہ سے تو حدیث جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کوئی خرابی واقع ہو سکتی ہے اور نہ قرآن کریم کی قرأت میں کوئی خلل پیدا ہو سکتا ہے۔

(۷) جیسے مثلاً قرأت امام حنفیؒ کہنے سے قرآن کریم نہیں بدل جاتا یا مثلاً احادیث صحیح بخاریؒ کو حضرت امام بخاریؒ کی طرف نسبت کرنے سے حدیث کا وجود دوسری صدی کی پیداوار نہیں ہو جاتا تو اسی طرح فقہ کا معاملہ بھی سمجھیں کہ کسی فقیہ اور مجتہد کی طرف نسبت سے وہ اس کی ذاتی اختراع نہیں بن جاتی۔

(۸) جس طرح حضرت امام بخاریؒ وغیرہ حضرات محدثین کرامؓ نے اپنی خلداد قابلیت اور فراست سے بعض احادیث کی تصحیح (یا تضعیف) کی جن کی صحت (یا ضعف) صراحتہً نہ تو انہوں نے اپنے اساتذہ کرامؓ سے سنی اور نہ دیگر اہل علم سے۔ اسی طرح حضرات فقہاء کرامؓ نے بھی اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوت سے مسائل استنباط کئے جن میں ان سے پہلے کسی نے بھی لب کثافی نہیں کی تو جس طرح حضرت امام بخاریؒ وغیرہ

محمد بن کرام تصحیح (یا تضعیف) حدیث میں قابلِ مذمت نہیں اسی طرح حضرات فقہاء کرام بھی فقہی جزییات کے استخراج و استنباط میں قابلِ ملامت نہیں ہیں (محصلہ منہج السنۃ ص ۹۷۹ طبع بولاق مصر)

قاری بن کرام حافظ ابن تیمیہ کا اصولی جواب آپ نے سن لیا اگرچہ تعبیر اور قدسے تشریح کے ساتھ الفاظ ان کے نہیں لیکن مفہوم سب انہی کا ہے جس سے رافضی اور اس کے چلیوں کے لافنی اعتراض کی تمام شقوں کی غوب قلعی کھلتی ہے۔ یہ فاسداتیہ بیان دلایا تھم گی۔ گویا کسی نے لکھ دیا سینے پر اے ہاتھ

رافضی بقول اول بن قاس ابلیس کے جملہ کو حضرات صحابہ کرام کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور بعض غیر مقلدین حضرات بھی اس سے تقلید کی

اول بن قاس ابلیس کی حقیقت

تردید میں استدلال کیا کرتے ہیں حالانکہ زکویر حدیث ہے اور نہ کسی صحابی کا قول ہے۔ یہ حضرت امام جعفر صادق (المتوفی ۱۴۸ھ) کا قول ہے دراست البیضا (طبع قدیم) اور منہ دارمی ص ۳۱ طبع ہند میں۔ حضرت محمد بن سیرین اور طبرہ بھی منقول ہے تو ایسے اہم مسئلہ (یعنی مقلدین کے مشرک بدعتی اور گمراہ کئے کے سلسلے میں آثار تابعین سے استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اور ان کا اس میں کیا اعتبار ہے؟ اور اگر یہ قول درست بھی ثابت ہو جائے تب بھی مقلدین پر اس کی کوئی زد نہیں پڑتی اس لیے کہ اس قیاس سے نص کے مقابلہ میں قیاس مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم فرشتوں کے ساتھ ابلیس لعین کو بھی اِذَا هُمْ تَلَّكَ کے الفاظ سے سجدہ کرنے کا تھا اور اُس نے اللہ تعالیٰ کے اس صریح حکم کے مقابلہ میں اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ سے قیاس فاسد کر کے خود کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہتر سمجھا اور ایسے قیاس کے باطل۔ فاسد اور مردود ہونے میں کیا شک اور شبہ ہو سکتا ہے جو نص کے مقابلہ میں ہو؟ بلکہ اگر فریق ثانی کے ذہن کو مستعار لے کر یوں استدلال کیا جائے کہ پہلا غیر مقلد ہی ابلیس لعین تھا تو زیادہ قرین قیاس ہے وہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی اور ابلیس لعین کو بھی حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کریں تو فرشتوں نے بلا قیل و قال اور بلا طلب دلیل اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے کہ حکم کا فعل حکمت سے خالی نہیں فوراً سجدہ کیا اور وہ مطیع و فرمانبردار اور مقلد ٹھہرے مگر ابلیس لعین اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین اور اعتماد کو ترک کر کے طالب دلیل ہوا اور یوں گویا ہوا۔ اَرَيْتَ لَكَ هَذَا الَّذِي كَرِهْتَ عَلَىٰ الْاٰیٰتِ (پ ۱۵۔ بنی اسرائیل۔ ۷) بھلا دیکھ تو یہ شخص ہے جس کو تو نے مجھ سے بڑھا دیا؟ اور اسی پیش نظر کتاب میں باحوالہ یہ بحث موجود ہے کہ تقلید و اتباع

کا ایک ہی معنی ہے اور ابلیس بعین مخلوق میں پہلا فرد ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے حق حکم پر اعتقاد نہ کیا اور اہل عقل و تقلید امر سے گریز کیا اور پھر نص کے مقابلہ میں قیاس کی ٹھان لی اور ترک تقلید کی وجہ سے زائد درگاہ ہوا کیا خوب سے الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لو خود نہی اپنے دام میں صیبا آگیا

یہ بات بالکل واضح ہے کہ نہ تو ہر رائے مقبول و محمود ہے اور نہ ہر رائے مردود و مذموم ہے جو رائے مخصوص کے موافق اور اُن سے ماخوذ ہے وہ محمود و مقبول ہے اور

جو رائے مخصوص کے خلاف ہو اور مخصوص اس کے البطل پر شاہد ہوں تو وہ رائے مذموم و مردود ہے۔

حضرت امام بخاریؒ نے بھی محمود رائے اور قیاس صحیح کے سلسلے میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

باب من شَبَّهَ اصلاً معلوماً باصلٍ باب اُس شخص کے بارے میں جس نے اصل معلوم دینی مَبْنِیً الا (بخاری ص ۳۸۰) مقیس کو اصل مَبْنِیً (یعنی مقیس علیہ) کے ساتھ تشبیہ دی۔

یعنی یہ باب اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ قیاس کی دو قسمیں ہیں ایک قیاس صحیح ہے جو اُن شرائط پر مشتمل ہو جو اصول فقہ میں مذکور ہیں اور دوسرا قیاس فاسد ہے جو اس کے خلاف ہو اور وہی مذموم ہے باقی قیاس میں کوئی مذمت نہیں بلکہ وہ مامور ہے (فتح الباری ص ۵۹ و عمدة القاری ص ۵) اور مذموم کے بارے لکھتے ہیں باب ما یذکر من ذم الرائی و تکلف القیاس الا (ص ۱۸۹) یعنی وہ رائے جو کتاب و سنت اور اجماع کے اصل پر مبنی نہ ہو تو وہ مذموم ہے رہی وہ رائے جو ان تینوں اصول پر مبنی ہو تو وہ محمود ہے اور اسی کا نام اجتہاد ہے (فتح الباری ص ۱۲ و عمدة القاری ص ۳۲)

اور حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ

فان الرائی رأیان رای یوافق النصوص و تشهد له بالصحة والاعتبار وهو الذی اعتبره السلف وعلوایہ ورائی یخالف النصوص و تشهد له ، بالابطال والاهدار فهو الذی ذمّوه وانکروه

انکار کیا ہے۔

(اغاثرة اللفظان ص ۳۹ طبع مصر)

عالم اسباب میں دین کے بارے دونوں طبقوں کی اشد ضرورت ہے

دین سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص بھی عالم اسباب میں حضرات
محمدؐ شین کرامؑ اور حضرات فقہاء عظامؒ سے متغنی نہیں ہو سکتا ایک
طبقہ نے اگر مغز کی حفاظت کے لیے جھلک کی حفاظت کی ہے
تو دوسرے نے مغز کی نگرانی کی ہے اور اگر ایک طبقہ نے راستہ کی چوکیداری کی ہے تو دوسرا طبقہ منزل کا
پہرہ دار ہے اگر ایک طبقہ نے مکان کی رکھوالی کی ہے تو دوسرے نے اس کے اندر قیمتی خزانہ کو محفوظ
رکھا ہے غرضیکہ مذکورہ متن روایت اور درایت اور لفظ و معنی کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور عالم اسباب میں ان
حضرات کا امت مر جو مر پر طرا احسان ہے حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
اقوال و افعال نیز توحید (و رسالت) اور امر و نہی وغیرہ احکام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امت میں سے کچھ
ایسے افراد منتخب کیے ہیں جو امت کے لیے ان احکام کی حفاظت کرتے ہیں اور بعد کو آنے والے ان
کے تابع اور مقلد ہیں اسی طرح (فقہی) احکام میں بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے مجتہدین لیے ہیں جو امت کے
لیے اجتہاد کے ذریعہ احکام پہنچاتے ہیں اور بعد کو آنے والے لوگ ان کے تابع اور مقلد ہیں۔

(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۱۳۱ طبع بولاق)

اور نیز موصوفہ انہیں دو گروہوں کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ: اہل اسلام کے حضرات ائمہ کرامؑ عام
مسلمانوں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان وسائل ہیں اور یہ بزرگ چراغ راہ کا کام
لیتے ہیں جن کے ذریعہ سے دین کے سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہوتی ہے آگے حضرات فقہاء کرامؑ کی تعریف
ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ

و لیس فیہم مفسرہ بحسب اجتہادہم
واستطاعتہم للفرقاوی ابن تیمیہؒ ج ۲ ص ۲۲۲ طبع بولاق
وہ عام مسلمانوں کو اپنے اجتہاد اور طاقت کے مطابق آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی (احادیث کی) مراد بتلاتے ہیں۔

ہم عالم اسباب میں دونوں طبقوں کے محتاج ہیں وہ ہمارے مخدوم اور ہم ان کے خوشہ چین اور خادم ہیں
اور ان کی تقلید اور اتباع ہی کی بدولت قرآن و حدیث اور دین کی تہ تک رسائی ہو سکتی ہے جو صحیح معنی میں ان کا
محب ہے وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی محبوب ہے اور جو ان کا مخالف ہے وہ
درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ برحق کا بھی مخالف ہے۔

عدو ہوں اس کے دشمن کا موافق اس کے اپنوں کا
بٹھائے جس کو اپنے پاس لے لی اس کا شیدائوں

باب ششم

خود کو پہچانیے

غیر مقلدین حضرات۔ مقلدین کو تو زور دار الفاظ میں کوستے اور یہ طعن دیتے ہیں کہ وہ تقلید کر کے چوتھی صدی سے بعد کی ایجاد کردہ بدعت کے مرتکب ہیں لیکن اپنا آنا بابائے گزشتہ اور ظاہر کر دینی مطلقاً زحمت ہی گوارا نہیں کرتے کہ انکے دُور باوجود کا درود کب ہوا ہے؟ ہم یہاں تفصیل میں نہیں پڑتے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب طائفہ منصورہ میں اس پر باحوالہ سیر حاصل بحث کر دی ہے وہیں ملاحظہ کریں یہاں صرف مختصر خلاصہ عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

علمائے ہکلمتہ نے غیر مقلدین کے خلاف ایک سالہ ترتیب دیا جس کا نام جناب حاجی عبدالقادر صاحب تبیہ الضالین رکھا کہیں مشائخ میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب کفے فتویٰ کا ذکر بھی ہے اور یہ مولانا عبدالحق صاحب المتوفی ۱۲۶۲ھ دروہلی۔ ملاحظہ ہو، الحیات بعد الممات ص ۳۴۱۔ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب کفے فتویٰ استاد تھے نتائج التقليد ص ۱۴۰، والحیات بعد الممات ص ۳۰۰ وحاشیہ مذہب اہل السنۃ والجماعت ص ۲۰۰ از مولانا کاندھلوی صدیقی۔ اس میں تصریح ہے کہ:-

سویانی مبنی اس فرقہ نواحیث کا عید الحق ہے جو چند روز سے بنا کس میں رہتا ہے اور حضرت امیر المؤمنین (شیخ احمد صاحب بریلوی الحنفی المتوفی ۱۲۴۶ھ شہید) نے ایسی ہی حرکات ناشائستہ کے باعث اپنی جماعت سے اس کو نکالی دیا اور علماء حرمین نے اس کے قتل کا فتویٰ لکھا مگر کسی طرح بھاگ کر وہاں سے بچ نکلا (الی قولہ) اپنے تئیں خلیفہ امیر المؤمنین کے مشہور کر کے لوگوں کو اپنے عقائد سے بتدریج مطلع کیا اھ۔ (تبیہ الضالین ص ۲۔ بحاشیہ نظام الاسلام طبع خورشید عالم لاہور) اور پھر آگے لکھا ہے کہ

اور ان کا مذہب اکثر باتوں میں روافض کے مذہب سے ملتا ہے جیسا روافض پہلے رفع یدین اور امین بالجہر اور قرأت خلف الامام کے مسئلے اہم شافعی کی دلیلوں سے ثابت اور ترجیح دے کر عوام کو خصوصاً حنفی مذہب والے کو شبہ میں ڈالتے ہیں پھر جب یہ بات خوب اپنے معتقدوں کے ذہن نشین کر چکے تب آگے اور

مسکوں میں تشکیک اور متردد بناتے ہیں (ص ۵)
اور پھر لکھا ہے کہ

اور وہ لوگ آپ کو محمدی اور دوسرے مذاہب والوں کو ناقص محمدی اور بدعتی کہتے ہیں (ص ۲۲)

اسی کتاب میں مذکور ہے کہ محدث ابن شاہین نے اپنے کو محمدی المذہب کہا تھا اسی تقلید اور پیروی کرتے ہوئے اس دور میں اس فرقہ کے بانی نے محمدی نام تجویز کیا۔

اور پھر لکھا ہے کہ

اور چاروں مذاہب کے حق ہونے پر انکار رکھتا ہے اور علماء کے اجماع کو خلاف جانتا ہے اور چاروں اماموں کی تقلید کو بدعت کہتا ہے۔ (ص ۳۲)

اور مزید لکھا ہے کہ

لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہم محمدی ہیں اور حقیقت میں محمدیوں کے خلاف ہیں (ص ۱۳)
اور مولانا وحید الدین کلکتوی فرماتے ہیں کہ :

فرقہ گراں کہ جو منکر تقلید ائمہ کے ہیں اور نیا طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم محمدی ہیں (نظام اسلام ص ۱۲۹)
حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی کے شاگرد قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی لکھتے ہیں کہ مولوی عبدالحق بناری ربانی فتنہ غیر مقلدیت ہونے پر ملا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے لڑی اگر تو بہ نہ کی مرتد مری اور یہ بھی دوسری مجلس میں کہا کہ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا ان کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں ہم کو ان سب کی حدیثیں یاد ہیں۔

(کشف الحجاب ص ۴۲۔ بحوالہ ترک تقلید ص ۱۷۱ مولانا بشیر احمد صاحب قادری)

۱۲۵۴ھ میں اس فرقہ کے خلاف متعدد علماء حق نے بڑے سخت فتوے دیے (ملاحظہ ہو فتاویٰ الضالین ص ۳۱ وغیرہ) جن میں خصوصیت سے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب اور مولانا مفتی صدر الدین خان بہادر دہلوی (استاد ذاب صدق حسن خان صاحب۔ دیکھئے المخطوط ص ۲۲) اور مولانا عبدالحق صاحب۔ قابل ذکر ہیں۔ مشور غیر مقلد عالم مرزا حیرت دہلوی کافی ہجرت کے بعد لکھتے ہیں کہ اب میں مفصلہ ذیل یورپینس کی کتابوں سے مولانا شبیر اور سید صاحب اور محمدی مذاہب جسے غلطی سے دہلیہ سے پکارا گیا اس کی نسبت کچھ طویل آرائے کا خلاصہ کرتا ہوں (حیات طیبہ ص ۲۲۹)

اور پھر اسی صفحہ میں لکھا کہ۔ اور خواہ مخواہ بیچارے محمدیوں کو خوفناک صورت میں دکھایا ہے الخ

جناب حافظ اکرم صاحب جبر اچھڑی چوپٹے غیر متکد تھے پھر منکر حدیث ہو گئے (چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ والد مولانا سلامت اللہ صاحب اگرچہ خالص ائمہ حدیث تھے مگر ان میں تعصب مطلق نہ تھا۔ نوادرات ص ۲۷۱۔ اور مزید لکھتے ہیں کہ ہمارا گھر مقامی اور بیرونی علماء ائمہ حدیث کا مرجع تھا۔ نوادرات ص ۲۷۲۔ اور لکھتے ہیں کہ اہل حدیث کے نزدیک فقہ کی دینی اہمیت نہیں ہے اس کی تعلیم محض تمام نصاب کے لیے دی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے اکثر مسائل سے ہماری روح بغاوت کرتی تھی۔ نوادرات ص ۲۷۲، لکھتے ہیں کہ پہلے اس جماعت نے اپنا کوئی خاص نام نہیں رکھا تھا۔ مولانا شہید کے بعد جب مخالفوں نے ان کو بدنام کرنے کے لیے دہلائی کہنا شروع کیا تو وہ اپنے آپ کو محمدی کہنے لگے پھر اس کو چھوڑ کر ائمہ حدیث کا لقب اختیار کیا جو آج تک پلا جاتا ہے (نوادرات ص ۲۷۳) ان سب ٹھوس حوالوں سے ثابت ہوا کہ یہ فرقہ ۱۲۴۶ھ کے بعد کی پیدائش اور بالکل نئی بدعت ہے پہلے یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہلاتے تھے اور لوگ ان کو دہلائی کہتے تھے لیکن بعد کو کمال ہوشیاری اور سرکاری نوازش سے ائمہ حدیث بن گئے۔

مولانا محمد علی صاحب الصدیقی لکھتے ہیں کہ

نواب (صدیق حسن خان) صاحب نے عبدالحق بناری سے ۱۲۸۵ھ میں جب مکہ میں حج کو گئے اجازت لی اجازت نامہ میں اپنے نام کے ساتھ محمدی لکھا یہی پلانا نام تھا ائمہ حدیث مولانا سید نذیر حسین (صاحب) کارکھا ہولہے (حاشیہ نذیرب اہل سنت والجماعت ص ۳۶) علامہ سید سلیمان ندوی (المتوفی ۱۳۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

ہندوستان میں ائمہ حدیث کے نام سے تحریک یہ نذیر حسین صاحب دہلوی اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ سے شروع ہوئی (حیات شبلی حاشیہ جلد اول ص ۳۸)

جناب محقق ڈاکٹر پروفیسر محمد الیوب صاحب قادری (المتوفی ۱۹ صفر ۱۴۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ۔

مولوی محمد حسین (وف ۱۳۳۸ھ) نے سرکاری تحریات میں دہلائی کے بجائے ائمہ حدیث لکھے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کر دیے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد ۱۲۹۲ھ میں لکھا انگریزی اور عربی میں اس کے ترجمے ہوئے ۱۹

(حاشیہ جنگ آزادی ص ۷۱)

مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں کہ۔

اس کتاب پر (مولوی محمد حسین بٹالوی) انعام سے بھی سرفراز ہوئے جماعت اہل حدیث کو فرقے کی شکل
 دینے میں ان کا خاص حصہ ہے اہل (ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک ص ۲۱۲)
 غیر مقلد عالم مولانا عبد المجید صاحب خادم سوہدروی لکھتے ہیں کہ
 (مولوی محمد حسین بٹالوی نے) اشاعت السنۃ کے ذریعہ اہل حدیث کی بہت خدمت کی لفظ دہائی آپ ہی کی
 کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موبوم
 کیا گیا ... (آپ نے) حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔
 (سیرت شانی از مولانا عبد المجید خادم سوہدروی گوہر انوار ص ۱۹۵۲)

اور حافظ اسلم صاحب لکھتے ہیں کہ
 نواب صدیق حسن خان نے بھوپال سے اس تحریک کی مالی اور علمی امداد کی جس سے اس کو عظیم الشان
 تقویت پہنچی بلقظہ (نوادرات ص ۲۴۳)

یہ ہے ہندوستان میں غیر مقلدین اور نام نہاد اہل حدیث کی مختصر سی کہانی کہ اس فرقہ کا بانی حضرت
 سید احمد بریلوی کی مبارک اور مجاہدہ مجلس سے راندہ ہوا عبدالحق بنارس تھا لوگوں میں یہ فرقہ دہائی کے لفظ سے
 موسوم تھا لیکن وہ اپنے کو محمدی کہلاتا رہا پھر سعی ینبع کر کے یہ فرقہ اہل حدیث بنا اور جہاد کی منہویت کی
 کتاب لکھ کر سرکار برطانیہ سے انعام اور جاگیر بھی پائی اور اس کے صلہ میں سرکاری کاغذات اور دفاتر
 سے لفظ دہائی منسوخ کر کے اہل حدیث کا حکم صادر کر لیا مگر صد حیرت ہے کہ یہ فرقہ مقلدین حضرات کو
 چوتھی صدی کے بعد کی بدعت کا طعنہ دیتا ہے اور اپنے گمبیاں میں منہ ڈال کر جھانکنے کی ذرہ بھر تکلیف
 نہیں کرتا ہے

غیر کی آنکھوں کا تنگہ تجھ کو آتا ہے نظر دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی
 کتب حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصول فقہ، شرح حدیث، تاریخ اور سائنس
 لفظ اہل حدیث پر وغیرہا میں صدیوں سے اہل حدیث اور اصحاب اہل حدیث کا جملہ نقل در نقل ہوتا چلا
 آ رہا ہے جو علم حدیث کی سندا و متقا خدمت کرنے والوں پر اور بالفاظ دیگر حضرات
 محدثین کو ائمہ پر بولا جاتا ہے۔ عام اس سے وہ حنفی ہوں یا مالکی شافعی ہوں یا حنبلی وغیرہ مگر زمانہ حال کے
 کے غیر مقلدین حضرات اہل حدیث صرف اپنے ہی لیے سرکار برطانیہ سے الاٹ کر لیا ہے، اور عوام کو یہ دھوکہ

میتے ہیں کہ ہم وہی اہل حدیث اور اصحاب الحدیث ہیں جن کا ذکر کتابوں میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ مگر چہ نسبت خاک کا باغ پاک۔ کہاں صحیح معنی میں اہل حدیث اور کہاں نام نہاد اہل حدیث؟ اس کو آپ اسی طرح سمجھیے جس طرح کہ اسرائیل فلسطینیوں کو ان کے جدی پشتی گھروں سے بے دخل کر کے ان کے گھروں پر قابض ہے اور لاکھوں کی تعداد میں فلسطینی کمپوں میں ہتے اور در بدر ٹھوکریں کھاتا ہے ہیں اور اسرائیل دہناٹا پھیر رہا ہے کہ فلسطین ہمارا ہے اور اصل باشندوں کو قریب بھی نہیں آنے دیتا یہی حال نام نہاد اہل الحدیث کا ہے بے بغضتہ تعالے ہم نے ٹھوس حوالوں سے اہل حدیث اور اصحاب الحدیث کا مطلب اور معنوم طائفہ مفسورہ میں بڑی وضاحت سے عرض کر دیا ہے اس کی طرف ضرور مراجعت کریں۔ تاکہ حقیقت حال بالکل نمایاں ہو جائے اور فریق ثانی کی سینہ زوری بھی عیاں ہو جائے کہ وہ کیا کہتا اور کرتا ہے؟

فہم بھی کرتا ہے اور کہتا ہے فریاد نہ کر جبر اتنا تو میرے حال پر صیت نہ کر

علماء احناف نے اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے جس طرح قرآن کریم اور علوم قرآن اور فقہ کی خدمت کی ہے اسی طرح انہوں نے ہر دور اور ہر ملک میں بڑھ چڑھ کر حدیث کی بھی خدمت کی ہے تاریخ اور کتب اسرار الرجال سے اونٹنی واقفیت رکھتے والا کوئی بھی ان کی اس خوبی کا انکار نہیں کر سکتا باقی ضدی اور متعصب کا اس جہان میں کوئی علاج نہیں ہے چونکہ فریق ثانی کے بعض دوست اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ہندوستان میں علم حدیث ان کے ذریعے ہی پھیلا ہے جب کہ علماء احناف صرف فقہ کے ناشر ہے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کے اپنے گھر کا حوالہ عرض کر دیا جائے تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ کیونکہ مشورہ ہے کہ گھر کا بھیدی لٹکا ڈھائے۔

مولانا محمد ابراہیم تیریا لکھنؤی (المتوفی ۱۳۷۵ھ) اپنی مشہور کتاب تاریخ اہل حدیث حصہ سوم میں یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔ ہندوستان میں علم و عمل بالحدیث اور اس کے تحت یہ نام درج کرتے ہیں۔

(۱) شیخ رضی الدین صفانی لاہوریؒ (المتوفی ۶۵۰ھ)

(۲) علی متقی جرنپوریؒ (المتوفی ۹۷۵ھ)

(۳) محمد طاہر گجراتیؒ (گجرات کاٹھیاوار) (المتوفی ۹۸۶ھ)

(۴) عبدالرحمن محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ)

- (۵) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (المتوفی ۱۰۳۲ھ)
 (۶) " نور الحقؒ (۱۰۷۳ھ)
 (۷) سید مبارک محدث بگرامیؒ (۱۱۱۵ھ)
 (۸) شیخ نور الدین احمد آبادیؒ (۱۱۵۵ھ)
 (۹) میر عبد الجلیل بگرامیؒ (۱۱۳۸ھ)
 (۱۰) حاجی محمد افضل سیالکوٹیؒ (۱۱۴۶ھ)
 (۱۱) حضرت مرزا منظر جانجاناں شہیدؒ (۱۱۹۵ھ)
 (۱۲) امام اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ (۱۱۷۶ھ)
 (۱۳) حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ (۱۲۳۹ھ)
 (۱۴) " " رفیع الدین صاحب دہلویؒ (۱۲۳۰ھ)
 (۱۵) " " عبد القادر صاحب دہلویؒ (۱۲۳۰ھ)
 (۱۶) " " محمد اسماعیل شہیدؒ (۱۲۴۶ھ)
 (۱۷) استاد الافاق حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ (۱۲۶۲ھ)

(تاریخ المحدثین ص ۲۸۷ تا ص ۲۲۲ طغصا)

اور یہ سب کے سب حضرات خفی تھے جن کی بدولت بقول مولانا میر صاحب ہندوستان میں حدیث کا علم اور عمل پھیل گیا اور لوگوں نے ان کی خوشہ چینی کرتے ہوئے حدیث و سنت کو اپنا یا بقیہ جملہ حضرات کے خفی اور مقلد ہونے میں تو کسی اہل علم کو کوئی تردد اور شک و شبہ نہیں ہو سکتا اگر کچھ شبہ ہو سکتا ہے تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ کی بعض آزاد عبارتوں سے ہو سکتا ہے لیکن ان کا خفی ہونا بھی ایک ثابت اور واضح حقیقت ہے۔ فریق ثانی بھی تسلیم کرتا ہے چنانچہ نواب صدیقی حسن خان صاحبؒ۔

۱۔ حاجی محمد افضل صاحب سیالکوٹیؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے استاد تھے چنانچہ شاہ صاحبؒ خود بقول الجلیل (ص ۱۶۴ طبع کانپور) میں فرماتے ہیں واجد فی مشکوٰۃ المصابیح وصیح البخاری وغیرہ من الصحاح الست الثقتہ الثبتہ حاجی محمد افضل لہ یعنی مشکوٰۃ اور بخاری وغیرہ صحاح ستہ کی کتابوں کی اجازت مجھے ثقہ اور ثبت حاجی محمد افضل صاحبؒ نے دی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے بارے تصریح کرتے ہیں کہ وہ حنفی تھے۔
 (الخطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص ۱) نیز لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب جو بڑے عالم حنفیوں میں اور بڑے مُتبعِ کتاب و سنت تھے (ترجمانِ دہلیہ ص ۱۱) اور مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی گوہرِ انوار الہی لکھتے ہیں کہ حضرت مجددِ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شاہ ولی اللہ کے اہل خانہ کے کرام تک یہ تمام مصلحین عظام ظاہری اعمال میں عموماً فقہ حنفی کے پابند تھے (حیات النبی ص ۱۱)

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پہلے رفع یدین کرتے تھے اور اسی دور میں انہوں نے تنویر العینین فی رفع یدین لکھی تھی آخر میں رفع یدین ترک کر دیا تھا۔ بجز اللہ تعالیٰ طائعہ منصرہ میں ہم نے اس پر باحوالہ بحث کر دی ہے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ حضرت مولانا شہید کے متعلق فرماتے ہیں کہ۔ اور وہ یہ فرماتے تھے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملے اُس پر عمل ہوں ورنہ ابوحنیفہؒ کی رائے کا مقلد ہوں۔ (فتاویٰ رشیدیہ مج ۱۲۲، طبع جدید برقی پریس دہلی)

اور ایک بار ارشاد فرمایا کہ مولانا اسماعیل صاحب شہید اور حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا یہ مشرب تھا کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کے مقابلہ میں کسی کے قول پر عمل نہ کرے اور جہاں حدیث صحیح غیر منسوخ نہ ملے تو مذہب حنفی سے بڑھ کر کوئی مذہب محقق نہیں بلغظہ (تذکرۃ الرشیدیہ ص ۲۶۴) اور نیز فرماتے ہیں کہ بظہر نے جو کچھ فرمایا ہے مولانا مرحوم کا وہ یہ ہے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملی اس پر عمل کرتے تھے اگر نہ ملتی تو اہم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے تھے اور (فتاویٰ رشیدیہ مج ۱۲۴)

الغرض ان حضرات کا حنفی ہونا دلائل اور ٹھوس حوالوں سے ثابت ہے جس کا انکار مشکل ہی نہیں سراسر تعدی بھی ہے اپنے اپنے دور میں انہی حضرات کی انتہائی کوشش اور بے حد کاوش سے ہندوستان میں کتابِ سنت اور علومِ دینیہ کی نشر و اشاعت ہوئی اور آج تک مسلمان اُن کی سعی سے استفادہ کر رہے ہیں اور انشاء اللہ العزیز آنے والی نسلیں بھی جن کی قسمت میں اسلام ہوگا متبع ہوں گی۔

مولانا میر صاحب یا لکھنؤیؒ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے مشہور تلامذہ میں بائیس حضرات کا ذکر کرتے ہیں جن میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مولانا شیخ محمد صاحبؒ تھانویؒ، مولانا شاہ عبد الغنی صاحب دہلویؒ، مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ وغیرہم ہیں اور یہ تمام اکابر حنفی مسلک

پرتھے۔ اور ان کے تلامذہ میں اپنے شیخ اکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی کا ذکر بھی کرتے ہیں اور بیان ہو چکا ہے کہ ہندوستان میں یہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے منظم طریقہ سے مشن کے طور پر غیر مقلدیت کو چلایا چکایا اور پرتان چڑھایا اور اس کے لیے باقاعدہ ایک مہم کے تحت افراد پیدا کیے گئے جنہوں نے تقریر اور تحریر اور تدریس اپنے مسک کی خوب نشرو اشاعت کی اور خود بھی انہوں نے اپنے سینہ کے ذریعہ راز کو معیار الحق کے سفینہ پر ثبت کر دیا اور اس طرح اس نو مولود فرقہ کو خاص فروغ حاصل ہوا کیونکہ ظالم انگریز کے خلاف جہاد میں مسلمان پیش پیش تھے اور علماء کے ہاتھ میں ان کی قیادت تھی اور یہ بھی حقیقی تھے جیسا کہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ کسی نے نہ جھوگا کہ آج تک کوئی مؤجد متبع سنت حدیث و قرآن پر چلنے والا بے وفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا ہو یا فتنہ انگیزی اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہو جتنے لوگوں نے غدر میں شرفار کیا اور حکام انگلیشیہ سے برسرِ غدا ہوئے وہ سب سب مقلد ان فریب حقیقی تھے نہ متبعان حدیث نبوی (ترجمان دہلیہ ص ۲۵) الحمد للہ تعالیٰ اجباد ۱۸۵۷ء کا فخر اخاف کو حاصل ہے۔

اس لیے انگریز نے اپنے سیاسی مفاد کی خاطر علوم کے دلوں سے علماء کا وقار اور ان پر اعتماد بالکل نکال کر بے اعتمادی کی فضا پیدا کی اور آزادی ٹائے کا سببی اہل ہند کو ازبر کیا جس سے غیر مقلدیت کے لیے زمین خالی ہو گئی۔ مشور غیر مقلد علم مولانا محمد شاہ جہانپوری لکھتے ہیں کہ پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے اپنے آپ کو وہ تو اہل حدیث یا محمدی یا مؤجد کہتے ہیں مگر مخالف فرقہ میں ان کا نام غیر مقلد یا دہلی یا لاندہیب لیا جاتا ہے لہذا ارشاد الی بسیل الرشاد ص ۱۲ بحوالہ اہل حدیث اور انگریز مولانا بشیر احمد قادری ص ۱۵۱

قارور کس سے ملتا ہے؟ محدث العراق الحافظ المفید المکثر المحض عمر بن احمد البغدادی المعروف بابن شاہین (المتولد ۲۹۶ھ) جنہوں نے ۳۰۷ھ میں سماعت حدیث شریف کی تھی (ذکرہ ص ۱۸۳)

اور ان کی وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی تھی امام دارقطنی کا بیان ہے۔

ابن شاہین مصلح علی الخطاء و هو عقیقۃ کہ محدث ابن شاہین غلطی پر ڈٹ جاتا ہے اور تحفہ اور علامہ خطیب بغدادی امام محمد بن عمر الدوادری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ابن شاہین بقیۃ الشیوخ الا اند محدث ابن شاہین بقیۃ السعیدین میں سے تھے

كان لحنانا ولا يعرف الفقه وكان
اذا ذكر له مذهب احد يقول انا
محمدي المذهب

(تذکرہ ص ۱۸۴)

محمدی المذہب ہوں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نام نداد محمدیٹ کا نوحدٹ فرقہ ۱۲۴۶ھ سے بعد کی پیداوار ہے اور یہ پہلے
اپنے آپ کو محمدی کہتے تھے جب کہ لوگ ان کو وہابی کہتے تھے۔ پھر ترقی کر کے اور سرکار برطانیہ کی طرف
درجہ کر کے اور اسے جہاد کی مشوخیت کی گیت سنا کے سرکاری دفاتر میں اہل حدیث بن گئے اور یہی
نام اب تک چلا جاتا ہے جب نواب صدیق حسن خان صاحب نے محدث ابن شامین کے بیان میں
محمدی المذہب کے لفظ دیکھ لیے تو چھوٹے نہ سمجھے اور ان کا قول نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ

وازیں جا ثابت شد کہ محمدی گفتن خود را مآثر
از سلف صلحاء است ایجاد متبعان این زمان
نیست بلکہ این انتساب از مدت نزدیک صد سال
بمورد آمده است قاصران کہ تتبع احوال علماء و تراجم
سلف صلحاء ندانند از کسے کہ خود را محمدی میگوید
حیرت می افتند و تعجب میکنند و عجیب تر ازین
آنست کہ از گفتن حنفی و شافعی مثلاً متعجب و
متحیرنے گردند

(رد المحتار ج ۱۰ ص ۵۲۵)

آپ کہ حنفی اور شافعی کہنے پر تعجب لہجہ متحیر نہیں ہوتے۔

لیکن یقین جانیے کہ محدث ابن شامین سے یہ عصب کیا ہوا لفظ بھی ان حضرات کو مفید نہیں اس لیے
کہ یہ لفظ بھی چوتھی صدی کی بدعت ہے فرق اتنا ہی نیگے گا کہ بقول ان کے حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید چوتھی صدی
کے بعد کی بدعت ہوگی اور محمدی المذہب کا لقب چوتھی صدی کی بدعت ہوگی اور یہ لفظ نہ تو آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے ثابت ہے۔ یہ چوتھی صدی کے ایک محدث سے ثابت
ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ فقہ کے علم سے بھی محروم تھے اور غلطی پر ڈٹ جاتے والے تھے یہی حال ہے

زمانہ حال کے نام نہاد اچھڑت کا کہ فتنہ کے پیچھے لٹھ لیے پھرتے ہیں اور غلط باتوں پر ڈٹ جانا تو ان کی گھٹلی میں
 داخل ہے جس سے اول باختر نسبتے دارد کا خوب خوب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ حضرات ائمہ کرامؑ سے محبت کا
 دم بھی بھرتے ہیں اور ان پر برسے اور نہیں کہنے سے بھی باز نہیں آتے۔
 بتائے عقل انسانی کوئی حل اس مُتَمّے کا نظر کچھ اور کہتی ہے خبر کچھ اور کہتی ہے۔

باب ہفتم

ممکن ہے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ احادیث کے ظاہری مفہوم ہی کو کیوں نہ لے لیا جائے تاکہ کسی بھی امام کی فقہ اور تقلید کی ضرورت ہی پیش نہ آئے کہ فلاں امام نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے اور فلاں نے یہ مطلب لیا ہے؟ خصوصاً جب کہ فہم معنی میں حضرات ائمہ کرامؑ کے نظریات جدا ہیں۔ اور ب اوقات ان میں تضاد بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک امام ایک چیز کو جائز، حلال، مباح اور صحیح کہتا ہے۔ تو دوسرا ناجائز، حرام اور غلط قرار دیتا ہے۔ اندریں حالات ہم کس کو مصیب اور کس کو محظیٰ کہیں؟ کس کی تقلید کریں اور کس کی نہ کریں جب یہ طرزی ہی تقلید اور حضرات ائمہ کرامؑ پر اعتماد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو اس سے کنارہ کشی ہی کیوں اختیار کر لی جائے۔ کہ ہینگ لگے نہ پھٹ کر مٹی۔

اک مقام ایسا بھی آیا ہے محبت میں سردی ان حسین ہاتھوں سے بھی دامن چھڑا لیا پڑا

الجواب سلی طور پر تو یہ اعتراض بڑا خوشنما اور خوبصورت نظر آتا ہے اور ظاہر بین اس کو گلے کا بار بنانے پر تیار ہو جاتا ہے۔ مگر غور و فکر کے بعد اس کی اصلیت کھلتی ہے وہ یوں کہ

ہر آدمی ہر بات کی تہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ بسا اوقات ایک آدمی الفاظ اور پیش آمدہ واقعہ سے کچھ اخذ کرتا ہے اور ظاہری طور پر وہ اسے ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا لیکن غور و فکر اور تشریح کے بعد وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور اسے تسلیم سے کوئی مخلص نہیں ملتا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر اور کون آپ کا رمز فہم ہو سکتا ہے؟ اور ان سے بڑھ کر حقیقت آشن اور نکتہ رس اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر صد حیرت اور ہزار افسوس اس امر پر ہے کہ بعض غیر مقلدین حضرات، حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی سنت سے ناواقف بتاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے مولانا محمد صادق خلیل غازی ترمذی رحمہ اللہ علامہ الشیخ محمد ناصر الدین البانی کا ترجمہ کرتے

ہوئے اس کے مقدمہ میں چیلنج کے عنوان کے تحت یہ بھی لکھتے ہیں کہ پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و عمل کے ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ کے قول و عمل کو تنجیح دینا اور اس پر عمل پیرا ہونا صحیح نہیں ممکن ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ سنت نبوی سے ناواقف تھے ہوں۔ الخ بلفظ (مقدمہ نماز تراویح ص ۱۲ طبع نفیس پرنٹنگ پریس فیصل آباد)

اس عبارت کا اول حصہ تو محل نزاع سے خارج ہے خط کشیدہ الفاظ قابل گرفت ہیں۔ کیونکہ ایک دو حضرات صحابہ کرامؓ کا معاملہ ہوتا تو بات جدا تھی کیونکہ ہر صحابی ہر وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس و خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے اور آپؐ کی مجلس میں دین کی باتیں ہر وقت ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن مجموعی طور پر تمام حضرات صحابہ کرامؓ کو سنت نبوی سے ناواقف قرار دینا بڑی جسارت کی بات ہے۔ جب یہ ممکن ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ سنت نبوی سے ناواقف تھے ہوں تو چودھویں صدی کے مجتہدین کو سنت کہاں سے حاصل اور نصیب ہوئی؟ چونکہ حضرت عمرؓ کے دور سے حضرات صحابہ کرامؓ کا بیسلس تراویح پڑھنا لوڑ سے ثابت ہے جس کا انکار بغیر کسی متعصب اور ضدی کے اور کوئی نہیں کر سکتا ایسے یہ دعوے کر کے اپنے ناخواندہ حوالہوں کو آٹھ تراویح کے سنت ہونے کی لوری دی ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کو سنت نبوی سے ناواقف گردانا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے ایسا لکھنے والوں کے حق میں اس کے ساتھ کیا کہہ سکتے ہیں کہ

ہماری وضع داری ہے جو ہم خاموش ہیں ورنہ یہ بہزن ہیں جنہیں ہم رہبر منزل سمجھتے ہیں (مثلاً واقعہ صلح حدیبیہ کو ہی لے لیجیے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت ابو جندلؓ بن سیلؓ کو کفہ کی طرف والپس کر دینا خود آپؐ کو بھی اور حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی کس قدر ناگوار تھا۔ اور بعض حضرات صحابہ کرامؓ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ سبحان اللہ اس مسلمان کو پھر کافروں کی طرف کیسے لوٹایا جاسکتا ہے؟ (بخاری ص ۲۸) اور ان کی واپسی مسلمانوں کو ناپسند اور شاق گزری (فکرہ المؤمنون ذلک واستصواب بخاری ص ۶۶) اور حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر ہم پر کمزور شرط جو مشرکین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ کیوں قبول کریں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا وہ میری مدد کرے گا (بخاری ص ۳۱)

ملاحظہ کیجئے! کہ حضرات صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مشرکین کی طرف سے پیش کردہ شرک لفظ کو تسلیم نہ کرنا اور ایک مسلمان کو جو بیٹریوں میں جکڑے ہوئے بڑی مشقت اٹھا کر آپ کے پاس پہنچے تھے واپس کرنے کا عمل ابتداءً سمجھ نہ آ سکا۔ بلکہ ناگوار گزارا مگر بالمالی حقیقت سامنے آ گئی۔ ایک طرف ان حضرات کی اس واقعہ کے متعلق بے چینی۔ بے قراری اور ناگواری ملاحظہ کریں اور دوسری طرف اسی واقعہ کے متعلق حضرت ابو بکرؓ کی معاملہ فہمی اور اطمینان قلبی دیکھیں کہ جب وہی گفتگو جو حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کی تھی وہی حضرت ابو بکرؓ سے کی تو انہوں نے نہایت ہی سکون سے فرمایا کہ۔
 ایتھا الرجل اللہ رسول اللہ ویلس
 یعصی ربہ! وهو ناصرہ فاستمسک
 بفرزم فواللہ اللہ علی الحق
 اے شخص بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول
 ہیں اور آپ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اللہ
 تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔ سو آپ کی رکاب کو
 پکڑے۔ کھ بجز آپ حق پر ہیں۔
 (بخاری ص ۲۸)

واقعہ صرف ایک ہے مگر آپ نے دیکھا کہ آراء اور نظریات اس کے بارے میں مختلف ہیں یہی حال
 حضرات مجتہدین کا ہے۔ کہ وہ خدا وادھم و فراست کے مطابق الفاظ و واقعہ اور عمل کا جائزہ لیتے ہیں۔ کوئی
 مصیب و ماجر ہو تب اور کوئی غلطی و مغرور۔ جو زبان حال یہ کہتے ہیں۔
 مجھے ملال نہیں اپنی بے نگاہی کا جو دیدہ ور ہیں انہیں بھی نظر نہیں آتا

مصلحت وقت کا تقاضا
 شرعاً کسی وقت مصلحت بھی مسلم پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس سے عہدہ برآ
 ہونا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ صاحب فراست و بصیرت ہی اس مشکل کام کو
 حل کر سکتا ہے۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ (المتوفیۃ ۵۷ھ) فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا
 کہ کیا حجر و طیم (جو تقریباً دس فٹ کا بغیر چھت کے کعبہ ہی کا حصہ ہے) بیت اللہ کا حصہ ہے؟ آپ نے فرمایا
 ہاں! میں نے کہا کہ لوگوں نے اس کو بیت اللہ میں کیوں داخل نہیں کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ تیری قوم کے
 پاس دینی اہل مکہ کے پاس جب کہ ابو وہب بن عابد کعبۃ اللہ کا متولی تھا اور اس نے اعلان کیا تھا کہ کعبہ کی
 تعمیر میں عورتوں کی ناجائز کھائی۔ سود کی رقم۔ اور لوگوں سے ناجائز طریقہ سے لی ہوئی رقم چندہ میں پیش نہ کرنا
 ہمارا مشن جاری ہے۔ لہذا حلال کی رقم اتنی جمع نہ ہو سکی تاکہ حجر و طیم کو اندر داخل کر کے قواعد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ

پر اس کی بنیاد رکھی جا سکتی اور اس کجی مال کی وجہ سے یہ سانحہ پیش آیا۔ میں نے کہا کہ کعبۃ اللہ کا دروازہ کیوں بلند کیا گیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ بھی تیری قوم کی کارستانی ہے۔ تاکہ جس کو چاہیں کعبہ میں داخل نہ کر دیں۔ اور جس کو چاہیں منع کر دیں۔ اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی اور مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ ان کے دل میسری کارروائی کا انگ اکڑ کریں گے۔ تو میں حجر کو بیت اللہ میں داخل نہ دیتا اور دروازے کو پست نہ کر کے زمین کے برابر نہ کر دیتا۔ اور دو دروازے بنا دیتا۔ ایک مشرقی سمت میں اور دوسرا مغربی سمت میں۔

(محصلہ بخاری ص ۲۱۵ و مسلم ص ۴۲۹)

چونکہ آپؐ کے سامنے قوم کے بگڑنے اور اوبام میں مبتلا ہونے کا خدشہ اور خطرہ تھا۔ اس لیے اس مصلحت کے پیش نظر کعبۃ اللہ کو اساس ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر تعمیر کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت بھی شرعاً مطلوب ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت عمرؓ نے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے قتل کی اجازت طلب کی۔ تو اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَعَلَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنْ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهُ (بخاری ص ۴۲۸ و مسلم ص ۴۲۹)

فارمین کریم نے دیکھ لیا کہ منافقین وہی تو ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کے ظاہری الفاظ یہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ
وَالْمُكَافِرِينَ (پہ۔ التوبہ - ۱۰)

مگر باوجود اس کے ہر منافق تو کیا قتل کیا جاتا۔ بڑا موزی منافق بھی جس نے بارہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور ذات مقدسہ پر رکیک حملے کیے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اہتمام بھی لگائے اور اس سلسلہ میں پیش پیش رہا۔ اس کو بھی اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ لوگوں میں یہ چرچا نہ ہو کہ آپؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔

چونکہ منافق ظاہری طور پر کلمہ اور نماز پڑھتے تھے اس لیے عوام الناس کو ان کے منافق ہونے کا کیا علم ہو سکتا تھا؟ اور ان کے قتل کر دینے سے ایک تو خیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے سے نفرت ہو جاتی کہ مسلمان ہونے کے بعد کہیں ہماری باری بھی نہ آجائے۔ اور دوسرے تو مسلموں کے دلوں میں کئی

قسم کے شکوک پیدا ہو سکتے تھے۔ اس مصلحت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منافقوں کے قتل سے منع فرمایا۔ حالانکہ دوسرے منافق عموماً اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سہسبہ اپنی منافقانہ سازشوں کی بنا پر ہرگز نہ جان بخشی کے قابل اور مستحق نہ تھا۔

(۳) جب مکہ مکرمہ اور حنین کی فتح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غنیمت کا سارا مال قریش اور نو مسلموں کو دیدیا۔ اور بخاری شریف کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے کہ۔

وَلَمْ يَعْطِ الْانصَارَ مِثْلًا
آپ نے انصار کو کچھ بھی نہ دیا

اس پر انصار کے فوجوانوں میں غم اور خضہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور یہاں تک بھی وہ کہہ گئے کہ لڑنے کو ہم اور غنیمت لینے کو قریش۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو انصار کو جمع کیا اور ان سے پوچھا۔ انصار کے صحبدار طبقہ نے کہا کہ حضرت! ہم نے تو کچھ نہیں کما۔ ہاں البتہ فوجوانوں نے ایسی باتیں ضرور کی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے قریش کو غنیمت کا مال اس لیے نہیں دیا کہ وہ مستحق اور تم غیر مستحق تھے۔ بلکہ میں نے ان کو تالیف قلب کے لیے مال دیا ہے۔ کہ ان کے دل میں اسلام جم جائے پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو مال و زرے کہ جائیں اور تم جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ (مدینہ منورہ) لے جاؤ۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ سَلَكَ السَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتْ
اگر لوگ ایک وادی میں چلنے لگیں اور انصار دوسری
الانصار شعباً لا اخترت شعب الانصار
وادی میں چلیں تو میں ضرور انصار کی وادی ہی کو ترجیح
دوں گا۔ (بخاری ص ۶۲۱ و مسلم ص ۳۳۹)

یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں وادی انصار کو اختیار کرتے ہیں؟ اور کیا پیغمبر کو غیر پیغمبر کی وادی پر چلنا جائز ہے؟ فریق ثانی تو اس اقتدار۔ اتباع اور تقلید کو بھی شرک کہتا ہے۔ جس میں کوئی کسی امام کی اقتدار کرے۔ لیکن یہاں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باوجود نبی اور معصوم ہونے کے انصار کی وادی کو نہ صرف یہ کہ مقبول ہی کرتے ہیں۔ بلکہ ترجیح بھی دیتے ہیں۔

شرح حدیث اس حدیث کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

اراد بالوادی الرکۃ والمذہب
وادی سے آپ کی مراد رائے اور مذہب ہے۔

(ہامش بخاری ص ۶۲۱)

فرق ثانی ہی اس گروہ کو کھول سکتا ہے کہ بنی معصوم کس طرح انصار کی ٹائے اور مذہب کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ اگر کوئی اور اس حدیث سے غیر معصوم کے مذہب اور ٹائے کے حجت ہونے پر استدلال کرے تو اس کے لیے بھی تو گنجائش ہونی چاہیے۔ کمال کھنی۔

بحث خواہ مخواہ طویل ہو رہی ہے۔ کتنا صرف اتنا ہی تھا کہ مصلحت وقت اور حالات زاد کی بنا پر اپنے انصار کو مال غنیمت سے کچھ بھی نہ دیا اور بظاہر غیر مستحقین ہی کو سب کچھ دیدیا مگر جو کچھ آپ نے کیا وہی حق تھا جس سے بالآخر سب مطمئن ہو گئے۔

قاریین کرام! ایسے بے شمار دلائل ہیں جن سے مصلحت وقت کا ثبوت آفتاب نیروز کی طرح ثابت ہے۔ ہم سر دست اپنی واقعات اور براہین پر اتکا کرتے ہیں۔

اس تمہید کے ساتھ ایک کڑی یہ بھی ملا لیجئے کہ ایک ہی عبارت اور نظم کلام سے بظاہر دو متضاد حکم بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور ایک ہی واقعہ میں مصلحت وقت کے پیش نظر ایک جائز حکم کو ترک کر کے دوسرا راجح اور بہتر حکم کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ ایک ہی قسم کے مسئلہ میں دو مختلف شخصیتوں کے فیصلے الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل دلائل اور براہین پر آپ گہری اور غائر نظر دوڑائیے۔

(۱) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام کا ایک خاص واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ قصہ یوں تھا کہ ایک قوم کی بکریاں رات کے وقت چرواہے کے بغیر کسی کی کھیتی میں جا پڑیں۔ اور اس کو چرگئیں۔ مقدمہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پیش ہوا۔ چونکہ کھیت کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمان میں وہ بکریاں کھیت والے کو واپس دیں۔ اور اصل قانون شرعی کا یہی مقتضی تھا جس میں مدعی یا مدعی علیہ کی رضا بھی شرط نہیں۔ مگر چونکہ اس میں بکری والوں کا بالکل نقصان تھا۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور مصالحت کے جو تراضی جانین پر موقوف تھی یہ صورت تجویز فرمائی کہ چند روز کے لیے بکریاں تو کھیت والے کو دیدی جاویں۔ کہ ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گھر کرے۔ اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کیا جائے۔ کہ اس کی خدمت آپاشی وغیرہ سے کریں۔ جب کھیت پہلی حالت پر آجائے تو کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دیدی جائیں۔ اصل الفاظ مع ترجمہ دیکھئے۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ
اور داؤد اور سلیمان کا تذکرہ کیجئے۔ جب دونوں کسی

اِذْ فَضَّلْتُمْ فِيهِمْ غَنَمَ الْقَوْمِ وَكُنَّا
لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝ فَفَهَّمْنَاهَا
سُلَيْمَانَ وَكُلَّ آتِنَا حُكْمًا وَعَلَّمَا آلَ دَاوُدَ
رَبِّكَ الْغَفَّارَ (۵)

کھیت کے باغ میں فیصلہ کرنے لگے جب کہ کچھ لوگوں
کی بجائیاں رات کے وقت کھیتی میں جا پڑیں۔ اور ہم اس
فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے اس فیصلہ کی (حقیقی) سمجھ
سلمان کو دیدی۔ اور ہم نے دونوں کو علم اور حکمت عطا فرمایا تھا۔

دیکھئے! دونوں کے فیصلے بظاہر بالکل متضاد نظر آتے ہیں۔ مگر دونوں کے باغ میں اللہ تعالیٰ نے
ارشاد فرماتا ہے: وَكُلَّ آتِنَا حُكْمًا۔ اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔ اس کا فیصلہ تو فری ثانی
ہی اپنے اجتہاد سے کر سکتا ہے کہ دو متضاد حکم ایک وقت اور ایک حادثہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت
اور علم میں داخل ہو سکتے ہیں؟ لیکن جو مصلحت آمیز پہلو تھا اس کی سمجھ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو عطا
فرمادی تھی۔ جس میں نہ کھیتی والے کا نقصان باقی رہا اور نہ بکری والوں کا۔

(۱۲) غزوہ خندق کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کو حکم دیا کہ۔

لَا يُصَلُّونَ أَحَدًا رَا الْعَصَىٰ فِي بَنِي
قَدِیْظَةَ۔
کوئی شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے۔ مگر جو قرینہ میں
جا کر

حضرات صحابہ کرام نے حکم سن کر اور چل پڑے۔ راستہ میں عصر کا وقت ہو گیا۔ بعض حضرات صحابہ کرام نے
وہیں نماز پڑھ لی۔ اور کہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ تم جلدی وہاں پہنچو۔ یہ مطلب
نہ تھا کہ تم راستے میں نماز ہی نہ پڑھنا۔ گویا اس گروہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس حکم کی اصل
علت سمجھ لی اور آپ کے ارشاد کو سن کر حکم کی روح پر عمل کیا۔ اور دوسرے گروہ نے کہا کہ آپ نے
تو فرمایا ہے کہ جو قرینہ میں جا کر نماز پڑھنا۔ اس لیے ہم تو راستے میں نماز نہیں پڑھیں گے۔ بلکہ وہاں جا
کر ہی پڑھیں گے اس گروہ نے الفاظ کو دیکھا۔ جب دونوں کا قصہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
سامنے پیش ہوا تو

فَلَمْ يُعَنِّفْ أَحَدًا مِنْهُمْ
میں سے کسی ایک پر بھی سختی نہ کی۔
(بخاری ص ۵۹۱)

دیکھئے! ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے اور چونکہ
ظاہری الفاظ پر عمل کرنے کی گنجائش تھی (معاملہ ایسا نہ تھا جس طرح حضرت عدی بن حاتم وغیرہ نے

سیاہ اور سفید دھلکے سر ہانے رکھ لیے اور ماہ رمضان میں تا وقتیکہ دونوں دھلکے الگ الگ نظر نہ آجائے کھاتے پیتے رہتے۔ اس معاملہ میں چونکہ ظاہری الفاظ پر عمل کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے حضرت عدی بن حاتم وغیرہ کو ملامت کی گئی، اس لیے اس پر بھی کوئی زجر و توبیخ وارد نہ ہوئی بلکہ تصویب کی گئی اور دوسرے اگر وہ جس نے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری الفاظ کی خلاف ورزی کی تھی۔ لیکن چونکہ وہ رمز آستان اور فہم تھا۔ آپ کے ارشاد کی تہ کو پہنچ گیا تھا۔ اس لیے اُسے بھی ملامت نہ ہوئی۔

ہم یہ چاہتے تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔ فریق ثانی کو یہ یہ جرات ہو سکتی ہے کہ وہ الیاذ باللہ تعالیٰ دوسرے گمراہ پر جس نے بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کی تھی۔ کوئی فتویٰ لگا دے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے بغل گیر ہو سکتا ہوں۔ یعنی اس کے منگے بدن سے میں اپنا تنگاہ بدن ملا سکتا ہوں یا نہیں؟ آپ نے اس کو اجازت دیدی۔ ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے بھی یہی مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے اسے اس کاروائی سے منع کر دیا۔ (حضرت صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ جس کو آپ نے اجازت دی تھی وہ بوڑھا تھا اور جس کو منع کیا تھا وہ نوجوان تھا۔ (ابوداؤد ص ۳۲۴، مسند احمد ۱/۱۸۵)۔

حضرات! مسئلہ کی پوزیشن اور حیثیت ایک ہی ہے۔ ایک کا بھی روزہ تھا اور دوسرے کا بھی، ایک کا سوال بھی اپنی بیوی سے بوس و کن رکنا تھا۔ اور دوسرے کا بھی منگے ایک کے رخصت دی جاتی ہے اور دوسرے کو روکا جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ مصلحت پیش نظر ہے۔ بوڑھا آدمی قرنی شوانیہ کے کمزور پڑے جلتے اور طبیعت پر قابو پالینے کی وجہ سے اس قابل تھا کہ اس کو اجازت مل جاتی بخلاف نوجوان کے کہ بقول مجذوبؓ رہے۔

اتنے خفا جو آپ ہیں سچ کیسے شیخ جی
ایسے ہی کیا تھے آپ مقدس شباب میں

اس سہ کے روات یہ ہیں

۱۔ نصر بن علی الجہضمی جو ثقہ اور ثبوت تھے۔ (تقریب ۳۷۲)

مقابلہ میں دوسرے کو ثوابِ اجر مل سکتا ہے؟ اور پھر وہ بھی دُہرا؟

۷۔ کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

یہ یاد ہے کہ کبھی عمل کے دونوں پہلو سنت ہوتے ہیں۔ جیسے سر منڈوانا اور پٹے رکھنا۔ یا دارا بھی سفینہ رکھنا اور مہندی لگانا۔ جس کا ثبوت حدیث اور خیر القرون کے تعامل سے ہے۔ بخلاف بدعت کے کہ ان امور کے محرکات۔ دواعی اور اسباب تو خیر القرون میں موجود تھے۔ مگر امور بدعت نہ تھے۔ تو ایسے امور بہر حال بدعت ہی ہیں لاریب فیہ۔ راہ سنت میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔

اس حدیث کے تمام روایات ثقہ ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم ایک ایک راوی کی توثیق نقل کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات محدثین کرام سے اس کی تصحیح ہی نقل کر دیں
اہم حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اہم بخاری اور اہم مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے۔ اور علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شرط شیخینؒ پر صحیح ہے اور فریق ثانی کے رئیس الطائفہ قاضی شوکانیؒ بھی اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں (نیل الاوطار ص ۲۸۹)

بعض حضرات محدثین کرام نے اس حدیث پر دو اعتراض کیے تھے

۱۔ کہ عبد اللہ بن نافعؒ اس حدیث کو موصول بتلاتے ہیں۔ اور عبد اللہ بن نافعؒ کے علاوہ دوسرے راوی اس کو مرسل روایت کرتے ہیں۔ لہذا یہ حدیث مرسل ہی ہوگی۔

۲۔ کہ جو اس حدیث کو موصول روایت کرتے ہیں ان کی سند میں عمیرہ بن ابی ناجیہؒ مجہول الحال راوی ہے اس لیے یہ حدیث قابل اعتبار نہیں۔ ان سوالات اور اعتراضات کا جواب علامہ ذہبیؒ قاضی شوکانیؒ اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ وغیرہ مقلد یہ جیتے ہیں۔

کہ عبد اللہ بن نافعؒ ثقہ ہیں اور ثقہ جب نہ کو موصول بیان کرے تو اسی پر اعتماد ہوگا۔ اور قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ محدث ابن السکونؒ نے اپنے صحیح میں ابو الولید الطیالسیؒ عن الیث عن عمرو بن الحارثؒ و عمیرہ بن ابی ناجیہؒ۔ بکر بن سوادہؒ سے موصول یہ روایت نقل کی ہے۔ اور عمرو بن الحارثؒ ثقہ ہیں۔ اور عمیرہ بن ابی ناجیہؒ ان کے تابع ہیں۔ جب کہ اہم نسائیؒ یحییٰ بن یحییٰؒ۔ اور ابن جابرؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔ اور احمد بن صالحؒ وابن یونسؒ اور احمد بن سعیدؒ بن ابی مریمؒ نے ان کی تعریف کی ہے۔

(نصب الکبریٰ ص ۱۶ و نیل الاوطار ص ۲۸۹ و التعلیق المغنی ص ۶۹)

الحاصل ہم نے جو نہ مستدرک کے حوالے سے نقل کی ہے وہ موصول اور اس کے تمام روایت
ثقات ہیں۔ اور عمیر بن ابی ناجیہ بھی اس سند میں نہیں ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی ثقہ ہے اور جن کا وہ
متابع ہے وہ بھی ثقہ ہے۔ غرضیکہ اصول حدیث اور حضرات محدثین کرام کی تصریح سے یہ نہ منقل۔
اس کے جملہ روایت، ثقات، اور حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ وقت کے ہوتے ہوئے اگر پانی بل جائے
تو تیمم سے پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔ یہی حضرات ائمہ اربعہ کا مسلک (نیل الاوطار ص ۲۸۹)
اور قاضی شوکانی نے بھی دبی ہوئی زبان سے اس کو تسلیم کر لیا ہے (نیل الاوطار ص ۲۸۹) ع
یہ بھی لگا گئے خون شیدوں میں بل گیا

(۵) حضرت بشیر بن ارطاق سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے

نہی ان تقطع الایدی فی الغزو
اس بات سے منع فرمایا ہے کہ جنگ کے موقع
پر چوروں کے ہاتھ کاٹنے جائیں (البدائع ص ۲۲۹ و ترمذی ص ۱۷۵)

اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ نواب صدیق حسن خان صاحب سے ہی سن لیجئے۔ چوری حدود
اللہ میں سے ایک حد اور تعزیر است اسلام میں سے ایک تعزیر ہے۔ مگر پھر بھی جنگ کے موقع پر
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چور کو سزا دی ہے اور اس کے ہاتھ کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ کیوں؟
اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ جب چور کا ہاتھ کاٹا جائے تو کیش شعل ہو کر وہ مشرکین کے قلمرو میں نہ بھاگ
جائے۔ اور مسلمانوں کی جاسوسی نہ کرے۔ یا کہیں مرتد ہی نہ ہو جائے۔ اس مصلحت کی بنا پر آپ نے ایسے
موقع پر چور کو سزا دینے سے منع کیا ہے۔ اور پھر نواب صاحب لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام میں
حضرت عمرؓ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت حذیفہؓ وغیرہ کا یہی مذہب تھا۔ اور حضرت ام احمدؓ حضرت
امام اسحاقؒ بن راہویہؒ اور حضرت امام اوزاعیؒ وغیرہ ائمہ اسلام نے بھی یہی کہا ہے۔ کہ یہ ان جنگ میں چور
کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اور ابو محمد المقدسیؒ نے اس پر حضرات صحابہ کرام کا اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے
یہ سب کچھ لکھ چکنے کے بعد نواب صاحب فرماتے ہیں کہ

ولیس فی ہذا ما یخالف فصلا ولا
اس طرح کرنے میں نہ ترکیب نص کی مخالفت لازم آتی

قیاساً ولا قاعدة من قواعد الشرع

(الجنة ص ۶۲)

ہے۔ اور نہ ہی قیاس کی۔ اور نہ ہی قواعد اور ضوابط شرع میں سے کسی قاعدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

قارئین کہ ہم ملاحظہ کر چکے کہ چرکی سنہ قرآن کریم اور صحیح احادیث میں قطع یہ ہی ہے اور یہ ایسا اہل حکم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ منصفانہ اور عادلانہ کلمات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ کہ بخدا (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (دیکھئے بخاری ص ۴۹۴)

مگر نواب صاحب فرماتے ہیں کہ میدان جہاد میں چور کو سزا نہ دینے سے کسی نقص۔ قیاس اور شرعی قاعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ کیوں؟ اس لیے کہ مصلحت وقت کا تقاضا ہی یہی ہے آپ اگر اس حدیث کی سند اور اس کے روایت دیکھنا چاہیں تو ہم روایت اور ان کی توثیق بھی عرض کر دیتے ہیں۔ روایت یہ ہیں۔

۱۔ احمد بن صالحؒ۔ جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الثبت اور احمد الاعلام لکھتے ہیں۔ (میزان ص ۴۹)

۲۔ ابن وہبؒ جن کا نام عبد اللہ بن وہب تھا۔ حافظ ابن حجرؒ ان کو الفقیہ۔ ثقہ۔ حافظ اور عابد لکھتے ہیں۔ (تقریب ص ۱۱۲)

۳۔ جود بن شریحؒ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۱۰۷)

۴۔ عیاض بن عباس القصبانیؒ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۲۹۴)

۵۔ شعیب بن بیانؒ ثقہ تھے (تقریب ص ۱۷۱) اور ان کے تابع یزید بن صبحؒ مقبول تھے۔ (تقریب ص ۲۹۸)

۶۔ جناد بن امیہؒ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض ان کو صحابی کہتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معینؒ اور محدث ابن یونسؒ ان کو صحابی بتاتے ہیں۔ اور علامہ ابن سعدؒ امام ابن حبانؒ اور علیؒ کہتے تھے کہ وہ ثقہ اور کبار تابعین میں تھے۔ (تہذیب التہذیب ص ۱۱۶)

۷۔ یسر بن ارطاةؒ کے صحابی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ محدث ابن یونسؒ امام دارقطنیؒ اور امام ابن حبانؒ اور اہل شام ان کو صحابی بتاتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۳۵ و ص ۲۳۶) اور علامہ یزیدؒ بھی ان کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۵۱) اور ان کی ایک اور روایت بھی ہے

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يدعوا لهم احسن عاقبتنا في
الاصوم كلها واجدنا من خزي الدنيا وعذاب الآخرة.

علامہ ششی فرماتے ہیں رواہ احمد والطبرانی۔ ورجال احمد واحد اسانید
الطبرانی ثقات (مجمع الزوائد ص ۱۸۸) اور اس حدیث کا سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم لاکے الفاظ سے ذکر حافظ ابن حجر نے بھی کیا ہے۔ (تذیب ص ۳۶)

(۶) حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عہد فاروقی میں بھوکے غلاموں نے
چوری کی تو حضرت عمرؓ نے حد سرقہ قائم کرنے کی بجائے چوری کے مال کی درگنی قیمت ادا کرنے کا
حکم دیا۔ (الجنۃ ص ۶۳ و اعلام الموقعین ص ۸)

نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں کہ
ان عمش من الخطاب اسقط القطع
عن السارق عام المجاعة (الجنۃ ص ۶۴) موقوف کر دی تھی۔

امام احمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بھوک وغیرہ سے مجبور اور لاچار ہو کر چوری کرے تو اس
کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ (بجوالہ اعلام الموقعین ص ۸)

(۷) حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے تو فرمانے لگے کہ مجھے داؤا کی وراثت کے مسئلہ میں ایک خیال پیدا ہوا
ہے کاش کہ تم اس کو مان لو حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ اگر ہم آپ کی رائے کو مان لیں تو وہ بھی صحیح اور رشد
ہے۔ اور اگر ہم آپ سے قبل بوڑھے (حضرت ابو بکرؓ) کی رائے کو تسلیم کر لیں تو وہ بھی اصابت رائے
کے مالک تھے عمل الفاظ یہ ہیں۔

فقال عثمان ان نتبع رأيك فهو رشد وان نتبع رأي الشيخ قبلك
فنعلم ذوالرائي كان (متدرک ص ۲۴) اس سے ثابت ہوا کہ رائے اور رائے کا فرق ہوتا ہے
مشد ایک ہی مسئلہ میں ایک اہم کی رائے کچھ اور ہے اور دوسرے کی اور ہے۔

اہم حاکم اور علامہ ذہبیؒ شریعت میں اس روایت کی تصحیح کرتے ہیں۔
حضرات! ہم نے اختصاراً بعض احادیث اور واقعات آپ کی خدمت میں عرض کیے
ہیں کہ با اوقات ایک ہی حادثہ میں درجہ اجدا اور الگ الگ حکم بھی حق ہوتے ہیں۔ حضرت داؤد اور

حضرت سکیمان علیہا الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ دیکھ لیجئے۔ اور اسی طرح اس کو بھی کہ کبھی کسی بہتر اور اولیٰ چیز کو ترک کر کے غیر بہتر اور غیر اولیٰ چیز کو بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مصلحتِ وقت اور حالات زمانہ ایسا کہہ نے پر مجبور کرتے ہیں۔ کعبہ کو مشرکین کی تعمیر کردہ شکل پر چھوڑنا۔ رئیس المنافقین کو قتل نہ کرنا۔ انصار مدینہ کو غنیمت کے مال سے کچھ نہ دینا۔ اور میدانِ جہاد میں چور کا ہاتھ نہ کاٹنا وغیرہ۔ اس کا روشنی اور اہل ثبوت ہے۔

اور کسی وقت دو مختلف الطبائع اشخاص اور افراد کے ماحول پر نظر دوڑا کہ ان کو الگ الگ احکام اور جوابات بھی دیے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ابو داؤد شریف کی حدیث مباشرۃ الصائم کے متعلق نقل کر چکے ہیں۔

اور کسی وقت بظاہر دو مختلف سمجھ اور فہم والے افراد اور فرقوں کے الگ الگ سمجھے ہوئے احکام میں ان دونوں کو سمجھا جاسکتا ہے اور دونوں ہی حق پر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم بنو قریظہ کی آبادی میں نماز پڑھنے اور راستے میں نماز پڑھنے والوں کا واقعہ۔ نیز پانی بل چکنے کے بعد ایک صحابیؓ کا وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا اور دوسرے کا نہ دہرانا نقل کر چکے ہیں۔ اس تمام مضمونِ بحث کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل امور پر غور کیجئے۔

(۱) ہر انسان کی سمجھ اور خدا و صلاحیت الگ الگ ہوتی ہے۔ دیکھئے ایک وہ حضرات صحابہ کرامؓ (حضرت عمرؓ و حضرت ابن عباسؓ) تھے جو اذا بانصر اللہ لاسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قربِ اجل سمجھ گئے تھے۔ (دیکھیے بخاری ص ۳۲۴ وغیرہ) ایک وہ حضرت ابو بکرؓ تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا میں رہے یا خدا تعالیٰ سے جا ملے اور اس بندہ نے ملاقاتِ خداوندی کو ترجیح دی ہے۔ تو حضرت ابو بکرؓ سمجھ گئے کہ وہ بندہ تو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور اس سے آپ کے مشرقِ کائنات کہ رونا شروع کر دیا۔ دیگر حضرات صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں ہم حیران ہو گئے کہ حضرت ابو بکرؓ کو کیا ہو گیا ہے۔ اور کیوں روتے ہیں (بخاری ص ۵۱۶)

ایک وہ صحابہ (حضرت ابن عمرؓ) تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایا کون سا درخت ہے جس کی انسان کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے فوق الناس فی شجر البوادی

لوگوں نے جنگلات کے درخت گرنے کے لیے کھجور کا درخت ہے
مگر کھجور کی وجہ سے مجلس میں بول نہ سکے۔ (بخاری ص ۱۴۱)

اور ان کے مقابلہ میں ایک وہ صحابی (حضرت عدی بن حاتم وغیرہ) ہیں کہ صبح صادق اور صبح
کاذب کے بیاہ اور سفید دھاگوں سے وہ حقیقتہً حقی سوت وغیرہ کے دھاگے سمجھتے ہیں اور انہیں کو اپنے
پاس رکھ لیتے ہیں (دیکھئے بخاری ص ۲۵۱ وغیرہ) اسی طرح ایک مرتبہ حضرات ازواج مطہراتؓ نے
آپ سے پوچھا کہ آپ سے (عالم برزخ میں) ہم میں سے کون سی بی بی سب سے پہلے ملاقات کریگی؟
آپ نے ارشاد فرمایا۔

اطول من یداً (بخاری ص ۱۹۱ و مسلم ص ۲۹۱) جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔

حضرات ازواج مطہراتؓ نے پھڑکی لی اور بازو ناپنے شروع کر دیے۔ حضرت سودةؓ کا ہاتھ اور بازو لمبا
نکلا۔ خود حضرات ازواج مطہراتؓ ہی فرماتی ہیں کہ عرصہ کے بعد میں سمجھا یا کہ طول یہ سے آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی مروءت تھی۔ (طول یہ عربی میں وہی معصوم ادا کرتا ہے جس کو اردو وغیرہ میں گھلے ہاتھ
سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے ہاتھ کھلے ہیں یعنی وہ سخی ہے)

حضرات ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت زینبؓ کی وفات پہلے ہوئی تھی (مسلم ص ۲۹۱ و زہبی شرح مسلم ص ۱۹۱)
حضرات! ہیں داستان کو بھی کہاں تک بیان کیا جائے؟ اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ بس اتنی
بات تو اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ مراتب فہم میں حضرات صحابہ کرامؓ بھی یقیناً مختلف تھے۔ اور ان میں بھی
اختلاف رائے ہوتا تھا اور اختلاف رائے مخلوق کی فطرت اور سرشت میں داخل ہے نہ تو اس سے معصوم
محفوظ ہے ہیں اور نہ غیر معصوم۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کا مباحثہ۔

بخاری (ص ۲۱۱ و ص ۹۶۹) اور مسلم (ص ۳۵۵) میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ
والسلام کا رب تعالیٰ کے ہاں مکالمہ ہوا زیر گفتگو اس جہان کے بعد عالم برزخ میں ہوئی یا حضرت موسیٰ
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات دنیوی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عالم مثال اور خواب وغیرہ
کے ذریعہ ملاقات ہوئی دونوں باتیں شرح میں مذکور ہیں اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غالب آگئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ آپ وہ آدم ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی طرف سے تجھ میں روح ڈالی اور اپنے فرشتوں سے تجھے سجدہ کرایا اور تجھے اپنی جنت میں بسایا پھر آپ اپنی غلطی کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اتار لئے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو وہ موسیٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام اور کلام کے لیے چنا اور تجھے تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا بیان ہے اور تجھے سرگوشی کے لیے قریب کیا بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے توراۃ دکھی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پالیسٹن سال حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اُس میں یہ پایا ہے کہ آدم نے اپنے رب کی حکم عدولی کی سو وہ چوک گیا فرمایا ہاں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تو مجھے ایسے عمل پر ملامت کرتا ہے فحج آدم موسیٰ کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غالب آگئے۔ یہ اور اس قسم کے واقعات معصوموں میں بھی اختلاف رائے کا واضح ثبوت مہیا کرتے ہیں۔

گلابے رنگا رنگ سے بونتی چمن اے ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف کے

باب ہشتم

فرشتوں میں بھی اختلاف رائے ہو سکتا ہے
اور ان کی رائے خطا رہ بھی ہو سکتی ہے

پر صرف ایک ایک حوالہ عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ فرشتے اپنی نوح کے لحاظ
سے معصوم مخلوق ہے لیکن اختلاف رائے اور رائے کی
غلطی ان میں بھی متحقق ہے ہم اختصار کے پیش نظر ہر دعویٰ

(۱) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے
ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے زمانے قتل کیے تھے وہ توبہ کا مسئلہ دریافت
کرنے کے لیے ایک راہب کے پاس پہنچا اور کہا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ راہب نے کہا نہیں
اُس نے وہ راہب بھی قتل کر دیا پھر وہ مسئلہ پوچھنے کے لیے نکلا تو ایک شخص نے اس سے کہا کہ فلاں
بستی میں جا (وہاں عام ہے) چنانچہ وہ قاتل چل پڑا راستہ میں اس کی وفات کا وقت آپہنچا اور اُس نے اپنی
چھاتی کو اس بستی کی طرف جھک کر دیکھا پھر اُس نے کہا (اور وفات پا گیا)

فاختصمت فیہ ملائکۃ الرحمة
وملائکۃ العذاب فاولی اللہ الی
ہذہ ان تقربلی واولی الی ہذہ ان
تباعدی وقال قیسوما سیدہما
فوجد الی ہذہ اقرب بشر فغضله
(بخاری ص ۴۹۴)

تو اس کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں کا
اختلاف ہوا (رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ توبہ کرنے جا رہا تھا لہذا
جنتی ہے اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے جنت کی کوئی نہیں سزا
نفس کا قاتل ہے لہذا جنتی ہے) اللہ تعالیٰ نے اُس جنتی کو حکم
دیا جہنم کو وہ جانا چاہتا تھا کہ تو قریب ہو جا اور جس بستی سے
آتا تھا اُسے حکم دیا کہ تو دور ہو جا پھر فرشتوں سے فرمایا کہ دونوں

منزلوں کے درمیان پیمائش کہ جب پیمائش کی گئی تو اس بستی کی طرف جہنم جا رہا تھا ایک بشت قریب تھا تو اس کی مغفرت ہو گئی۔

دیکھئے یہاں معصوم فرشتوں کا کتنا بڑا اختلاف ہے کہ ایک گروہ نے کہا کہ وہ شخص جنتی ہے۔ لہذا ہمارے حوالہ کیا جائے اور دوسرے گروہ نے کہا کہ دوزخی ہے اس کو ہمارے سپرد کیا جائے معلوم ہوا کہ اختلاف رائے معصوم فرشتوں میں بھی ہو سکتا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتوں کا ایک گروہ ہے جو ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتا رہتا ہے جب ان کو ذکر کرنے والے مل جاتے ہیں تو فرشتے ان کو پروں کے ساتھ آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں اور فراغت کے بعد جب فرشتے رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو رب تعالیٰ ان سے باوجود علم کے سوال کرتے ہیں کہ میرے بندوں نے کیا کیا؟ فرشتے ان کی کاروائی سناتے ہیں (محصلاً) آخر میں ہے۔

فیقول فاشہدکم انی قد عفرت
لہم قال فیقول ملک من الملائکۃ
فیہم فلان لیس منہم انما جاد لہاجۃ
قال ہم الجاد لا یشقی
بہم جلیسہم
(بخاری ۹۴۸/۲ واللفظ لا و مسلم ۲۴۲/۲)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے ان میں سے ایک فرشتہ کتاب ہے کہ اس مجلس میں ایک شخص ہے جو ان (ذکر کرنے والوں) میں سے نہیں ہے وہ تو اپنے کسی کام کے لیے آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسی مجلس میں ہے کہ انکے پاس بیٹھنے والا نبی نامہ نہیں رہتا یعنی انکی برکت اس کی محضرت بھی کر دی گئی ہے۔

بخاری کی روایت میں یہ بیان ایک فرشتے کا ہے (فیقول ملک الا) اور مسلم کی روایت میں جمع کا صیغہ ہے یقولون رب فیہم فلان عبد خطار الخ یعنی بہت سے فرشتے کہتے ہیں کہ اے پروردگار ان میں فلاں خطار کا رہندہ ہے۔ ان متحد فرشتوں کی (یا ان میں سے ایک کی) رائے یہ ہے کہ اس کی مغفرت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس بندہ کا مقصد مجلس ذکر میں حاضر ہونا نہ تھا بلکہ (کسی سے ملنے وغیرہ کی) کوئی اور حاجت تھی لیکن رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بقیۃ اہل مجلس کی برکت سے اس کی بخشش بھی ہو گئی ہے ظاہر امر ہے کہ ان فرشتوں کی رائے عدم مغفرت کی ہے لیکن رب تعالیٰ کے فیصلہ کے مقابلہ میں اس غلط رائے کا کیا اعتبار ہے؟ معلوم ہوا کہ معصوم فرشتوں کی رائے میں بھی غلطی اور خطار ہو سکتی ہے۔ والعصمة للہ تعالیٰ وحدہ۔ یہ یاد رہے کہ ایسی مجالس سے ذکر کی وہ مجالس مکرر ہیں جو سنت کے مطابق ہوں اور قرآن کریم اور حدیث شریف وغیرہ کی درس و تدریس

اور تعلیم و تعلم کی ہوں رقیس بڑے اور حلوسے مانڈے کی خاطر ہی شکم سیر مجلس نہ ہوں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ

وما اجتمع قوم فی بیت اللہ یتلون
کتاب اللہ ویتدارسونه بینہم الا
نزلت علیہم السکینۃ الحدیث
(مسلم ص ۳۴۵ و ریاض الصالحین ص ۳۹۵ و جامع بیان العلم ص ۱۳)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع
ہو کر قرآن کی تلاوت کرتے اور اُسے ایک دوسرے
کو پڑھاتے ہیں ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے (اور رحمت
ان پر چھا جاتی ہے الخ)

خطائے اجتہادی عصمت کے خلاف نہیں
دینی اور دنیوی معاملات میں خطائے اجتہادی اور زلت
بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ
کا اقصیٰ حصہ ہی چھوڑ دیتے۔ خلاصہ کائنات۔ فخر موجودات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی باوجود
بعد از خدا بزرگ تو فی قصہ مختصر

ہونے کے بھی بعض اوقات خطائے اجتہادی اور زلت سے دوچار ہوتی۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ
اللہ تعالیٰ نے غلطی پر برقرار نہیں رکھا۔ وحی کے ذریعہ اصلاح فرمادی۔ مگر حضرات مجتہدین پر چونکہ وحی نہیں
اترتی اس لیے وہ مدت العمر غلط کار کا شکار رہ سکتے ہیں۔ اور اصول فقہ کی کتابوں میں صراحت سے یہ بحث
موجود ہے۔

اسی سلسلہ میں ہم چند واقعات عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) غزوہ بدر میں شتر کا فرسکمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور شتر قتل ہوئے۔ جو گرفتار تھے۔
ان کے باپے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا حضرت ابوہریرہؓ اور
دیگر اکثر حضرات صحابہ کرامؓ کی یہ رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔ اور یہی رائے
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تھی۔ جب کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی (اور حضرت سعد بن معاذؓ بھی ان
کے ساتھ تھے۔ تفسیر السراج المنیر ص ۵۸۴) کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر مسلمان اپنے عزیز کو اپنے
ہاتھ سے قتل کرے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اکثر حضرات صحابہ کرامؓ کی رائے فدیہ
لے کر رہا کر دینے کی تھی۔ اس لیے ان سے فدیہ (چار چار سو درہم۔ ابو داؤد و صحیح تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۶)
لے کر ان کو رہا کر دیا گیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا۔

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أُسْرَى
حَتَّى يَشْتَنَ فِي الْأَرْضِ الْآيَةِ
(پت الانفال - ۹)

یعنی پیغمبر کو یہ حق نہ تھا کہ وہ لوگوں کو قیدی بنا کر رکھے
یہاں تک کہ ان کا خون زمین پر بہا دیتا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کو حضرت عمرؓ کی رائے پسند تھی اور انہیں کی تائید میں یہ ارشاد نازل ہوا چنانچہ
ترمذی ص ۱۳۴ کی روایت میں ہے۔

وَنَزَلَ الْقَوَّانُ بِقَوْلِ عُمَرَ . یعنی حضرت عمرؓ کے ارشاد کے مطابق قرآن کریم کا یہ ارشاد نازل
ہوا۔ اور متدرک کی روایت میں ہے

فَلَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عُمَرُ قَالَ كَادَانِ يَصِيبُنَا فِي خِلَافِكَ
بِلَاءٌ (متدرک ص ۱۳۴) قَالَ الْحَكَمُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
الَّذِي يَصِحُّ عَلَى شَرِّ مُسْلِمٍ

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روہے تھے۔ وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے
ساتھیوں نے قیدیوں سے جو فدیہ لیا ہے اس کی وجہ سے

لَقَدْ عَرِضَ عَلَيَّ عَذَابُهُمْ ادْنَى مِنْ
هَذِهِ الشَّجَرَةِ شَجَرَةٌ قَدِيمَةٌ مِنْ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْحَدِيثُ (مسلم ص ۹۳)

حضرت صحابہ کرامؓ نے بظاہر مال کی لالچ اور طمع کیلئے فدیہ کو قبول کیا تھا۔ اور یہ رائے مذموم اور
قابل گرفت تھی۔ اور آپؐ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو مالی نفع پہنچانے کے لیے یہ رائے قائم کی تھی۔ جو
محمود تھی۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو کوئی نہ بچتا۔ مراد یہ ہے کہ صحابہؓ
سے کوئی بھی نہ بچتا۔ یہ نہیں کہ میں بھی نہ بچتا۔ کیونکہ پیغمبر دینی اور اخروی عذاب الہی سے مامون و مصون
ہیں۔ صغیر مگر خدا تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا۔ (بیان القرآن ص ۹۴)

(۲) جب منافقوں کی مفسرت کی دُعا سے ممانعت کا ارشاد دیوں نازل ہوا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ
يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ اَلَا يَتَذَكَّرُ (پ۔ التوبہ - ۱۰)

کہ آپ من تقول کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں
اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے
تو ہرگز اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔

تراس کے بعد رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کا انتقال ہوا اور اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن جحش
صحابی تھے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ میرے والد کا جنازہ
پڑھائیں۔ آپ نے شفقت اور دلجوئی کی خاطر وعدہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ اس منافق کا جنازہ
پڑھانے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ جس نے فلاں فلاں دین یہ بات کہی ہے۔

وقد نهاك ربك ان تصلي عليه عالاكم آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس (جہیوں) پر نماز جنازہ پڑھانے
سے منع کیا ہے۔

آپ نے حضرت عمرؓ سے جواباً ارشاد فرمایا۔

انصاخيذني الله فقال استغفر لهم
اولا تستغفر لهم ان تستغفر لهم
سبعين مرة وسأزيده
على السبعين

کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے سو فرمایا ہے
کہ تو ان کے لیے استغفار کر یا نہ کر۔ اگر تو ستر
مرتبہ استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ
بخشنے گا، اور میں ستر سے زیادہ مرتبہ اس کے لیے
معافی مانگوں گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔
وَلَا تَصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ
أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ اَلَا يَتَذَكَّرُ (پ۔ التوبہ - ۱۱)

آپ کبھی کسی منافق کی نہ تو نماز جنازہ پڑھیے اور نہ اس کی
قبر پر کھڑے ہوئے۔

یہ متصل روایت بخاری ص ۶۴۳ میں موجود ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت عمرؓ استغفر لهم آیت سے ممانعت اور نہی سمجھے اور فرمایا کہ وقد
نهاك ربك۔ آپ کے رب نے آپ کو منع کیا ہے۔ اور اسی آیت کریمہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم تنبیہ سمجھے۔ اور قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ وَلَا تَصَلِّ اَلَا يَتَذَكَّرُ کی تائید میں نازل

ہوئی (جیسا کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے اور پردہ وغیرہ کے تقریباً ایک سو مقامات میں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق ارشادات خداوندی نازل ہوئے۔ حاشیہ بخاری ص ۵۸) غور کیجئے کہ رتبہ، شان اور درجہ کے لحاظ سے اعلیٰ و افضل کون ہے؟ اور رائے کس کی صحیح تھی؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از عرش تا فرش دنیا و آخرت کی تمام مخلوقات کے علی الاطلاق افضل ہیں۔ اور حضرت عمرؓ اشرف المخلوقات کے ایک فرد اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں میں سے دوسرے نمبر کے بزرگ ہیں مگر رائے ان کی صحیح تھی۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ ان کی جلالت و عظمت دیکھیے اور ہر پرندے کی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گفتگو بھی ملاحظہ کیجئے۔ وہ کتاب کے کہ
 أَحَطُّ بِمَا لَوْ تَخَطُّ بِهِ
 میں ایک ایسی چیز کا علم رکھتا ہوں جس کا آپ کو
 (پک - النمل - ۲۰) علم نہیں۔

مقصود پیغمبر کے علم و وسیع کا اور ہر پرندے کے علم اور رائے کا موازنہ تو کریں کہ نسبت کیا ہے؟ مگر ایک جزوی واقعہ کا علم ہر پرندے اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں۔

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب کتاب اور عمر رسیدہ بزرگ کا فیصلہ اور ان کے نو عمر فرزند ابراہیم حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مفید فیصلہ قَفَّحْنَا هَاسِيَانَا کے الفاظ سے پہلے گزر چکا ہے۔ مگر ڈر ہے کہ کہیں رائے اور اختلاف آرا سے ہد کئے رائے حضرات پر نہ کہیں۔

گھروٹ میں دقا جو نہیں ہے نہیں سی سر کاٹ لیں زباں کے عرض ہاں نہ کیجئے
 مجتہد کو خطا کی صورت میں بھی اجر ملتا ہے
 ہو تو اس کو دہرا اجر اور ثواب ملتا ہے اور اگر اس سے غلطی واقع ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ ہی میں سن لیجئے؟

وَإِذَا حُكِمَ فَاجْتَمَعُوا عَلَىٰ خَطَايَا فُلَانٍ
 اور جب فیصلہ کرنے اور اجتہاد کرنے میں اس سے غلطی سرزد ہو تو بھی وہ ثواب اور اجر کا مستحق ہے۔
 اجس۔ (بخاری ص ۹۲ و مسلم ص ۶۶)
 حضرات! جب حقیقی مجتہد کو غلطی پر گرفت لڑکیا ہوتی بلکہ اسے ثواب ملتا ہے اور جب شریعت

اسلامی مصلحت وقت کا پورا پورا لحاظ کرتی ہے اور جب انسانوں کے طبقات فہم میں مختلف ہیں۔ اور جب ایک ہی عاوضہ میں دو مختلف حکم اور فیصلے بھی جتنی ہو سکتے ہیں۔

ثواب ارشاد فرمائیے کہ اگر ایک حدیث سے یا قرآن کریم کی آیت سے ایک اہم اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق اور مصلحت وقت اور طبائع اشخاص اور حالات زمانہ کے مطابق ایک فیصلہ صادر کرتا ہے۔

اور دوسرے کی سمجھ میں اسکا صحیح مطلب نہیں آتا یا وہ مصلحت وقت کو زیادہ نہیں سمجھ سکتا۔ اور اس پہلے اہم کے خلاف اپنی فہم کے مطابق قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہے۔ تو اس بے چارے کا کیا قصور ہے؟ اور اگر اس سے غلطی بھی ہو جائے تو اس کو پھر بھی ثواب کی بشارت ہے۔ اور ایسا اختلاف خود مقتضائے بشریت کے بالکل مناسب ہے۔ اس میں بے چارے ائمہ کا کیا قصور ہے؟

کس سے کہوں کہ لاکھ امیدیں مٹا گئی وہ ایک بات رنجش بے جا کہیں جسے

اس سے قبل کہ ہم اس حصہ کو ختم کریں۔ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

مصلحت وقت اجتہاد کی وسعت اور مصلحت وقت کے لحاظ پر ایک اور صحیح حدیث نقل کر دیں

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کو امیر شکر بناتے تو اس کو چند اہم وصیتیں کر چکنے کے بعد ارشاد فرماتے تھے کہ

واذا حاصرت اہل حصن فادرك ان تنزلهم على حكم الله فلا تنزلهم على حكم الله۔

ولكن انزلهم على حكمك فانك لا تدري انصيب حكم الله فيهم ام لا (مسلم ص ۵۲۲ والبداء ص ۲۵۲)

ترمذی ص ۱۹۴ وابن ماجہ ص ۲۱) اور امیر لکھتا ہے یا نہیں؟

اس حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں

فتاامل کیف فوق بین حکم اللہ وحکم الامیر

غور اور فکر تو کر دو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم اور امیر مجتہد کے

المجتہد و فہمی ان لیسعی حکم
 المجتہدین حکم اللہ (المجتہدین)
 حکم میں فرق اور امتیاز کیا ہے۔ اور اس سے منع کیا
 ہے کہ مجتہد کے حکم کو اللہ کا حکم کہا اور تصور کیا جائے۔
 نواب صاحب موصوف نے دو ستر جملہ میں ہاتھ پاؤں مارنے کی بڑی کوشش کی ہے کہ کہیں
 مجتہد کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت نہ ہو جائے بے شک اجتہادی اور قیاسی مسائل میں
 حاکم کا حکم خدا تعالیٰ کا حکم تو نہیں لیکن لولہ الامر ہونے کی وجہ سے اس کو حکم صادر کرنے کا حکم رب تعالیٰ
 نے دیا ہے۔

الغرض مابین بحث کے پیش نظر لکھنے سے نواب صاحب کا یہ شاہانہ سمریزم قارئین کرام
 خود آسانی کے ساتھ حل کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس میں کلام کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ
 ایک چیز قابل توجہ ہے وہ یہ کہ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اپنے سرور ان لشکر اور سپہ سالاران
 فرج کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہٹا کر اپنے فیصلہ اور حکم نافذ کرنے کی تلقین کرتے تھے؟ اگر جواب اثبات
 میں ہے اور یقیناً ہے تو فرمائیے کہ کیا یہ ان الحکم حکم اللہ کے حکم خداوندی کی خلافت و رزی
 تو نہیں ہے؟ اگر نہیں تو اس کی علت اور حکمت کیا ہے؟ اور اگر یہی حکمت اور فلسفہ آپ اکرمہ مجتہدین
 کے لیے سمجھ لیں تو اس میں آپ کے لیے کون سی چیز مانع ہے؟ اس حدیث سے آپ معاملہ کی نزاکت
 تو سمجھ ہی چکے ہوں گے کہ یہاں ایک نہیں بلکہ بے شمار انسانوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اور
 پھر ایسے اہم اور نازک مرحلہ پر امیر فرج بجائے حکم خداوندی کے اپنے حکم پر ان کی موت اور حیات کا فیصلہ
 کرتا ہے۔ اور کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ اس کو نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہی ہے۔
 فریق ثانی جو جواب ارشاد فرمائے گا۔ وہ تو فارغین کرام ان ہی سے سنئے گا۔ ہم سر دست یہ عرض کرتے
 ہیں کہ امیر لشکر ہی اصحاب شوریٰ کے مشورہ سے ایسے موقع پر دشمن قوم کے حالات پر بخوبی مطلع
 ہو سکتا ہے۔ چونکہ امیر لشکر پر وحی تو نازل نہیں ہوتی۔ تاکہ وہ آسمانی حکم سے فیصلہ کر سکے۔ اور ایسے
 نازک وقت میں مثلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کرنے کی وجہ سے تاخیر کرنے
 سے ہو سکتا ہے کہ مجاہدین کو کہیں نقصان ہی نہ ہو جائے۔ لہذا بجائے اس کے کہ وہ خدا تعالیٰ کے
 صریح حکم کا انتظار کرے اور پھر شاید کہ اس سے عہدہ برآ بھی نہ ہو سکے۔ اپنے اجتہادی سے فیصلہ
 کرے تاکہ وہ خود اور اس کی فرج ممکن خدشات اور خطرات سے محفوظ رہے اگر اس کی مزید تائید درکار

ہو تو وہ بھی شیئیے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودی قریظہ کو گرفتار کر لیا تو

فانزلوا علی حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحکم فیہم ائی سعد قال غانی احکم فیہم

(مسلم ۹۵)

حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے تمام لوگوں میں تیغ کر دیے جائیں اور ان کے بچے اور عورتیں قیدی بنالی جائیں۔ اور ان کے اموال تقسیم کر دیے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے بالکل صحیح حق اور درست فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تھا۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دم کی اپیل کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت اور شفقت نے اس کی اجازت نہ دی کہ آپ اس اپیل کے بعد خود ان کے قتل وغیرہ کا حکم صادر فرماتے۔ اس لیے آپ نے قبیلہ بنی اوس کے ایک معزز یعنی حضرت سعد بن معاذ پر فیصلہ ڈال دیا۔ بنو قریظہ کا لگاؤ نہایت اور تعلق بھی اسی قبیلہ (بنی اوس) سے تھا۔ اور یہ ان کے حلیف بھی تھے۔ اس لیے آپ نے یہ بوجہ حضرت سعد پر ڈال دیا۔ (دیکھیے نووی شرح مسلم ص ۹۵ وغیرہ)

یاد رہے کہ یہ تو رات کا حکم تھا۔ اور یہ وہی وہی تو رات کا حکم ہی مناسب تھا تو رات کتاب استنار باب ۲۰ آیت ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۱۴ میں ہے جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کے لیے نکلے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پیادوں کو تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے تابع بن جائیں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تیرا خدا ہے تیرے قبضہ میں کرے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال لوٹ کر اپنے لیے رکھ لینا۔ اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا۔ (مسلم ۱۸۵)

مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ صاحب شریعت اور صاحب کتاب رسول تھے

اس لیے آپ نے تورات پر فیصلہ دینا خود پسند نہ فرمایا۔ بلکہ حضرت سعدؓ کو کہہ دیا تاکہ وہ یہودیہ انہیں کی مسلم اور قانونی کتاب کا فیصلہ صادر کر دیں یہ وجہ ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور وجہ ہو بہر حال چونکہ حضرت سعدؓ ہی بنو قریظہ کے باسے میں بہتر فیصلہ صادر کر سکتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ ان ہی کے سپرد کر دیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں فیصلہ بھی خدا کے حکم کے مطابق ہوا ہے اور پہلی حدیث میں امیر کا فیصلہ ہی کا ذکر تھا مصلحت وقت اور حالات زمانہ کا لحاظ وہاں بھی تھا۔ اور یہاں بھی ہے۔

حضرات! اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند ابجاث آپ کے سامنے عرض کی گئی ہیں۔ کہ فریق ثانی کا تقلید شخصی کو شرک کہنا یا حضرات ائمہ کرامؑ کے آپس میں اختلافات کو حدیث کی نگاہ سے دیکھنا اور ان سے متعلق بدظن ہونا اور جمہور اہل اسلام کی تکفیر کرنا اور ان کو گمراہ اور فاسق کہنا بالکل بے جا اور ظلم عظیم ہے۔ فریق ثانی کو اس سے بالکل باز آجانا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں حدیث میں عادی لی ولایا کے پیش نظر حضرات سلف و خلف اور بزرگان دین سے عداوت اور دشمنی بُرائی تھ لائے۔ یہ بات بھی ہرگز نہ بھول جائیے کہ حضرات ائمہ کرامؑ محصور نہ تھے ان سے خطر اور غلطی ہو سکتی ہے ایسے غلط مسائل کو قرآن کریم اور حدیث شریف کے مقابلہ میں تسلیم کرنا بالکل درست نہیں ہے ہم نے جو خاکہ تقلید شخصی کا آپ کے سامنے پیش کیا ہے ہمارے اکابر کا بھی یہی مسلک ہے اگر معاذ اللہ تعالیٰ یہ کفر شرک اور بدعت ہے تو برائے نواز شش ایمان توحید اور سنت والا اسلام بتلایا جائے کہ وہ کیا ہے؟ اور اس پر چلنے والے کون ہیں؟ ورنہ

ہمارے عالم فرصت کا تماشا دیکھو چھوڑ دو گمراہی تقدیر کو تقدیر کے ساتھ

باب نہم

غیر منصوص احکام میں تقلید جائز ہے

ترک تقلید کے لئے شمار مفاسد اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

اصول دین - عہدہ اور منصوص احکام میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ صرف تقلید ائمہ کرام پر اکتفا درست ہے تقلید صرف ان مسائل میں جائز ہے جن پر منصوص قرآن کرم، حدیث شریف اور اقوال حضرات صحابہ کرام سے صراحتہ روشنی نہ پڑتی ہو ایسے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت بھی پیش آئے گی اور مجتہد کے اس اجتہاد کو تسلیم کرنا بھی امر مطلوب ہے جیسا کہ حضرت معاذؓ کی حدیث سے یہ ثابت ہے اگر ایسے غیر منصوص احکام میں لاعلم لوگوں کے لیے تقلید کا دروازہ بند کر دیا جائے تو اس کا لازم نتیجہ یہ نکلے گا کہ بے علم لوگ مادر پدر

۱۔ اس میں اختلاف ہے کہ تحقیق اور غور و فکر کے بغیر منہ سے منہ کے عہدہ پر ایمان لانا معتبر ہے یا نہیں؟ مشہور اصولی ملا صاحب اللہ بیاریؒ لکھتے ہیں۔

لصحة ايمان المقلد عند الامة الدبعة
وكثير من المتكلمين خلافاً للاشعري ولان
كان اشعري في ترك النظر انتهى - (ملم الشبوت ص ۲۸۹)

حضرات ائمہ اربعہؒ اور بہت سے حضرات متکلمین کے نزدیک مقلد کا ایمان صحیح ہے اگرچہ ترک تحقیق اور غور و فکر کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ ہمیں صرف حضرت امام ابو الحسنؒ کی اختلاف کہتے ہیں

اس سے ثابت ہوا کہ مقلد کا ایمان بھی جہود کے نزدیک درست ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تحقیق نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ مگر کافر نہیں مومن ہے۔

آزاد ہو کر الحاد اور بے دینی کے کھٹے پھانک سے داخل ہو کر واصل جہنم ہوں گے فہرذ باللہ تعالیٰ من ذلک اور خواہش نفسانی کا ایسا وسیع و عریض باب کھلیگا جس میں داخل ہونے کے بعد آدمی اتنا بے باک ہو جائے گا کہ حضراتِ ائمہ کرامؑ پر لعن طعن اس کا لذیذ مشغلہ قرار پائے گا اور فقہارِ ملت کی دینی مساعی و خدمات اُسے سب سے بڑا عیب نظر آئیگا، ایسے غیر منصوص مسائل میں ہم اختصاراً تقلید کے جواز اور ترکِ تقلید کے مفاسد پر چند عبارات عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ خطیب بغدادی (ابو بکر احمد بن علی البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ احکام شرعیہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو نصوص سے ثابت ہے اس میں کسی کی تقلید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ

و ضرب آخر لا يعلم الا بالنظر والاستدلال كفروع العبادات والمعاملات والفروع والمنكحات وغير ذلك من الاحكام فهذا يسوع فيه التقليد بدليل قول الله تعالى فاسئلو اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ولا فالا لو منعنا التقليد في هذه المسائل التي هي من فروع الدين لا احتاج كل احد ان يتعلم ذلك وفي ايجاب ذلك قطع عن المعاليش وهلاك الحرث والماشية فوجب ان يستقط (الفقيه والمتفقه ص ۳۶ طبع الرياض)

اور دوسری قسم وہ احکام ہیں جو غور و فکر و استدلال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے مثلاً عبادات، معاملات اور نکاح وغیرہ کے فروعی مسائل احکام کی اس قسم میں تقلید درست ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل علم سے سوال کرو۔ علاوہ انہیں اگر ہم دین کے ان فروعی مسائل میں تقلید کو ممنوع قرار دیدیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر آدمی احکام کو دلائل کے ساتھ جاننے کا محتاج ہو اور علوم پر اس کو واجب کرنے سے زندگی کی سب ضروریات کے حاصل کرنے سے انہیں روکنا لازم آئے گا۔ اور کھیتی باڑی اور مویشیوں کی ہلاکت و بربادی لازم آئے گی تو واجب ہے کہ یہ حکم ان سے ساقط ہو۔

ظاہر بات ہے کہ اس جہان میں انسان کو بود و باش اور زندگی کے پھلے بڑے دن بسر کرنے کے لیے مختلف اور متحد چیزوں کی بنیادی ضرورت ہے اگر ہر آدمی پر فروعی مسائل کو ان کے دلائل

سے جاننا لازم اور واجب کر دیا جائے تو وہ کسب معاش کے تمام کاموں سے معطل ہو کر رہ جائیں گے تو دنیا کا یہ سلسلہ کیسے چلیگا جس کا چلن مقدر ہو چکا ہے؟

انسان پر سب وقت گزرتے ہیں جہاں میں شادی بھی ہے غم بھی ہے ہر ایک مکالمے میں

(۲) مشہور مؤرخ اسلام علامہ عبد الرحمن بن محمد المغربی (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں۔

ووقف التقليد في الامصار عنده وقت

الاربعة ودرس المقلدون لمن

سواهم وسد الناس باب الخلاف

وطرقه لما كثرت شعب الاصطلاحات

في العلوم ولما عاق عن الوصول

الى رتبة الاجتهاد ولما خشي من

اسناد ذلك الى غير اهلهم ومن

لا يوثق برأيهم ولا بدینه قصر حوا

بالعجز والاعواز ورد والناس الى

تقليد هؤلاء كل من اختص به

من المقلدين وحظروا ان يتداول

تقليدهم لما فيه من التلاعب

ولم يبق الا نقل مذهبهم۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴ طبع مصر)

(ان کی تقلید کرنے والے نہیں ہے)

علامہ موصوف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ گو پہلے بعض دیگر حضرات ائمہ کرام کی تقلید بھی ہوتی رہی لیکن آخر کار ممالک اسلامیہ کے تمام شہروں میں علماء کرام کا اتفاق اس امر پر ہو گیا کہ اب تقلید ان چاروں حضرات ائمہ کرام میں بند ہے کیونکہ مطلق اجتہاد تک رسائی مشکل ہے اور نا اہل لوگوں کی رائے اور ان کے دین پر اعتماد بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ان حضرات ائمہ کرام پر ہی اعتماد کرنا چاہیے اور جو شخص جس اہم کا مقلد ہو تو وہ یہ نہ کرے کہ کسی مسئلہ میں کسی اہم کی تقلید کرے اور کسی میں کسی کی کیونکہ یہ کاروائی دین

اور تمام شہروں میں ان ائمہ اربعہ پر تقلید بند ہو گئی۔ اور دوسرے ائمہ کرام کے متقلدین ختم ہو گئے اور لوگوں نے اختلاف کا دروازہ بند کر دیا کیونکہ علوم کی اصطلاحات پھیل چکی تھیں اور اجتہاد کے رتبہ تک پہنچنا سخت دشوار ہو گیا تھا اور اس بات کا خدشہ بھی تھا کہ اجتہاد نا اہل لوگوں کے قبضہ میں نہ چلا جائے اور ایسے لوگ اس میں مصروف نہ ہو جائیں جن کی رائے اور دین پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس لیے علماء کرام نے اجتہاد (مطلق) سے عاجز ہونے کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید مخصوص کی طرف لوٹادیا اور اس امر کو ممنوع کر دیا کہ کبھی کسی اہم کی تقلید کی جائے اور کبھی کسی کی اس لیے کہ یہ طریقہ اختیار کرنا کھیل کے مترادف ہے اور اب دوسرے ائمہ کرام کے صرف مذاہب ہی نقل ہوتے ہیں (ان کی تقلید کرنے والے نہیں ہے)

کو کھلونا بنا دیگی اور نیز علامہ موصوفؒ اُس کے تحریر فرماتے ہیں کہ

ومدعی الاجتهاد لهذا العهد
مردود علی عقیدہ مہجور تقلیدہ
وقد صار اهل الاسلام اليوم
علی تقلید هؤلاء الائمة الذیعة

(مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۸)

اس عبارت کا مفہوم بھی واضح ہے کہ اب چونکہ اجتہاد مطلق کی اہلیت لوگوں میں نہیں رہی اس لیے آج اگر کوئی شخص اجتہاد مطلق کا دعویٰ کرے گا تو اس کا دعویٰ مردود اور باطل ہوگا کیونکہ اب جملہ اہل اسلام حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید ہی کے قائل ہیں اور ان کے علاوہ اور حضرات کی تقلید متروک ہے۔ یہ یاد ہے کہ اگرچہ کامل اور مطلق اجتہاد جس طرح کہ ائمہ مجتہدین کرتے تھے وہ اب ختم ہے لیکن فی الجملہ اور ذیلی اجتہاد و پیش آمدہ مسائل میں علماء راجحین کے لیے تاقیامت باقی اور جاری و ساری ہے۔ اس عبارت میں مؤرخ مذکور تقلیدین کو اہل اسلام قرار دیتے ہیں مگر بعض غالی غیر متقلدین انہیں مشرک گردانتے ہیں فواسف! (۳) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (احمد بن شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۹ھ) اپنی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں کہ

ان هذه المذاهب الاربعة المدونة
المحصورة قد اجتمعت الامة او من
يعتد بلم منها علی جواز تقلیدها
الی یومنا هذا وفي ذلك من
المصالح ما لا یخفی لا سیما فی هذه
الایام التي قصرت فیها الهمم
جدا واشربت النفوس الهوی
واجب کل ذی رأى برأید

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۴ طبع مصر)

اس میں شک نہیں کہ ان چار مذاہب کی اب تک تقلید کے جائز ہونے پر تمام امت کا یاجن کی بات کا اعتبار کیا جاسکتا ہے اجماع ہے اس لیے کہ یہ مدقن ہو کر تحریری صورت میں موجود ہیں اور اس میں جو مصلحتیں ہیں وہ بھی مخفی نہیں خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ ہمتیں بہت ہی زیادہ پست ہو چکی ہیں اور خواہشات لوگوں کے نفوس میں سرایت کر چکی ہیں اور ہر صاحب رائے اپنی ہی رائے پر نازاں ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت میں الیٰ یومنا ہذا کے الفاظ صریح سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب سے حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید شروع ہوئی ہے اُس وقت سے لے کر آج تک ساری امت یا امت کے اہل حلق و عقد اور علماء حضرات کا اس پر اجماع رہا ہے کہ ان کی تقلید جائز ہے اور یہ بات بھی مخفی نہیں کہ امت کا اجماع بڑی ورنی بات ہے۔

اور حضرت شاہ صاحب ہی لکھتے ہیں کہ

و بالجملۃ فالتمذہب للمجتہدین
سیر الہمہ اللہ تعالیٰ العلماء
وجمعہم علیہ من حیث
یشعرون اولا یشعرون
(الصفات فی بیان سبب الاختلاف ص ۳۳ طبع دہلی)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ مجتہدین کی تقلید اور ان کی تقلید پر لوگوں کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی راز اور الہام ہے اس کو وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں ہمشور و غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحب حضرت شاہ صاحب ہی کی پیروی اور نقالی کرتے ہوئے لکھتے ہیں (مگر الہمہ اللہ تعالیٰ العلماء کے الفاظ بالکل پی گئے ہیں۔ و بالجملہ تمذہب برائے مجتہدین ہم سب ملہم الہی است کہ مروجہ راہیں جمع ساختہ من حیث یشعرون اولا یشعرون (ہدایۃ السائل الیٰ اولیٰ المسائل ص ۲۹۹)

عمر ضیکہ غیر مخصوص مسائل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید شرعی اور تکوینی دونوں طریقوں سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ردائی کے لیے علماء کو خصوصی الہام کیا اور اپنے راز سے نوازنا ہے۔ یہ بات تو مطلق اور عام تقلید کے متعلق تھی اب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہی سے حضرت امام ابو حنیفہ کی تقلید شخصی کے بارے میں بھی حوالہ سن لیجئے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

فاذا کان انسان جاہل فی بلاد
الہند وما ودار النہر ویس ہناک
عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی
ولا کتاب من کتب ہذہ المذاہب
سوا کہ کوئی جاہل انسان ہندوستان یا ماوراء النہر کے علاقے میں ہو اور اس مقام پر کوئی شافعی۔ مالکی اور حنبلی عالم موجود نہ ہو اور ان مذاہب والوں کی کوئی کتاب بھی وہاں نہ مل سکے تو ایسے شخص پر

وَجِبَ عَلَيْهِ أَنْ يَقْلُدَ لِمَذْهَبِ
ابْنِ حَنِيفَةَ وَيُحْرِمَ عَلَيْهِ أَنْ يُخْرِجَ
مِنْ مَذْهَبِهِ لِأَنَّهُ حَنِيفٌ يَخْلَعُ
مَنْ عَقَلَهُ رِبْعَةَ الشَّرِيعَةِ
وَيَبْقَى سُدِّي مَهْمًا بِخِلَافِ
مَا إِذَا كَانَ فِي الْحَرَمَيْنِ
(الانصاف ص ۷)

صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی کی تقلید واجب
ہوگی اور امام صاحبؒ کے مذہب کے اس کا نکلنا حرام
ہوگا اس لیے کہ اس صورت میں وہ شخص شریعت
کی پابندی اپنے گلے سے اتار کر بالکل آزاد اور مصل
ہو جائے گا بخلاف اس کے جب کہ وہ مکہ مکرمہ
اور مدینہ منورہ میں ہو دیکھو وہاں چاروں مذاہب
کے علماء موجود ہیں کسی سے بھی مسئلہ دریافت کر کے
اس پر عمل کر سکتا ہے۔

پاک و ہند میں رہنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ان علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کی
اکثریت حنفی مسلک سے تعلق رکھتی ہے اور کسی دوسرے تعلق رکھنے والے مسلمان ان کے مقابلہ
میں اُٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں اور ان علاقوں میں فقہ حنفی ہی کی کتابیں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، اور
انہیں کے مطابق فتوے دیے جاتے ہیں اور ماوراء النہر میں نہرے جیون کی نہر اڑ ہے۔ جو بدخشان کے
پہاڑوں سے نکل کر مغرب کی سمت بہتی ہے اور اس کے ماوراء بخارا، سمرقند، نعت۔ اسغیاج۔ ججند
شاش اذر جند۔ خوارزم اور کاشغر کے شہر مشہور ہیں (نبراس ص ۲۲۵) اور ان علاقوں میں احناف
اور فقہ حنفی ہی کی کثرت ہے ظاہر اس سے کہ اگر ان علاقوں میں کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جو مخصوص
نہیں تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فقہ سے اگر کوئی شخص اکثر کمرہ گردن نکالتا ہے تو دوسرے ائمہ کرام کی فقہ تو
وہاں سے نہیں اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ وہ من مانی کاروائی کر کے شریعت کے پیٹے ہی
کو گردن سے اتار پھینکے گا۔ اور اسلام ہی کو غیر باد کہہ دے گا ایسے شخص کے لیے اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ
کی تقلید واجب نہ ہو تو اس کا اسلام کیسے محفوظ رہے گا؟ اور اپنے مقام پر ثابت ہے کہ لاعلمی کے
وقت ایسے جاہل کا اہل علم کی طرف رجوع کرنا نص قرآنی سے واجب ہے فَاسْتَلُوا أَهْلَ
الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ تو یہ وجوب حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی کی فقہ سے پورا ہوگا کیونکہ
ماہکی شافعی اور حنبلی عالم تو ان علاقوں میں ہیں نہیں تو جاہل بیچارہ کیا کرے گا؟ حضرت شاہ صاحبؒ
نے جو بات فرمائی عین فطرت کے مطابق ہے اس سے صرف وہی شخص انکار کرے گا یا کر سکتا ہے

جو عقل و خرد سے محروم ہو اور حق کی جستجو سے عاری اور تعصب اور ضد کی حالت کو ترک کرنے اور اپنی حالت بدلنے کا خواہاں نہ ہو بقول شاعر :-

عدو بدے تو بدے ہوں مگر ہم تم سے کہنے وہی جیسے کے تیسے ہیں نرجس پہلے رہے

(۴) الشیخ محمد بن عبد الوہاب النجدی (المتوفی ۱۲۰۶ھ) جن کی شخصیت خود علماء کرام میں خاصی متنازع فیہا ہے علامہ آلوسیؒ اور حضرت گنگوہیؒ باوجود ان کی غامیوں کے ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں اور علامہ شامیؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کی رائے ان کے بارے میں اچھی نہیں ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے شیخ محمد عبد الوہابؒ کی طرف بعض ایسی چیزیں منسوب ہیں جو غالباً ان میں نہ تھیں اسی سلسلہ میں شاہ فیصل بن عبد العزیزؒ کے حکم سے مکہ مکرمہ سے ایک کتاب طبع ہوئی ہے جس کے مصنف الشیخ احمد بن محمد بن محمد آل البوطی قاضی مجلہ شرعیہ القطر ہیں اور جس کی تصحیح مدینہ یونیورسٹی کے صدر شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ الباز نے کی ہے اس کتاب کا نام ہے۔ الشیخ محمد بن عبد الوہابؒ عقیدۃ السلفیۃ و دعوتہ الاصلاحیۃ و تنار العلماء علیہ اس کتاب کے ص ۵۶ میں خود شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہابؒ کے رسالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

و نحن ایضاً فی الفروع علی مذهب الامام احمد بن حنبل ولا ننکر علی من قلد الائمة الاربعۃ دون غیرہم لعدم ضبط مذاهب الغیر کالوافضۃ والزیدیۃ والامامیۃ ونحوہم لا نقدرہم علی شیء من مذاہبہم الفاسدۃ بل نجبرہم علی تقلید احد الائمة الاربعۃ ولا تستحق مرتبۃ الاجتہاد ولا احد منا یدعیہ الا انا فی بعض المسائل اور نیز ہم فروعی مسائل میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے پابند ہیں اور ہم ان لوگوں پر جو صرف حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید کرتے ہیں اور ان کی نہیں کرتے کوئی انکار نہیں کرتے اس لیے کہ یہ دوسرے مذاہب منضبط نہیں ہیں جیسا کہ رافضیوں نے یہ اور الامیہ وغیرہم کے مذاہب ہم ان کو ان مذاہب فاسدہ کی کسی چیز پر بقرار نہیں رکھیں گے بلکہ ہم ان کو مجبور کریں گے کہ وہ حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں اور ہم مرتبہ اجتہاد کے مستحق نہیں ہیں اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس کا مدعی ہے مگر یہ کہ بعض مسائل میں جب ہمارے سامنے کتاب و سنت کی کوئی

اذا صح لنا نص جلی من کتاب
اوسنة غیر متسوخ ولا تخصص
ولا معارض باقوای منه وقال به
احد الاثمة الاربعة اخذنا به
وترکتنا المذهب لا یفطر (کتاب المذکور ص ۵۷)

واضح نص آجائے جو منسوخ اور مخصوص نہ ہو اور اس
کا اس سے قوی تر نص سے معارضہ بھی نہ ہو اور حضرت
ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اس کو یا بھی ہو تو ہم اس
کو لیتے ہیں اور اپنے مذہب کو ترک کرتے ہیں۔

اس عبارت سے عیاں ہو گیا کہ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکار غیر مقلد نہیں بلکہ حضرت
اہم احمد بن حنبل کے مقلد ہیں اور حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید کو نہ صرف یہ کہ جائز قرار دیتے ہیں بلکہ دوسرے
مذہب کے پیروکاروں کو حضرات ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید پر مجبور کرنے پر تھے ہوئے ہیں اور
دوسرے مذہب کو منضبط نہ ہونے کی وجہ سے فاسد قرار دیتے ہیں ہاں نص صریح غیر منسوخ وغیر مخصوص
اور غیر معارض باقوای کے مقابلہ میں اپنے مذہب کو ترک کر کے نص کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں اور یہی
مسلمانوں کا شیوہ ہونا چاہیے۔

وصل اس کا خدا نصیب کجیے میر دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

(۵) نواب صدیق حسن خان صاحب جو غیر مقلدین حضرات کے مذہب کے مجدد ہیں ان غیر
مقلدین حضرات کی پُر زور تردید کرتے ہیں جو اپنے آپ کو اہل حدیث اور موحد اور غیر منصوص مسائل
میں تقلید کرنے والوں کو مشرک قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

فقد نبئت فی هذا الزمان فرقة
ذات سمعة وديانة تدعي لافضلها
علم الحديث والقرآن والعمل
بهما على العادات في كل شأن مع
انها ليست في شيء من اهل العلم
والعمل والعرفان
(الحطة فی ذکر الصحاح الستہ ص ۷۷)

اس زمانہ میں ایک شہرت پسند اور دینا کار فرقہ پیدا ہوا
ہے جو باوجود ہر قسم کی خامیوں کے قرآن اور حدیث
کے علم اور ان پر عمل کا مدعی ہے حالانکہ اس فرقہ
کو علم عمل اور (صحیح دینی) معرفت کے ساتھ
کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

نواب صاحب نے جو کچھ فرمایا سبجا فرمایا ہے ایک تو اس لیے کہ کلام الملوک ملوک الکلام اور

دو کراس لیے کہ صاحب البیت اور اسی بانیہ سے
گئے دنوں کا سر غلے کر کہ ہرے آیا کہہ گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ
نیز کہتے ہیں۔

فيا لله العجب من اين يسمون الفسھو
المؤحدین المخلصین و غیرہم
بالمشركين وهم اشد الناس
تعصبا و غلوًا في الدين
(الفتح ۶۸)

یعنی اے قوم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے (پیدا کردہ)
تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیونکہ اپنا نام خاص
مومد رکھتے اور دوسروں کو (جو تقلید کرتے ہیں) مشرک
کہتے ہیں حالانکہ خود غیر مقلدین سب لوگوں سے بڑھ کر
سخت تعصب اور غالی ہیں۔

اور آخر میں کہتے ہیں۔

فما هذا دين ان هذا الا فتنة
في الامرض و فساد كبير (الحکۃ ۶۸)

(یعنی غیر مقلدین کا اپنا یا ہوا) یہ طریقہ کوئی دین نہیں ہے
یہ تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد ہے۔

جن جن حضرات کو غیر مقلدین حضرات سے کبھی سابقہ پڑا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ فروعی مسائل میں
فتنہ و فساد برپا کرنا اور انتہائی غلو اور تعصب سے کام لینا ہی اس فرقہ کی واضح علامت ہے۔

اور نواب صاحب ہی فرماتے ہیں کہ جو ائمہ کرام تم نے بیان کیے ہیں مثلاً امام سفیان، امام ابو حنیفہ،
امام شافعی، اور امام محمد بن الحسن تراجموں نے ایسی تقلید نہیں کی جیسی تم کہتے ہو کہ قرآن و حدیث کے ہوتے
ہوئے کسی کی تقلید کر لی جائے۔ اور نہ اس کو انہوں نے کبھی جائز قرار دیا ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ ان
سے جو منقول ہے۔

في مسائل يسيرة لم يظفروا فيها
بنص الله تعالى و رسوله ولم يجدوا
فيها سوى قول من هوا علم متهم
فقلدوه وهذا فعل اهل
العلم وهو الواجب اه
(الدين الخالص ۵۶۶)

وہ مختصر سے مسائل میں یوں ہے کہ ان میں
انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
سلم سے کوئی صراحت نہیں ملی اور ان میں انہوں نے
اپنے سے زیادہ علم رکھنے والوں کے قول کے علاوہ اور
کچھ نہیں پایا سو انہوں نے اس میں تقلید کی ہے اور اہل علم
کا یہی کام ہے اور یہی واجب ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں اہل علم کا کام ہی ہے کہ وہ اپنے سے اعلم کی تقلید کریں اور یہی واجب ہے رہا ثواب صاحب کا یہ کہنا کہ مسائل یسیرہ (مختصر سے مسائل) میں ایسا ہوا ہے تو یہ حقیقت ثابتہ کا کھلا انکار ہے کیونکہ جن مسائل میں مقلدین نے تقلید کی ہے وہ بے شمار مسائل ہیں جو مسائل کثیرہ کا مصداق ہے نہ کہ یسیرہ کا

اور ثواب صاحب ہی فرماتے ہیں کہ

واما تقلید من بذل جهدہ فی اتباع ما انزل اللہ تعالیٰ و خفی علیہ بعضہ فقلد فیہ من هو اعلم منه فهذا محمود غیر مذموم و صاحب غیر ما نور کما سیاق بیانہ عند ذکر التقلید الواجب والساق انشاء اللہ تعالیٰ -

انشاء اللہ تعالیٰ

(والدین الخالص ص ۵۱)

اس سے بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ لاعلمی کے وقت اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید محمود اور پسندیدہ ہے اس میں اجر اور ثواب تو ہو گا لیکن گناہ کچھ نہ ہو گا۔

اور لاعلمی کے وقت تقلید کے جواز پر علامہ ابو عمرو عثمان بن عمر ابن حبان (المتوفی ۶۴۶ھ) اور اہم شعرائی صاحب الوہاب احمد بن علی (المتوفی ۹۷۳ھ) نے بھی خاصی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو علی الترتیب قع اہل الذبیغ والاکاد ص ۵۴ اور میزان الکبری ص ۳۱)

(۶) حضرت مولانا محمد عبدالحی لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) باطل اور شجرہ فرقہ کی تردید کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ

ولعمری افساد هؤلاء الملاحدة و افساد اخوانہم الاصاغر المستہوین بغیر المقلدین الذین سمو انفسہم مجھے اپنی زندگی (کے خالق) کی قسم ان محدود کافد برپا کرنا اور ان کے چھوٹے بھائیوں کافد برپا کرنا جو غیر مقلدین سے مشہور ہیں اور جو اپنے آپ کو اہل

بأهل الحديث وشتان ما بينهم
وبين أهل الحديث قد شاع
في جميع بلاد الهند وبعض بلاد
غير الهند فخرت به البلاد
ووقع النزاع والعداء فالله
المشتكى واليه المتضرع والملتجئ
بدأ الإسلام غرباً وسعود غرباً
فطربى للعرباء ولقد كان حدوث
مثل هؤلاء المفسدين والملحدین
في الأزمنة السابقة في أزمنة
السلطنة الإسلامية غير مرة فقابلتهم
اساطين الصلة وسلاطين الأمة
بالصورم المنكية واجبروا عليهم
الجوزم المفنية فاندفت فتنهم
بهلاكهم ولما لم يبق في بلاد الهند
في اعصارنا سلطنة اسلامية
ذات شوكة وقوة عمّت الفتن
واوقعت عباد الله في الملحن
وانا لله وانا اليه راجعون انتهى بحفظ

(الآثار المفروقة في الاخبار الموضوعة ص ۲۴۸ طبع يوسفی مکتبہ الملتقى باہم الکلام)

کہلاتے ہیں اور انہیں محدثین کو ائمہ کے کیا متعلق اور
نسبت؟ یہ لوگ ہندوستان کے سب شہروں میں
اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے بعض شہروں
میں پھیل چکے ہیں اور ان کی وجہ سے شہروں میں غریبی
جھجکڑا اور عداوت واقع ہو چکا ہے سو اللہ تعالیٰ ہی کی
طرف شکوہ عاجزی اور التجار ہے اسلام کی ابتداء
بھی غربت میں ہوئی اور لوٹے گا بھی یہ غربت میں
سو غریبوں کے لیے خوشی ہو بے شک ایسے مفید اور عمدہ
پہلے زمانوں میں اور اسلامی سلطنت میں کسی مرتبہ ظاہر
ہوئے لیکن اکابر ملت اور امت کے بادشاہوں نے
ان کا مقابلہ قاطع قواروں سے کیا اور ان پر کاٹنے اور
قتل کرنے والی قواؤں چلائییں اور ایسے محدود کی ہلاکت
سے یہ فرقہ ختم ہوا مگر ہمارے زمانہ میں جب کہ ہندوستان
میں دبدبے اور قوت والی اسلامی سلطنت ہی باقی
نہ رہی تو یہ فرقے عام ہو گئے اور ان فتنوں نے اللہ تعالیٰ
کے بندوں کو مشقتوں میں مبتلا کر دیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

حضرت مولانا مکتبویؒ کے اس بیان کو غیر متقدمین حضرات غلط اور کم از کم تعصب اور غلو سے تعبیر
کریں گے اور اس طرح وہ اپنے آپ کو اور اپنے حواریوں کے نفوس کو تسلی دیکر مطمئن کریں گے لیکن
مولانا مرحوم کا یہ بیان ایک خالص حقیقت ہے جس کا انکار بغیر کسی متعصب اور غالی کے اور کوئی

نہیں کرے گا اور نہ کر سکتا ہے؟ کیونکہ

ستم کیشی کو تیری کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا اگرچہ ہو چکے ہیں تجھ سے پہلے فتنہ گر لاکھوں

(۷) مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی (المتوفی ۱۳۳۸ھ) فرماتے ہیں: پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کہہ بیٹھتے ہیں کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دُنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے لیے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گمراہ ائمہ سیف میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں اس گمراہ کے غلام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں انتہی بلفظہ (رسالہ اشاعت السنۃ ۲۰ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء ماخوذ از خیر التفقید ص ۷)

مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لٹکا ڈھائے مولانا موصوف خود غیر مقلد ہیں اور ان کے خطاب کا رخ بھی غیر مقلدین حضرات ہی کی طرف ہے کہ بے علم کے لیے ترک تقلید کفر و ارتداد کا ذریعہ ہے اور ربع صدی کے طویل اور صحیح تجربہ کے بعد مولانا موصوف نے یہ فرمایا ہے اور جو کچھ فرمایا وہ بالکل بجا اور صحیح فرمایا ہے، اس لیے کہ جاہل کے لیے واقعی ترک تقلید ارتداد کا کھلا دروازہ ہے۔ عبداللہ حکیم پوری۔ اسلم جیراچ پوری۔ نیانہ فتح پوری، ڈاکٹر غلام جیلانی بدق (رجوع حدیث کے منکر تھے لیکن اب ہماری کتاب صرف ایک اسلام کے مطالعہ کے بعد وہ اپنے غلط نظریہ سے رجوع کر چکے ہیں) ڈاکٹر احمد دین اکا لکھنؤ علامہ مشرقی۔ چودھری غلام احمد پریوتہ۔ تنہا عمادی اور حتیٰ کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی اسی ترک تقلید کے چور و راز سے بالآخر ارتداد کی منزل میں پہنچے ہیں اور مولانا مودودی صاحب نے بھی جن بعض بنیادی مسائل میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اور جن بعض مسائل میں پوری ملت اسلامیہ اور سلف صالحین کے مد مقابل کھڑے ٹھونک کر کھڑے ہو گئے ہیں یہ سب ترک تقلید ہی کا نتیجہ ہے ہم نے مؤخر الذکر کے علاوہ (ان کے متعلق ہم نے مودودی صاحب کے چند غلط فتوے میں مختصر سی بحث کی ہے وہاں ہی دیکھ لیں باقی سب کی خود اپنی عبارات انکار حدیث کے نتائج میں پیش کر دی ہیں کہ اسلام۔ مذہب اسلام کے بنیادی عقائد اور احادیث کے بارے میں ان کے کیا نظریات ہیں؟ وہ آپ حضرات اسی میں ملاحظہ فرمائیں صرف دو حوالے ہم یہاں عرض کرتے ہیں غور فرمائیں۔

۱۔ نیاز صاحب لکھتے ہیں کہ اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب مسلمان ہیں کیونکہ ان سب کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کوڑنہ تقلید کا اور تقلید بھی رسول و احکام رسول کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے قصہ مختصر یہ کہ اولین بیزاری اسلامی لٹرچر کی طرف مجھ میں احادیث نے پیدا کی (بلفظ من ویزدان حصہ اول ص ۵۴) جناب نیاز صاحب ترک تقلید کر کے اور اپنی جگہ غور کر کے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اُن کی داستان تو بہت دراز ہے لیکن صرف چند حوالے ہم یہاں عرض کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں

(۱) سب سے بڑی داہمہ پرستی جو سرچشمہ ہے اور بہت سے اوام کا معجزہ کا اعتقاد ہے۔
(من ویزدان حصہ اول ص ۵۹)

(۲) صرف یہ کہ معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوئے بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں۔
(بلفظ من ویزدان حصہ اول ص ۵۹)

(۳) میں اس سے قبل بھی بارہا لکھ چکا ہوں اور اب پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ جب تک مذہب کا وجود باقی ہے دنیا کا امن و سکون خطرہ میں ہے (بلفظ من ویزدان ص ۵۹ حصہ اول)

(۴) بعض لوگ کہتے ہیں کہ معتقدات مذہبی سے ہم کو کیا نقصان پہنچتا ہے اگر ہم دوزخ و جنت اور قصور جن و ملک معجزہ و حرق عادات وغیرہ پر عقیدہ رکھتے ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ جب کہ ان عقائد کا مقصد بھی اصلاح اخلاق ہے لہذا یہ بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت ان عقائد کے نقصانات حد درجہ مہلک ہیں یہ معتقدات چونکہ بیکر روایات پر مبنی ہیں اور عقل و روایت کا ان سے کوئی تعلق نہیں اس لیے ان کو صحیح سمجھ لینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا ذہن حقائق کی جستجو سے منحرف ہو جاتا ہے اسباب و نتائج کے رابطہ کو سمجھنے کی اہلیت ہم میں باقی نہیں رہتی انسان کے تمام قوار ذہنی مضمحل ہو جاتے ہیں اور ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔

(بلفظ من ویزدان حصہ اول ص ۵۹۳)

قارئین کرام انصاف سے غور فرمائیں کہ ترک تقلید کیا رنگ اور کیا نتیجہ لاتی ہے کہ اسلام کے

بنیادی عقائد ہی سے انحراف کر کے نیاز صاحب ارتداد کو اختیار کر چکے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر احمد دین صاحب لکھتے ہیں کہ۔ اور ہم لوگ بھی وحدت الہی حاصل کرتے ہوئے الحمد للہ بنے تھے پھر معلوم ہوا کہ یہاں بجائے وحدت الہی کے وہ شرک ہے جو نہایت سمجھ سہج کہ بڑے غور سے کیا جاتا ہے (بلفظ پیغام توحید ص ۱۱)

اور لکھتے ہیں کہ۔ کیونکہ کتب صحاح ستہ قطعی طور پر قرآن مجید کے خلاف میں (بلفظ ص ۱۱)

یہی ڈاکٹر احمد دین صاحب جو ترک تعلید کر کے الحمد للہ بنے پھر ترقی کر کے یہاں تک پہنچ گئے کہ وہ حضرات مصنفین صحاح ستہ کے نام اور ان کے سنیں وفات ذکر کرتے ہیں اور نام یہ بتاتے ہیں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی، پھر آگے لکھتے ہیں۔ یہ مذکورہ لوگ صحاح ستہ روایات کے طوفان کے تیار کرنے والے ہیں جو مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کے اصل موجب ہیں جنہوں نے وفات جناب رسول اللہ کے اٹھائی سو سال کے بعد مختلف فرقوں کی بنیادیں قائم کی ہیں یہ لوگ مسلمانوں کے امام بنائے جاتے ہیں جو محمد رسول اللہ کے نام کی طرح ہی مانے جاتے ہیں ان اماموں نے اپنی بائبل کی جھوٹی روایات کو اور اپنی ذاتی افتراء کو رسول اللہ کے نام پر لوگوں کو منوائی ہیں۔

(بلفظ پیغام اتحاد بالقرآن ص ۱۱)

اور نیز صحاح ستہ کے مصنفین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جناب محمد رسول اللہ اور مومنین نے جس وقت تبلیغ قرآن کی شروع کی تھی تو مخالفین یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار مخالفت کرنے لگے اور ہر طرح سے تبلیغ کو روکتے رہے الی ان قال یہ مذکور جہت مخالفین کی ہے جس کی بابت قرآن مجید میں مفصل ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے یہی جماعت منافقین ترقی کرتے ہوئے بعد وفات جناب محمد رسول اللہ کے کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد یہ کہتا ہیں بنا کر اپنے مذہب بائبل کی اشاعت کرنی شروع کر دی۔ (بلفظ پیغام اتحاد بالقرآن ص ۱۱)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ ترک تعلید کا پھل اور ثمرہ کیا برآمد ہوا مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مولوی عبد اللہ چکڑالوی بانی فرقہ منکرین حدیث غیر مقلد تھا۔ چنانچہ محقق مورخ شیخ محمد اکرام صاحب اس فرقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے

بانی فرقہ چکڑالوی غیر مقلد تھا

لکھتے ہیں کہ اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے جہاں لوگ انہیں چکڑالوی کہتے ہیں اور یہ اپنے

میں بعد رکوع کھڑے ہو کر با آواز بلند دعائیں (قنوت) کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر بزرگان دین نے سالہا سال حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی اقتدار میں نماز پڑھیں (ذکر حبیب ص ۲۷) حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم اپنی قرأت میں ہمیشہ بسم اللہ سورہ فاتحہ سے پہلے بالجہر پڑھتے تھے اور فجر اور مغرب اور عشاء کی آخری رکعت میں بعد رکوع عموماً بلند آواز سے بعض دعائیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پڑھا کرتے تھے (ذکر حبیب ص ۲۷)

(۸) عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں۔ خواہ وہ دو تین کو س ہی ہو اس میں قصر اور سفر کے مسائل پر عمل کرے (ملفوظات احمدیہ ص ۱۹۹)

(۹) یہ بدعت ہے حدیث شریف میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں آیا کہ نماز سے سلام پھرنے کے بعد دعا کی جائے (ذکر حبیب ص ۲۰۲)

قادیان کرام! یہ جملہ وہ مسائل ہیں جن پر غیر مقلدین حضرات کا عمل ہے اور یہی مرزا غلام احمد قادیانی کے معمولات تھے۔

حکیم نور الدین بھی غیر مقلد تھا | مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے خلیفہ اول حکیم نور الدین بن غیر مقلد تھے چنانچہ مصنف تاریخ احمدیت لکھتے ہیں کہ۔ حرمین سے

واپسی پر نور الدین نے وہابیّت اختیار کی اور ترک تقلید پر وعظ کیے اور عدم جواز تقلید پر کتابیں تصنیف کیں بھیرہ میں بیجان عظیم بپا ہو گیا (تاریخ احمدیت ص ۶۹) بحوالہ ترک تقلید کے بھیانک نتائج مرزا غلام احمد

سر ظفر خان کا دار غیر مقلد تھا | پاکستان کے سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان لکھتے ہیں کہ۔ میرے دارا چودھری سکندر خان صاحب مرحوم اپنے علاقہ کے بڑے بااثر و زور

تھے جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے وہ ائمہ حدیث فرقے سے متعلق لکھتے تھے (تحدیث نعمت ص ۳) بحوالہ ترک تقلید کے بھیانک نتائج ص ۵

مولانا شاہد اللہ صاحب امرتسری نے جب حضرات سلف صالحین پر اعتماد ترک کر کے اپنی رائے سے عربی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر القرآن بکلام الرحمن ہے تو خود غیر مقلدین حضرات بھی اس سے بڑھ کر اٹھ چنانچہ ان میں سے بعض غداروں حضرات نے پُر زور الفاظ میں اس کی تردید کی ذیل کے حوالے غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جیسی ہے الی قولہ پس مسلمانوں پر تو یہ واجب ہے کہ مولوی شہار اللہ سے مقاطعہ کہیں اور حکام کا یہ فرض ہے کہ اس کو زجر و توبیخ کریں۔ اگر بایں ہمہ وہ توبہ نہ کرے تو نہ تو اس کو سلام کہا جائے اور نہ اس کے ساتھ نشست و برخاست کی جائے اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے اور نہ اس کی قبر پر دعا کے لیے کھڑا ہو (ص ۲)

(۵) شیخ عبد العزیز بن عبد الرحمن آل بشر۔ اپنی تحریر میں فرماتے ہیں کہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تفسیر کلام النبی صحیح احادیث نبویہ اہل حدیث اور مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کی تفسیر کے خلاف ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا مقاطعہ کیا جائے بلکہ تردید کی غرض سے دیکھنے کے سوا اس کا دیکھنا بھی حرام ہے اور اسی طرح یہ تفسیر اس قابل ہے کہ اس کا مقاطعہ کیا جاک (ص ۲)

(۶) مولانا عبد الواحد غزنوی نے بھی مولوی شہار اللہ کو خط لکھا کہ ہم کہتے ہیں کہ تمہاری تفسیروں اور کلام میں وغیرہ تالیفات میں یہ یہ مسائل آمنت باللہ کے برخلاف ہیں الخ (ص ۲)

(۷) مقام آرہ میں غیر مقلدین حضرات کے منصفین کی ایک جماعت بھی لکھے ایک مکتب مولانا شمس الدین صاحب عظیم آبادی بھی تھے انہوں نے جو فیصلہ کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ تفسیر القرآن بکلام الرحمن کے معانی مذکورہ بلاشبہ ایسے ہیں کہ فرق ضالہ کے خیالات کو تائید پہنچا سکتے ہیں اور اہل سنت اہل حدیث کے مخالف اس سے خوش ہوں اور عند المقابلہ اس تفسیر سے تمک کہیں (فیصلہ آرہ ص ۷)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الواحد غزنوی لکھتے ہیں کہ۔ اور شہار اللہ طحہ زید بنی جعد اور جہم سے ہزار درجہ بدتر ہے بلکہ تمام کفار بدعے زمین سے بدتر ہے چنانچہ کتاب اظہار کفر شہار اللہ میں ص ۷۷ سے ص ۱۳۹ تک بہت وجوہ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ جہ بن درہم اور جہم بن صفوان سے زیادہ تر قتل کا مستحق ہے اگر حکومت اسلام کی ہو بلغظہ (الفیصلۃ الجبازیۃ السلطانیۃ بین اہل السنۃ و بین الجہمیۃ الثنائیۃ ص ۷ مطبوعہ لبنان مصر حد بقی پریس راولپنڈی)

• اور نیز لکھتے ہیں کہ اس شہار اللہ طحہ زید بنی کا قتل تمام علمائے تابعین کے اجماع سے بلکہ ہر قرن کے تمام علمائے اہل سنت کے اجماع سے ثابت ہے الخ (ص ۷)

اور نیز تحریر کرتے ہیں کہ۔ اور شہار اللہ کثیری تر سب اہل اہل اس سے زیادہ بُرا بلکہ آریوں سے بھی بدتر ہے تو اس سے بطریق اولیٰ پھر ضروری ہوا کیونکہ مرتد منافق زید بنی ہے بلکہ باقی جلسے شہار اللہ

مبتدع کے بھی بدعت متحدہ ہیں جو سال بال بطور عادت کے کیے جاتے ہیں الخ (ص ۱۶)

اور ان کے کفر کی ایک مثال یوں بیان کی ہے کہ۔ یہاں راولپنڈی میں آریہ کے ساتھ بحث کرنے کو آیا اور اشتہار دیا اور غلام کو جمع کیا اور آریہ کو بیچ پر کھڑا کیا اس آریہ نے قرآن پر اعتراض کیا کہ قرآن میں لکھا ہے۔ ان اللہ علی کل شیء قدیر یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اللہ اپنی مثل بنانے پر بھی قادر ہے یا نہیں؟ سو اس اجل الناس نے کہا کہ ہاں قادر ہے اپنی مثل بنا سکتا ہے دیکھو اس اکفر الکافرین اجل الناس کو کہ اس غیبت کے پدید منہ سے کتنا کفر عظیم نکلا جس کا کوئی کافر بھی قائل نہیں ہو سکتا الخ (بفظہ ص ۱۷)

(۸) مولانا عبدالحق غزنوی نے اس تفسیر کے رد میں مستقل رسالہ الاربعین لکھا ہے جس میں اس باطل اور محرف تفسیر کا اور اس میں درج شدہ بعض مسائل کا خوب تعاقب کیا ہے اور چالیس صریح غلطی بیان کی ہیں اور ابتداء میں لکھتے ہیں کہ آجکل ایک تفسیر عربی مولوی ثناء اللہ کشمیری الاصل امرتسری اوطن میری نظر سے گذری تفسیر کیا ایک اغلاط کا مجموعہ تاویلات کا ذخیرہ دیکھا تعجب ہے یہ نو برس کی غلطی کی فضیلت اور لیاقت پر کہ الفاظ غلط۔ معانی غلط۔ استدلال غلط بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ دی اھ (الاربعین ص ۳ پر مننگ پریس لاہور)

اور نیز لکھتے ہیں کہ۔ ناحق اہل حدیث کو بدنام کر رہا ہے بلکہ اہل حدیث سے بالکل مخالف اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے فلاسفہ اور پیچریوں اور معتزلہ کا مقلد ہے ناسخ منسوخ۔ تقدیر۔ معجزات۔ کہ آیات۔ صفات باری تعالیٰ۔ دیدار الہی۔ میزان۔ عذاب قبر۔ عرش لوح محفوظ۔ دابۃ الارض۔ طلوع شمس از مغرب وغیرہ جو اہل سنت میں مسائل اعتقاد یہ اجماعیہ ہیں اور آیات قرآنیہ ان پر شاہد ہیں اور علماء اہل سنت نے اپنی تفاسیر میں بالاتفاق جن آیات کی تفاسیر ان مسائل کے ساتھ کی ہے انہوں نے مولوی ثناء اللہ نے ان سب آیتوں کو بتقلید کفرہ یونان و فرقہ ضالہ معتزلہ و قدریہ و جہمیہ خذلہم اللہ محرف و مبدل کر کے سبیل مومنین چھوڑ کر اپنے آپ کو قَاتِلِ مَیْمَنَ عَنِ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ قَوْلُهُ مَا تَوَلَّى وَفُضِّلَ لَهُ جَهَنَّمُ وَكَانَتْ مَصِيرًا کا مصداق بنایا اہل سنت و جماعت تو درکار تفسیر نبوی سے کچھ سروکار نہیں اکثر تفسیر نبوی سے برخلاف تفسیر کی ہے الخ (ص ۱۸)

اس کے بعد قرآن کریم کی چالیس آیات کی غلط تفاسیر بقیہ حروف نقل کر کے اور ان کا رد کر کے آخر میں سابق متحدہ ہندوستان کے تقریباً اسی علماء کرام ان تفاسیر کے غلط اور تفسیر بالرائی ہونے پر دستخط ثبت ہیں جن میں چار حضرات دیوبند کے مسلک سے متعلق ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبند، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا محمد رفیع صاحب تفسیر حسن صاحب بقیہ اکثر حضرات غیر مقلد ہیں مولانا عبد الواحد بن مولانا عبد اللہ الغزالی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ مولوی شہار اللہ امرتسری کو خود رائی و خود بینی نے تباہ کر کے یہاں تک پہنچایا کہ اپنی رائے سے تفسیر کر رہے سلف صاحبین تو بجائے خود ہے وہ احادیث سے بھی مستغنی ہوا۔

(الاربعین ص ۵)

ظاہر امر ہے کہ حضرات سلف صاحبین پر اعتماد ترک کر کے اور اپنی رائے پر بھروسہ کر کے یہی کچھ ہو سکتا ہے جس کے چند نمونے قارئین کرام نے بخوبی ملاحظہ کر لیے ہیں جن سے اہل اسلام کے کلیے شق ہوتے ہیں انکھیں پر نہم ہیں اور دل سیاب کی طرح لرزتا ہے۔

ٹپک لے شمع! آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری

ان کی مزید چند باتیں ملاحظہ فرمائیں

(۱) قرآن کریم میں صاف مذکور ہے کہ میت صاحب اولاد کی بیوی کو خاوند کے ترکہ سے ثمن (یعنی آٹھواں حصہ) ملتا ہے۔ مگر مولانا شہار اللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس کو چوتھا حصہ ملے گا۔ اسی طرح قرآن کا یہ حکم ہے کہ میت بغیر صاحب اولاد کی بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔ مگر مولانا شہار اللہ صاحب اسے آٹھواں حصہ دلاتے ہیں۔ نیز قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ اگر میت کی فقط دو ہی لڑکیاں ہوں تو ان کو جائیداد سے ثلثین (یعنی دو تہائی مال) حاصل ہوگا۔ مگر مولانا موصوف ان کو نصف دلاتے ہیں۔ (دیکھئے البرہان الساطع ص ۲۸ و ۲۹)

(۲) قرآن کریم میں بیوہ کی فقط دو ہی عدتیں ہیں کہ اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر غیر حاملہ ہے تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ مگر مولانا موصوف سے سوال ہوتا ہے کہ بیوہ جس کو مرد نے مس نہیں کیا۔ بلکہ سرال کے گھر ہی نہیں آئی۔ نہ متوفی اس کے گھر گیا ہے

اس کی عدت پانے کی شرعاً کیا وجہ ہے۔ جواب :- عورت مذکورہ پر کوئی عدت نہیں۔ قرآن شریف میں ہے **مَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا** (اخبار المحدثین ۱۹ دسمبر ۱۹۲۴ء) حالانکہ اس آیت میں پہلے صاف مذکور ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو **ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ** پھر ان کو قبل بائقہ لگنے کے طلاق دیدو۔ تو تمہاری ان **فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا** پر کوئی عدت نہیں جس کو تم شمار کرتے ہو۔

یہ عدت مطلقہ عورت کی ہے نہ کہ بیوہ کی۔ مگر مولانا شار اللہ صاحب یہ عدت بیوہ کی بتلا رہے ہیں۔ (۳) قرآن کریم میں بیوہ کی عدت بصورت حمل وضع حمل۔ اور بصورت غیر حمل چار ماہ اور دس دن ہے۔ مگر مولانا شار اللہ صاحب کے سوال ہوتا ہے کہ بیوہ کی عدت کتنے ایام مقرر ہیں۔ وہ ایام کس طرح پر ادائیگے جائیں۔ جواب :- بیوہ کی عدت خود قرآن مجید میں منصوص ہے۔ **يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ**

ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ تین طہریاتیں حیض پورے کرے۔ (اخبار المحدثین ۱۹ دسمبر ۱۹۲۴ء) فارغین نے دیکھ لیا کہ مولانا شار اللہ صاحب کی گنگا ہی الٹی ہے۔ قرآن میں تو یہ تھا کہ **وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ** اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھے **ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ** (پ ۲۔ بقرہ) تین حیض۔

یہ اس مطلقہ کی عدت ہے جسے حیض آتا ہو (اور حاملہ نہ ہو حاملہ کی عدت وضع حمل ہے) اور جس کو حیض نہ آتا ہو۔ کم سنی یا کبر سنی یا کسی بیماری کی وجہ سے اس کی عدت قرآن نے تین ماہ بتلائی ہے۔ (۴) مسلمانوں کا بچہ بچہ بھی جانتا ہے کہ سوتیلی دای اور رضاعی نانی سے اور رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے۔ اور قرآن کریم میں پہلے دو دلالتہ النص سے اور تیسرا عبارت النص سے مذکور ہے۔ مگر مولانا شار اللہ صاحب ان سب کا نکاح جائز قرار دیتے ہیں (بحوالہ البرہان الساطع ص ۱۹)

کہاں تک لکھا جائے! آپ دیکھ چکے کہ ترک تعلیقہ اور تعلیقہ سے نفرت کیا کیا ثمرات لائی۔ ایک لطیفہ پر یہ بحث ختم کی جاتی ہے۔ مولانا شار اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

ماں نے زنا سے مال حاصل کیا۔ بیٹا تو بہ کر لے تو مال حلال ہو سکتا ہے۔

(اخبار المحدثین ۲۵ ستمبر ۱۳۴۳ھ)

واہ سے! مولانا شاہ اللہ صدقے جاؤں تیرے۔

راک بگڑنے سے ترے لاکھ دستی اپنی اک عادت سے تری لاکھ محبت ہم کو
تأسف بالآتے تأسف | بعض آپنے ملاحظہ کر لیے ہیں اور بات بہت طویل ہے۔

انہ کے باتو گھستم و غم دل ترسیدم کہ آزرہ شونی و گھر نہ سخن بیا رست
 مگر ہزار در ہزار افسوس ہے کہ غیر مقلدین حضرات کو فقہ اور تقلید کے عیوب خود تراشیدہ تر نظر
 آتے ہیں لیکن ترک تقلید کا کوئی نقصان اور عیب نظر نہیں آتا رد تقلید پر جو کتابیں ان حضرات نے تالیف
 کی ہیں وہ اس نظریہ سے پُر ہیں کم فرصت آدمی کو نتائج تقلید ہی ملاحظہ کر لینی چاہیے ہم یہاں مشورہ غیر مقلد
 عالم مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہری کا حوالہ عرض کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں

تر حقیقی امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اور شاید بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ امام ابوحنیفہؒ تیرہ سال
 بڑے ہونے کے باوجود امام مالکؒ کے شاگرد تھے اور ان سے سماعت حدیث کرتے تھے علامہ ذہبیؒ
 نے تذکرۃ الحفاظ میں اسکی عمدہ تفصیل لکھی ہے پس حقیقت یہ ہے کہ امام مالکؒ و امام نعانؒ یعنی اسناد
 شاگرد میں تو کوئی اختلاف کوئی تباہی نہ تھا۔ یہ نفرت و کدورت ان حضرات کے بعد پیدا ہوئی اور اس
 کی ذمہ داری اہل الرائے و اہل التقليد پر عائد ہوتی ہے جو اس کوشش میں اب تک لگے ہوئے ہیں کہ

دنیا میں حدیث کا نام و نشان نہ رہے پس وہی فقہ باقی ہے جو اختلافات و محدثات سے پُر ہے اور
 جس میں ظن و قیاس کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا بلقطہ (تاریخ المشاہیر حصہ دوم ص ۱۱۱)
 خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھیے اور اس تعصب اور اہل فقہ سے نفرت و عناد کو دیکھئے جو غیر
 مقلدین کے رگ و پٹے میں سرایت کیے ہوئے ہے کہ انہیں کُتب حدیث میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا اور
 جعلی اور موضوع مشکوٰۃ و معلول حدیثوں کا انبار دکھائی نہیں دیتا اور فقہ کے اختلافات و محدثات انہیں سادوں
 کے اندھوں کی طرح ہمہ وقت ہرے بھرے نظر آتے ہیں اور کُتب فقہ میں مقام استدلال میں قرآنی آیات احادیث
 اور آثار حضرات صحابہ کرامؓ سے نظر بالکل چوک جاتی ہے۔ ان کا نام تک نہیں لیتے اور جن مقلدین حضرات
 کی کوشش سے کُتب حدیث، شرح حدیث اور کُتب اسرار الرجال وغیرہ مرتب و مدون ہوئیں وہ
 حدیثی خدمت انہیں بالکل نظر نہیں آتی بلکہ اُلٹیہ کہتے ہیں کہ مقلدین حدیث کا نام و نشان تک مٹانا چاہتے

ہیں لاجول ولا قوۃ الا باللہ علامہ ذہبیؒ نے یہ نہیں فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ نے حضرت امام مالکؒ سے حدیث کی سماعت کی ہے وہ تو صرف یہ فرماتے ہیں کہ امام اشعث بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو امام مالکؒ کے سامنے لائے دیکھا جیسے بچہ اپنے باپ کے سامنے ہوتا ہے علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ

فہذا یبدل علی حسن ادب ابی حنیفۃؒ یہ بات امام ابو حنیفہؒ کے حسن ادب اور تواضع پر
وتواضعہ مع کونہ اسن من مالکؒ بثلاث دلائل کرتی ہے حالانکہ وہ امام مالکؒ سے تقریباً ۱۲ سال
عشرۃ سنۃ (تذکرہ ص ۱۹۵) بڑے ہیں

اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت امام مالکؒ سے کچھ علمی باتیں اخذ کی ہیں تو حضرت امام مالکؒ نے بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ساتھ ہزار کے لیے ہیں جیسا کہ تائیب الخطیبؒ میں متعدد مؤرخین کے حوالہ سے لکھا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت امام ترمذیؒ حضرت امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں معذرا خود حضرت امام ترمذیؒ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ صحیحین حضرت امام بخاریؒ نے مجھ سے لی ہیں (ترمذی ص ۱۲۳ و ۱۲۴) صحابی

(۸) مشہور غیر مقلد عالم جناب مولانا قاضی عبدالواحد صاحب خانپوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ پس اس زمانہ کے جھوٹے ائمہ حدیث متبعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجار الرسولؐ سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و روافض کے یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل (دروازہ) ملاحظہ و زنادقہ کا تھے اسلام سے نکلنے کی طرف اسی طرح یہ جاہل بدعتی ائمہ حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحظہ اور زنادقہ منافقین کے مثل اہل تشیع کے الی ان قال مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحظہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیدیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلاؤں کچھ پرواہ نہیں اسی طرح ان جہال بدعتی کاذب ائمہ حدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کہے اور تقلید کا رد کہے اور سلف کی تہنک کہے مثلاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر اعتقادی اور الحاد اور زندقہ اہل حقیت ان میں پھیلائے ہوئے ہیں خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چپیں بچیں بھی نہیں ہوتے اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے سبحان اللہ تعالیٰ ما اشبه اللیلۃ بالبارحۃ اور ہر دراز اس کا یہ کہ وہ مذہب و معتزلات اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستکف (عار بجھنے والے) و تکبر ہو گئے ہیں فافہم و تدبیر الی ان قال پھر ملاحظہ مزیائہ قادیانیہ نکلے۔ تو

انہوں نے بھی انہی کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہونا اختیار کیا اور جماعات کثیرہ کو ایمان سے مرتد اور منافق بنایا اور جب ملاحظہ زمانہ چکڑا وہ یہ نکلے تو وہ بھی انہی کے دہلیز و دروازہ سے داخل ہوئے اور ایک خلق کو ان سے مرتد بنایا اور اب جب یہ مولوی شہار اللہ خاتمہ الملحدین نکلا تو وہ بھی انہی جہاں الطیث کے باب اور دہلیز سے داخل ہو کر کیا جو کچھ کیا یعنی پہلے اس نے ستر متین اور صحن حسین اسلام کہ اجماع اُمت مرحومہ اور اتباع سلف صالحین ہے کہ خیر القرون ہیں اس کو توڑا اور پھر اسلام میں کفر اور نفاق کو داخل کیا اور تحریف کلام الہی و قرآن مجید کی اوپر مذاہب ملاحظہ زمانہ کے ایسی کہ یہودیوں سے بھی بڑھ گیا اور الحاد و جہمیہ اور نیچریت اور کفریات فلاسفہ دھرتیہ کو اسلام میں بذریعہ مکرو و فریب اور تحریف کے داخل کیا الخ بلفظ (کتاب التوحید و السنن فی رد اہل اللحاد و البدعہ المسقوب بہ اظہار کفر شہار اللہ بیجمع اصول اُمت باللہ ص ۲۶۳ و ص ۲۶۴)

محترم جناب قاضی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے حق فرمایا ہے کہ نام نہاد اہل حدیث کے نزدیک تقلید کا انکار کرنا رفع یدین کرنا زور سے آمین کہنا اہم کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اور اس پر شہید اصرار کرنا اور حضرت امہ دین پر خصوصاً حضرت امہ ابو حنیفہ پر بلا سانس لے کر بنا وغیرہ ہی پیارا دین اور محبوب عمل ہے اور اسی میں ان کو خوشی اور لذت حاصل ہوتی ہے اور ہمہ وقت وہ اسی کے درپے رہتے ہیں کسی غیر مسلم کے مسلمان ہونے کی اکثر امنیں اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی کہ ترک تقلید کر کے کسی کے غیر مقلد ہونے اور رفع یدین وغیرہ کرنے کی ہوتی ہے مثلاً یہ کہ دیکھیں عیاں راجح بیاں اور اصولی باتوں کو اکثر نظر انداز کرتے ہیں ۔

پلٹ پلٹ کے قفص ہی کی سمت جاتا ہوں کسی نے راہ بتلائی نہ آشیانے کی

(۹) اپنے دور کے مشہور و معروف غیر مقلد بزرگ عالم مولانا محمد ابراہیم صاحب میرٹھ لکھنؤ (متوفی ۱۲۵۵ھ) فرماتے ہیں عنوان پنجم اہل حدیث کا مسلک میں کیا ہمارے حنفی بھائی ہم ائمہ ثلاثہ کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم تقلید سے مطلقاً انکار کرتے ہیں اور علوم کو تعلیم کرتے ہیں کہ وہ باوجود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث یا اقوال صحابہ نہ ملنے کے اور خود بھی کتب متداولہ مشورہ میں علمی قابلیت نہ رکھنے کے اقوال ائمہ کو (معاذ اللہ تعالیٰ) ٹھکرا دیا کریں اور مادر پدر آزاد ہو کر جو چاہیں سو کیا کریں؟ اگر ان کا یہی خیال ہے تو ہم صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارا مسلک سمجھنے میں تحقیق سے کام نہیں

یہ عنوانات سابقہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے (کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کی موجودگی میں کسی کا کوئی قول اور رائے معتبر نہیں ہے۔ صفحہ ۱) وہ زیادہ تر حنفی متجرب علماء کی تحریرات سے نقل کیا گیا ہے اگر آپ ان کے مطابق عمل پیرا ہوں تو ہمارا بھی اس پر عداوت نہیں تاکہ روزمرہ کی نزاع مٹ جائے اور ہم ہر دو فریق خوشی سے کہیں۔

کون کتاب ہے کہ ہم تم میں حیدرائی ہوگی یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی
(ملفوظ تاریخ المحدثین ص ۱۱۸ طبع ۱۹۵۳ء)

اس کے بعد مولانا نے معیار الحق کے حوالہ سے تقلید کی چار قسمیں اور ان کے احکام کہ باقی رہی تقلید وقت لاعلمی الی قولہ غرضیکہ وہ مقلد مذہب اپنے اہم کارئیں چھوڑا (ملفوظ معیار الحق ص ۱۵۷) نقل کر کے آگے لکھا ہے۔ اسی طرح اسلامی دنیا میں اہلحدیث کے مسلم پیشوا اور مجتہد امام شوقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) نے القول المفید میں اولیٰ تقلید پر سیر کن بحث کی ہے اور اپنی بے نظیر تفسیر فتح القدیر میں آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْكَ لَكَ بِمِ مِّنْهُ (بنی اسرائیل ۱۷) کو اور آیت اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (الانجم پ ۲۷) کے عموم کو مخصوص البعض کہ کر اتباع رائے کی جائزہ اور ناجائزہ صورتیں صاف الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور کوئی صاحب علم جو نصوص قرآن و حدیث پر بالغ نظر رکھتا ہو اور اس کو خدا نے علوم خاد میں سے بھی کافی حصہ دیا ہو اور طبع کی سلاطنت اور اصابت رائے کی نعمت بھی بخشی ہو اس تقسم سے گمراہ نہیں کر سکتا ورنہ نصوص کی عدم رعایت سے معاذ اللہ تعالیٰ شریعت مہمل و بیکار سمجھی جائیگی اور بصورت فقدان نص اجتہاد کی ضرورت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے شریعت عالمگیر اور آقا پر قیامت قائم نہ جانی جائیگی اور یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ نیز یہ کہ فقہ حنفی میں کتاب ہدایہ میں مسائل فقہیہ کی اسناد میں روایات سے جو ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی و معقولی باتیں سمجھائی ہیں ان میں امام برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ تعالیٰ بے سود گئی جائیگی اور یہ بات سوائے کسی جاہل اور بے سمجھ کے کون کہے گا؟ ہذا واللہ المادی (انتہی ملفوظ تاریخ المحدثین ص ۱۱۹ و ص ۱۲)

مصنف مزاج غیر مقلدین حضرات سے گزارش ہے کہ وہ مولانا موصوف کی اس عبارت کو ٹھنڈے دل اور غور سے بار بار پڑھیں کہ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد اور قیاس کو ترک کر کے کیا

مذہب اسلام عالمگیر ہو سکتا ہے؟ اور کیا تاقیامت پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں تقلید ترک کر کے ماوراء پر آزاد ہونے کی گنجائش کسی کو دی جا سکتی ہے؟ اور کیا ہدایہ جیسی علمی اور تحقیقی کتاب سے صرف نظر کی جا سکتی ہے؟ جو ایسا کرے گا تو بقول مولانا موصوف وہ جاہل اور بے سمجھ ہو گا وہ عالم اور عاقل کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے جو غیر متقدمین حضرات صاحب ہدایہ وغیرہ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے وہ مولانا میر صاحب کا یہ قول بھی یاد رکھیں جس کو وہ شیخ انکس مولانا میر ندیر حسین صاحب کے نقل کرتے ہیں کہ۔ ہم ایسے شخص کو جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے چھوڑنا فرضی جلتے ہیں۔

(بلفظ ماشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۷۳)

ہدایہ کی خلاف تعصب اور جمالیٹ بدترین مظاہرہ | قارئین کرام نے فقہ حنفی کی بہترین کتاب ہدایہ کی تعریف و توصیف تو مولانا میر صاحب سے سُن لی ہے اب آپ اس دور میں غیر متقدمین کے ذیل عظیم کی کتاب کا ایک حوالہ بھی ہدایہ کے بارے میں چنانچہ وہ اس عنوان سے لکھتے ہیں۔

مصنف ہدایہ کا پائل طوفان | مصنف ہدایہ کا قلم اس درجہ بے دھڑک نڈر اور بے خوف ہے کہ جھوٹ و افتراء میں اسے انتہائی لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے چنانچہ تراویح باجماعت کو سنت ثابت کرنے کی غرض سے واضح الفاظ میں لکھا ہے انھما سند کذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ لاندہ و اظہر علیہا الخلفاء الراشدون۔

(ہدایت مجاہد مطبوعہ مجتہبی دہلی) تراویح باجماعت سنت ہے کیونکہ حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ خلفاء راشدین نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے۔

اصلیت واقعہ | یہ ہے کہ حضرت امام کا یہ قول زندگی میں تو کیا بعد وفات خواب میں بھی حسن یا کسی دوسرے شاگرد سے منقول نہیں اور قطعاً نہیں گویا حضرت امام پر یہ ہدایہ ایسی مقدس دستند کتاب کا حکم کھلا افتراء ہے جس کتاب کی تقلیدیں کا یہ عالم ہو اسے حنفی مذہب کی اساس قرار دینا جنوں اور مذہب سے مسخری مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حافظ ذہبی جو کہ حنفی مذہب کا ذمہ دار رکن اور تخریج ہدایہ کا بیابانگ دہل مدعی ہے مصنف ہدایہ کے اس افتراء عظیم کو دیکھ کر انتہائی شرمندہ و نادام ہو کر اس پر کچھ ذکر کیے بغیر خاموشی سے گزر گیا ہے لیکن حافظ ابن حجر جو تخریج ہدایہ پر مسلم

اٹھاتے ہیں تو اپنی ناپائیدار علمی معلومات کے باوجود مصنف ہدایہ کے اس قول باطل پر حیرت زدہ ہو کر فرماتے ہیں ما وجدناہ یعنی مصنف ہدایہ کے اس قول کا کہیں شریع و نشان نہیں ملا۔ جو من میں آیا ہے نام شریعت دے دیا

(انستى بلفظ نتائج التقلید ص ۱۵۷)

الجواب :- ہم مسئلہ تراویح کی بحث کو جو ہماری پیش نظر کتاب کے موضوع سے غیر متعلق ہے یہاں نہیں چھیڑنا چاہتے اس پر الگ اور خاصے معلومات ہم نے جمع کیے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوئی تو وہ الگ کتابی شکل میں مرتب اور مدون ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں صرف مؤلف نتائج التقلید کے جہل مرکب کا اختصار اتنا کہ مقصود ہے افسوس اور حیرت ہے کہ جو شخص ہدایہ کی عبارت سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا وہ صاحب ہدایہ کے ہائے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر سرقۃ الفاظ استعمال کرتا ہے ذیل کے اُمور بغور ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) لاندہ واطلب علیہا الخلفاء الراشدون یہ صاحب ہدایہ کی اپنی قائم کردہ دلیل ہے یہ نہیں کہ اس کو وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ کیونکہ حسن بن زیادؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ خلفاء راشدینؓ نے اس پر پیشگی فرمائی ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ یہ کتنا عظیم تعصب اور بڑی جہالت ہے کہ صاحب ہدایہ کی اپنی قائم کردہ دلیل کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی روایت بنا ڈالا ہے اور پھر خدا غنی سے بے نیاز ہو کر اعتراض شروع کر دیا ہے کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟

(۲) امام حسن بن زیادؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے صرف یہ نقل کیا ہے کہ تراویح سنت ہیں اور علامہ عینیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ تراویح سنت ہیں۔ (عمدة القاری ص ۱۷۱) اور امام ابو الفضل محمد الدین عبد اللہ بن محمود الموصلی الحنفیؒ (المتوفی ۶۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام اسد بن عمروؒ نے امام ابو یوسفؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے تراویح کے ہائے اور حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تراویح سنت ہو کہ وہ ہیں اور حضرت عمرؓ نے اس کو اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا اور اس میں انہوں نے کسی بدعت کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ

ایک اصل اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد و اجازت پر پہنچی ہے اور بلاشبہ حضرت عمرؓ نے یہ سنت جاری کی اور لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کی امامت پر جمع کیا تو انہوں نے تراویح کی جماعت کرائی اگے فرماتے ہیں کہ

والصحابۃ متوافرون منهم عثمان
وعلی و ابن مسعود والعباس وابند
وطلحہ والزبیر ومعاذ وأبی وغیرہم
من المهاجرین والانصار رضی اللہ
تعالیٰ عنہم اجمعین وما ردّ
علیہ واحد منهم بل ساعدوہ
ووافقوہ وامروا بذلك
(الاختیار لتعلیل المختار ص ۶۸)

اُس وقت حضرات صحابہ کرامؓ بکثرت موجود تھے جن میں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عباسؓ حضرت ابی بن عباسؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت معاذؓ حضرت ابی اور ان کے علاوہ دوسرے مہاجرین اور انصار تھے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کا رد نہیں کیا۔ بلکہ سب نے حضرت عمرؓ کی مساعدت اور موافقت کی اور سب نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور علامہ ابوالہیثم بن محمد الحلبي الحنفیؒ (المتوفی ۹۵۶ھ) بھی امام حسنؒ بن زیادہ کے حوالہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا نقل کرتے ہیں (کبیری ص ۳۸۲)

اور مولانا عبدالحی لکھنویؒ بھی تراویح کو سنت مؤکدہ فرماتے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ

وعلیہ جمہور اصحابنا وجمہور العلماء ولما ما نقلہ بعض اصحابنا ان التراويح مستحب فہو مخالف للدرایۃ والروایۃ۔ (التعلیق المجدد ص ۱۱)

اسی پر جمہور احناف اور جمہور علماء ہیں اور جو ہمارے بعض احناف نے یہ نقل کیا ہے کہ تراویح مستحب ہیں تو ان کا قول درایت اور روایت دونوں کے خلاف ہے۔

غیر مقلدین حضرات کو تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا کانٹے کی طرح پھبتا ہے اور وہ اس کے لیے مارنیم جان کی طرح پیچ و تاب کھاتے ہیں جو انصاف اور حق سے بعید ہے امام احمد بن الحسین البیہقی الشافعیؒ (المتوفی ۴۵۸ھ) نے سنن البکریؒ (ص ۴۹۶) میں اُن روایات کی نشاندہی فرمائی کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے جو خلفاء راشدینؓ میں سے تھے بیس رکعت تراویح کا اقرار کیا اور ابھی اوپر عرض ہوا کہ اس کے خلاف کس نے آواز بلند نہیں کی اور خلفاء راشدینؓ

کی موافقت سے یہی مراد ہے امام موفق الدین ابن قدامہ الحنبلی (المتوفی ۶۲۰ھ) فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیسٹس رکعت پڑھاتے تھے اس کے بعد مزید روایات اور حضرت علیؓ کا اثر نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں وہذا کالاجماع (یعنی صحیح) اور یہ بمنزلہ اجماع صحابہ کے ہے۔

(۳) علامہ زملعیؒ نے صاحب ہدایہ کی دسیلوں کی تخریج کا بابائے دہل دعویٰ نہیں کیا بلکہ انصاف اور دیانت سے ہدایہ میں وارد شدہ احادیث اور آثار کی تخریج کی ہے اور اس میں بہت ہی کامیاب ہے۔

(۴) الدراریۃ ہدایہ کی احادیث کی تخریج کا ناپید انکار علمی ذخیرہ نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے جمالت ثبوت دیا ہے بلکہ یہ نصب الدراریۃ للزملعی کا ملخص ہے جیسا کہ الدراریۃ ص ۱۱ میں اس کی تصریح موجود ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں حدیث ان الخلفاء الراشدین واطلبوا علی التواضع لم اجد (الدراریۃ ص ۱۲۳) مگر یہ حافظ ابن حجرؒ کا دہم ہے کیونکہ صاحب ہدایۃ ان الخلفاء الراشدین واطلبوا علیہا کے الفاظ سے کسی حدیث کا حوالہ نہیں دے رہے بلکہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے تعامل کا ذکر کر رہے ہیں اور وہ اپنی جگہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور اس کا انکار ووز روشن کا انکار ہے جو عقلا کے نزدیک مجموع نہیں ہے۔

ایک طرف تو آپ مولانا میر صاحبؒ کا عالمانہ بیان پڑھ کر آئے دوسری طرف جو ناگدھی صاحب کی بھی سن لیجئے وہ لکھتے ہیں کہ۔

پس جو قرآن و حدیث میں ہے دین ہے اور جو ان دونوں میں نہیں وہ دین کی بات بھی نہیں دین کی باتیں وحی خدا یعنی قرآن و حدیث میں کامل مکمل موجود ہیں (بلفظہ طریق محمدی ص ۱۲)

بلاشبہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں دین کے اصول کلیات اور قواعد اور بے شمار تفصیلی احکام اور مسائل موجود ہیں اور اصول کے لحاظ سے وہ کامل و مکمل ہیں لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ تاقیامت پیش آنے والے معاملہ مسائل اور تمام جزئیات بھی صراحتہ قرآن و حدیث میں مذکور ہیں بڑا جہلانہ دعویٰ ہے۔ جس کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَاَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (جس کی بعد سے ضرورت تشریح اسی پیش نظر کتاب میں درج مقام میں مذکور ہے) اور حضرت معاذ بن جبل (المتوفی ۱۸ھ) کی صحیح حدیث بالکل کافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا چاہا تو فرمایا

کہ جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو تو اُس کا یکے
فیصلہ کرے گا؛ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب
کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ
تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تو کیا کرے گا؟
انہوں نے فرمایا کہ پھر میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا آپؐ نے
فرمایا کہ اگر سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر تو کیا کرے گا؟
انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد
کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں
کروں گا۔ آپؐ نے حضرت معاذؓ کی چھاتی پر (رضا
اور شفقت کا) ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی
حمد و ثناء ہے جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی
جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔

كيف تفتي ان عرض لك قضاء قال
اقضي بكتاب الله قال فان لم
تجد في كتاب الله قال فبسنة
رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم قال فان لم تجد في سنة
رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم وكذا في كتاب الله قال اجتهد
بما رأيت ولا ألو ف ضرب رسول الله صلى
الله تعالى عليه وسلم صدره
فقال الحمد لله الذي وفق رسول
رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم لما يريد حتى رسول الله (البودادو
ص ۱۴۹، والفظ لا ومنطيا سي ۱۷۷ والترذی ص ۱۵۹ و
دارمی ص ۲۰۲ طبع دمشق وندا احمد ص ۲۰۲ و مشکوٰۃ ص ۲۲۴ و
سنن البکری البیہقی ص ۱۰۱ و کتاب الاستقار ص ۱۴۳
لابن عبد البر و جامع بیان العلم ص ۴۴ لہ و البدایہ والنہایہ
لابن کثیر ص ۱۰۱ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۱)

اس حدیث سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی کہ جو ہمیشہ امدہ مسئلہ قرآن و سنت میں
نہ مل سکے اُس میں مجتہد کا اجتہاد و قیاس کرنا اور اپنی رائے سے اس کو حل کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی رضا کا موجب ہے اور آپؐ کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا کو مستلزم ہے غیر منصوص احکام میں اجتہاد و رائے
اگر دین نہیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کا کیا مطلب ہے؟ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا
کہ غیر منصوص مسائل میں مجتہد کی رائے بھی دین ہے اور محترم جو ناگہری کا دین کو صرف قرآن و حدیث میں

بند کر دینا ایک تو اس صحیح حدیث کے خلاف ہے اور دوسرے اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کا انکار ہے۔ جو ناگہمی صاحب نے جو یہ کہا "جو قرآن و حدیث میں نہیں وہ دین کی بات بھی نہیں، سوال یہ ہے کہ احناف اور دیگر مقلدین کی کتابیں تو چھوڑیں فتاویٰ نذیریہ۔ فتاویٰ ثنائیہ۔ فتاویٰ ستاریہ اور فتاویٰ اہل حدیث وغیرہ کتابوں میں جو جو مسائل اور جزئیات درج ہیں کیا وہ دین ہے یا غیر دین؟ اگر دین ہے اور یقیناً جواب اثبات میں ہو گا۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا ان میں سے ہر مسئلہ صراحۃً قرآن و حدیث میں موجود ہے؟ اگر نہیں تو اس غیر دین پر محنت کرنے اور مرتب کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ امام ابو عمر رحمہ اللہ بن عبد البر المالکی (المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ

وحدیث معاذہ صحیح مشہور رواہ الاثمة العدول وهو اصل فی الاجتهاد والقیاس علی الاصول وسائر الفقہاء قالوا فی ہذا الذم الآثار وما کان مثلہا فی ذم القیاس انہ القیاس علی غیر اصل والقول فی دین اللہ بالظن واما القیاس علی الاصول والحکم للشیء بحکم نظیر فہذا ما لا یختلف فیہ احد من السلف بل کل من روی عنہ ذم القیاس قد وجدلہ القیاس الصبیح منصوصاً لا یدفع ہذا الاجہل او متجاہل مخالف للسلف فی الاحکام بل یظہر رجاء بیان العلم وفضلہ علیہ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے جس کو عادل الامول (اور راویوں) نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اصولی کتاب و سنت و اجماع پر بنیاد رکھ کر اجتہاد اور قیاس کے لیے اصل ہے اور تمام فقہاء کرام علیہم السلام کے ہاتھ میں جن سے قیاس کی مذمت ثابت ہے یہ فرماتے ہیں کہ مذہب ہر ایسا قیاس ہے جس کا ہمیشہ کوئی اصل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں محض اپنی رائے ہی کے کچھ کہا جائے باقی رہا وہ قیاس جو اصول پر مبنی ہو اور کسی چیز پر اس کی نظیر کو دیکھ کر حکم کرنا تو اس کے بارے میں حضرات سلف میں سے کسی ایک کا اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جس سے قیاس کی مذمت مروی ہے اس سے صراحت کے ساتھ قیاس صحیح بھی ثابت ہے جس کا انکار جاہل یا بزدل جاہل بیٹنے والا ہی کر سکتا ہے۔ جو حضرات سلف کے فیصلوں کا مخالف ہے۔

اس عبارت سے ایک بات تو اس حدیث کی صحت اور شہرت ثابت ہوئی اور دوسرے یہ کہ تمام حضرات سلف کا بغیر منصوص مسائل میں اجتہاد و قیاس پر اتفاق ثابت ہوا اور تیسری یہ کہ قیاس صحیح اور قیاس مذہم کا علمی طور پر فرق ثابت ہوا کہ صحیح قیاس کا ہنئی قرآن و حدیث اور اجماع ہیں اور مذہم قیاس ان اصول میں سے کسی پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ ان سب سے مستغنی ہو کر قائل اپنی ذاتی رائے اور پسند کو دین کا درجہ دیتا ہے۔ جیسا کہ اہل بدعت کے جملہ فرقے اس کا شکار ہیں اور چوتھی یہ کہ جن حضرات سے قیاس کی مذمت آئی ہے اُس مذمت کا معنی واضح ہو گیا کہ مذمت کس قیاس کی ہے انشاء اللہ العزیز اسی پیش نظر کتاب میں قیاس مذہم کی مستقل بحث آ رہی ہے ہم یہاں اس کو تطویل نہیں دیتے۔

حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (المتوفی ۷۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ

وهذا الحديث في المسند والسند
باسناد جيد كما هو مقرر
في موضعه (تغییر ابن کثیر ص ۳۱)

یہ حدیث مسند اور سنن میں جید اور کھری سند کے ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔

اس عبارت سے بھی اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہے۔ قاضی محمد بن علی الشوکانیؒ محمود اور مذہم رائے کی بحث کرتے ہوئے اول کے بارے فرماتے ہیں کہ۔

فالعمل بالرأی فی مسائل الشرع
ان كان لعدم وجود الدلیل فی
الكتاب والسنة فقد رخص
فیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم كما فی قوله صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لمعاذ
لما بعثت قاضياً یم تقضی
قال یم کتاب اللہ تعالیٰ قال
فان لم تجد فی کتاب اللہ تعالیٰ
قال فنبئت رسول اللہ صلی اللہ

شرعیات کے مسئلوں میں عمل بالرأی اگر تو اس لیے ہو کہ کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں مل سکتی تو اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت و رخصت دی ہے جیسا کہ آپؐ کے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ جب آپؐ نے حضرت معاذؓ کو قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ تعالیٰ کے مطابق۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں تجھے نہ ملے تو فرمایا کہ پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فیصلہ کروں گا آپؐ نے فرمایا کہ اگر تو سنت اور کتاب

قَالَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنْ لَمْ
تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا فِي كِتَابِ اللَّهِ
قَالَ قَالَ اجْتِهَدْ رَأْيِي (الحديث) وهو حديث
صالح للاحتجاج به كما اوصحت

ذلك في بحث مفرد اھ (فتح القدير ۲۱۹ طبع مصر)

جناب نواب صدیق حسن خان صاحب قاضی شوکانیؒ کے حوالہ سے فاعمل بالامری سے لے کر وہو
حدیث صالح للاحتجاج بہہ کما اوضح الشوکانیؒ ذلك في بحث مفرد تک کی عبارت
مقام استدلال میں پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو تفسیر فتح البیان مع تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۲ طبع مصر ۱۳۰۱ھ
ممکن ہے کہ بعض حضرات کو علمی طور پر یہ اشکال پیش آئے کہ ابو داؤد اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت
معاذؓ کی حدیث کی سند کی آخری کڑی یوں ہے عن ناس من اصحاب معاذ من اهل
حمص عن معاذ الخ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲) وفي لفظ ابی داؤد عن أناس من اهل
حمص من اصحاب معاذ الخ (ص ۲۲۹) اور یہ انکس مجہول ہیں اور تابعین کے طبقہ میں روایات
کی جہالت سند کی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لیے کہ تابعین میں ثقہ اور ضعیف ہر قسم کے لوگ ہیں بخلاف
صحابہ کرامؓ کے کہ وہ کلمہ عدول ہیں تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) نے
اس سند کی آخری کڑی یوں نقل کی ہے عبادة بن خُصي عن عبد الرحمن بن غنم
عن معاذ الخ
اور فرماتے ہیں کہ

وهذا اسناد متصل ورجاله
معدونون بالثقة

(اعلام الموقعين ص ۱۶۶م)

حضرت عبد الرحمن بن غنمؒ کے صحابی اور غیر صحابی ہونے میں اختلاف ہے (مختلف فی صحبہ
تہذیب التہذیب ص ۲۵) لیکن ان کے ثقہ ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے علامہ علیؒ فرماتے

میں نہ پاسے تو پھر کیا کرے گا؟ حضرت معاذؓ
نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور
یہ حدیث قابل احتجاج ہے جیسا کہ ہم نے الگ
بحث میں اس کی وضاحت کی ہے۔

یہ سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی
مشہور ثقہ ہیں۔

ہیں کہ وہ شامی تابعی ثقہ من کبد التابعین تھے اور امام یحییٰ بن شیبہ فرماتے ہیں مشہورین ثقات الثامین اور محدث ابن حبان انہیں ثقات تابعین میں رکھتے ہیں اور علامہ ابن سعد بھی انہیں ثقہ کہتے ہیں اور امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں مسلمان ہوئے لیکن آپ کو دیکھا نہیں۔ اور حضرت معاذؓ کی وفات تک ان کی خدمت میں رہے اور وہ افقہ اہل الشام تھے اور یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے شام کے علاقہ میں عام تابعین کو علم فقہ کی تعلیم دی اور وہ بڑی جلالیت اور قدر والے تھے ان کی وفات ۷۸ء میں ہوئی (محصلہ تہذیب التہذیب ص ۲۵ و ص ۲۵۱) محقق ملک شام کا مشہور شریعہ حافظ ابن القیم اس سند کے متصل اور صحیح ہونے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ امت کی تلقی بالقبول سے بھی یہ حدیث مؤید ہے (اعلام الموقعین ص ۱۶۶)

الغرض اصول حدیث اور تعامل امت سے اس حدیث کی صحت بالکل واضح ہے۔ اور بغیر کسی جہتہی اور ہٹ و حرم کے اصولی اور علمی طور پر اسے رد نہیں کر سکتا۔

۷۔ اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
لواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ

ووجب علی العامی تقلیدہ ولاخذ
بفتواہ وقد استفاض الخیر عن
النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
انہ لما بعث معاذاً الی الیمن
قال یا معاذہ الحدیث لقطۃ الجوان
فیما تمسک الی معرفتہ حاجۃ
الانسان ص ۱۲ طبع فطامی کاپنور)

اس عبارت سے تین باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ لاعلم اور عامی آدمی پر مجتہد کی تقلید کرنا اور اس کا فتویٰ لینا واجب ہے دوم یہ کہ یہ بات حضرت معاذؓ کی اس مذکور حدیث سے ثابت ہے سوم یہ کہ یہ حدیث مستفیض اور مشہور ہے اور قاضی شوکانی بھی فرماتے ہیں کہ شریعت کے مسئلوں میں اگر قرآن و سنت سے کوئی دلیل موجود نہ ہو تو عمل بالراۓ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت

دی ہے جیسا کہ حضرت معاذ فرمائی کہ حدیث سے ثابت ہے الخ (فتح القدیر ص ۲۱۹ طبع مصر)

(۱۰) مولانا شارح القرآن صاحب (المتوفی ۱۳۶۷ھ) تقلید کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بات تو سچ ہو چکی ہے کہ بے علم کو عالم کی تقلید ضرور چاہیے (بلفظ تقلید شخصی مثلاً) مولانا موصوف کی یہ بات بالکل بجا ہے لیکن آجکل کے اکثر غیر مقلدوں کو کون سمجھائے کہ وہ تقلید کو نہ صرف یہ کہ شرک کہتے ہیں بلکہ تمام برائیوں کی جڑ بھی وہ تقلید کو قرار دیتے ہیں۔ اور وہ اس نظریہ کو سیدار قلب میں اُٹائے ہوئے ہیں۔

نوشی کو آنے دیتی ہے نہ علم کو جانے دیتی ہے در دل پر کسی کی یاد بھیجی پاسباں ہو کہ

(۱۱) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب (المتوفی ۱۳۸۷ھ) معیار الحق کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ۔
ائمہ سنت کے نزدیک بنیادی اصول چار ہیں تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآن سنت۔ اجماع امت اور قیاس۔ ان میں بھی اصل قرآن اور سنت ہے اجماع اور قیاس کا ماخذ بھی قرآن اور سنت ہے کتاب و سنت کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے نہ قیاس (پیش لفظ معیار الحق ص ۱)
اور نیز تفسیر فی الدین کا عنوان قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن و سنت کی حفاظت کے باوجود دنیا کے حوادث لاتنا ہی ہیں اور کتاب و سنت کی راہنمائی کے سوا ان حوادث سے بچہ برا ہونا ممکن نہیں اس لیے لازماً اہل علم اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ قرآن عزیز کا ارشاد ہے
فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ (نحل)
جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کرو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
انصافاً للعلی السَّوَالِ اِجْمَانِ اَدْمٰی کے لیے صحت مندریقہ یہی ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے یہ ایک فطری جذبہ تھا ہر زمانہ میں اہل علم نے اس ذمہ داری کا احساس فرمایا وقت کی ضرورت اور ماحول کے مطابق کتاب و سنت کے تقاضوں کو پورا فرمایا آوارگی سے بچتے ہوئے غیر منصوص حوادث کے فیصلے نصوص یعنی کتاب و سنت کی روشنی میں کیے اور اس کے ساتھ وقت کے مصالح اور ضرورتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا (بلفظ پیش لفظ معیار الحق ص ۱)

مولانا موصوف کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اس دنیا میں پیش آنے والے حوادث اور مسائل لاتنا ہی یعنی بے شمار ہیں اور وہ سب قرآن و سنت کی تصریحات سے حل نہیں ہوتے بلکہ ان کو تفسیر فی الدین کی بصیرت کے ساتھ قرآن و سنت کی راہنمائی میں حل کیا جائے گا اور بے علم

لوگوں کو اہل علم اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور اس پر وہ نص قرآنی اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں ظاہر امر ہے کہ اہل علم کی طرف اسی رجوع کا نام تقلید ہے۔

فریق ثانی کے شیخ اہل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی (دالموتی ۱۳۲۰ھ) اپنی مایہ ناز کتاب معیار الحق میں تقلید کی قسمیں اور ان کے احکام بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

باقی رہی تقلید وقت لاعلمی سو یہ چار قسم ہے قسم اول واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد کی اہلسنت کی لاعلمی التبعین جس کو مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے عقد الجید میں کہا ہے کہ یہ تقلید واجب ہے اور صحیح ہے بالاتفاق امت اور اس کی علامت لکھی ہے کہ عمل مقلد کا ساتھ قول مجتہد کے اسی طور پر ہو جیسے شرط کی (حیثیت) ہوتی ہے کہ اگر وہ قول موافق سنت کے ہو تو عمل کئے جائز لگاؤ جب معلوم ہو کہ مخالف ہے سنت کے تو اس کو پھینک دوں گا۔ (پھر آگے عقد الجید کی عبارت اور اس کا ترجمہ نقل کیا ہے) قسم ثانی مباح اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے بشرطیکہ مقلد اس تعین کو امر شرعی نہ سمجھے بلکہ اس نظر سے تعین کرے کہ جب امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتباع اہل کے علم عموماً صادر ہوا ہے تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عمدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے اور علامت اس تقلید کی یہ ہے کہ اگر دوسرے مذہب کے کسی مسئلہ پر عمل کر سکے تو انکار نہ کرے اور کسی شخص عمل کرنے والے کو جڑا نہ جانے اور ملامت اور تکرار نہ کرے مثلاً حنفی المذہب کو مسئلہ رفع یدین اگر معلوم ہو تو اس کے استعمال سے نفرت اور انکار نہ کرے بلکہ سمجھے کہ بھی لے اور حنفی ہو کر کسی کرنے والے پر طعن نہ کرے۔ قسم ثالث حرام و بدعت ہے اور وہ تقلید ہے بطور تعین کے بزم و جمہور کے برخلاف قسم ثانی کے۔ قسم رابع شرک ہے اور وہ ایسی تقلید ہے کہ وقت لاعلمی کے مقلد نے ایک مجتہد کا اتباع کیا پھر اس کو حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معدن مذہب اس مجتہد کے مثلاً معلوم ہو گئی تو اب وہ مقلد بدست و ذان عزرات کے جن سے سابقاً بخوبی جواب دیا گیا ہے یا تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا اور یا اس میں بدون سبب کے تاویل و تحریف کر کے اس حدیث کو طرف قول اہم کی لے جاتا ہے غرضیکہ وہ مقلد مذہب اپنے اہم کا نہیں چھوڑتا سو ان قسموں میں قسم اول اور ثانی تو محتاج اثبات کی نہیں کیونکہ ان دونوں کو فریقین تسلیم کرتے ہیں۔ لکن قسم ثالث اور رابع بے شک معرکہ آرا اور محط انظار ہے سو دلائل قسم ثالث کے تو مجتہد تقلید

شخصی کے آویں گے فائز اور قسم رابع کو اس مقام پر مدلل کیا جاتا ہے (معیار الحق ص ۱۵۵) وقت، مطبع چٹان پریس لاہور اور یہی بزرگ تقلید کے رو میں قول باری تعالیٰ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ الْآيَةُ مِیں چھ مقدموں کی سیڑھیاں لگا کر استدلال کرتے ہیں اور یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ۔ اور جو مقلد تخصیص مذہب معین کی بطور قسم ثانی کے اختیار کرے وہ حقیقہً مآرک بعض مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ نہیں بلکہ عامل بمقتضائے عموم نص کے ہے (معیار الحق ص ۱۵۵) یعنی تقلید کی اس قسم پر آیت کی کوئی زد نہیں پڑتی۔ (صفحہ ۱۵۵)

فریق ثانی کے شیخ الكل کی پہلی مفصل عبارت میں تصریح ہے کہ تقلید کی قسم اول اور قسم ثانی ایسی واضح اور روشن ہیں کہ دلائل کے ساتھ ان کو ثابت کرنے کی حاجت ہی نہیں کیونکہ یہ دونوں قسمیں فریقین کے ہاں مُسَلَّم ہیں اور ظاہر بات ہے کہ تسلیم کردہ بات کے اثبات کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور اس پر دلائل قائم کرنا تحصیل حاصل اور فضول امر ہے۔ البتہ فریق ثانی کے شیخ الكل کی عبارت میں جو امور قابلِ توجہ ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کہ مقلد اس تعین کو امر شرعی نہ سمجھے بلکہ اس نظر سے تعین کرے کہ جب امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتباع اہل کے عموماً صادر ہوا ہے تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عمدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے البتہ اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کے امر سے کیا مراد ہے؟ وہ خود شیخ الكل کی زبانی ہی سُن لیجئے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

کہ جس آیت کے حکم سے تقلید ثابت ہے تو وہ اسی صورت میں ہے جب کہ لاعلمی ہو مثال اللہ تعالیٰ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے اہل ذکر سے اہل علم مراد ہیں۔ جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کرو پیش لفظ معیار الحق ص ۱۵۵ مولانا محمد اسماعیل صاحب گجر الزوالیؒ اگر نہ مانتے ہو تو ہم اور یہی آیت دلیل ہے۔ وجوب تقلید پر کما اشد الیہ الفاضل ابن الہمامؒ فی التصریر وغیرہ اور ظاہر ہے کہ امر بالسوال اس آیت میں مقید بالشرط ہے اور اصول فقہ میں محقق ہے کہ حکم مقید بالشرط متعدی نہیں ہوتا ہے اس فرد میں جو کہ مجرّد ہو اس شرط سے البتہ (معیار الحق ص ۱۵۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ لاعلمی کے وقت اہل علم کی طرف رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم اور امر ہے اور مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور اس سے وجوب تقلید ثابت ہے جیسا کہ خود فریق ثانی کے شیخ الكل نے تصریح فرمائی ہے اب سوال یہ ہے کہ جب کوئی لاعلم مکلف اللہ تعالیٰ

کے اس حکم اور امر کی تعمیل میں کسی علم والے اور مجتہد کی طرف رجوع کرنا ہے تو اس کا یہ رجوع ورجوع کے درجہ سے اتر کر اباحت کی طرف کیسے آگیا؟ کیونکہ جب فاسقین و فاسقہ اس امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لیے ہے تو عامل اور مکلف کے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ عمل مباح کیسے ہو گیا؟ یہ تو ایسا ہی ہو گا جیسے کوئی کہے کہ اقیموا الصلوة وآتوا الزکوة میں امر وجوب کے لیے ہے لیکن جب کوئی فرد اور مکلف اس پر عمل کرے گا تو اس کا عمل مباح ہو جائے گا یعنی اس کے لیے نماز پڑھنا بھی مباح ہے اور زکوة دینا بھی مباح ہے بالفاظ دیگر اگر وہ نماز نہ پڑھے تو کوئی گناہ نہیں اور زکوة نہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں؛ فریق ثانی کے شیخ انکل نے تقلید شخصی سے گریز کرنے کے لیے عجیب مخلص نکالنا ہے معاف رکھنا جب نص قطعی اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لیے ہے اور اسی سے خود ان کے اقرار سے تقلید کا وجوب بھی ثابت ہے تو عامل اور مکلف کے اس پر عمل کرنے سے وہ واجب واجب ہی رہے گا نہ یہ کہ وہ مباح ہو جائے گا غرضیکہ یہی ارشاد خداوندی تقلید شخصی کے ثبوت اور وجوب پر نص ہے۔ ہاں اس کا ثبوت فریق ثانی کے شیخ انکل اور ان کے اتباع پر لازم ہے کہ وہ اس کا یہ مطلب باحوالہ کتب ثابت کریں کہ لاعلمی کے وقت جاہل شخص اس بات کا مکلف ہے کہ وہ جب تک معتد دہل علم سے سوال نہ کر لے تو وہ عمدہ تکلیف سے فارغ نہیں ہو سکتا بالفاظ دیگر معتد دہل علم سے سوال کرنا ہی واجب ہے اور صرف ایک سے سوال کرنا مباح ہے اس امر کا ثبوت ان کے ذمہ ہے اور انشاء اللہ العزیزہ صراحت کے ساتھ باحوالہ کتب تاقیامت وہ ایسا نہیں کر سکیں گے دیدہ باید بلکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔

چنانچہ امام ابن عبد البر المالکیؒ فرماتے ہیں کہ

وقد اجمع المسلمون على جواز قبول الواحد السائل المستفتي لما يخبر به العالم الواحد اذا استفتاه فيما لا يعلمه وقبول الواحد العدل فيما يخبر به مثله والتمهيد لابن عبد البر في المكتبة القدسية

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ لاعلمی کے وقت جب کوئی اکیلا سائل اور مستفتی اکیلے عالم سے فتویٰ پوچھے اور وہ اس کا جواب دے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے اور اسی طرح اکیلا عادل راوی جب اپنے جیسے راوی کو خبر بتائے تو اس کا قبول کرنا بھی جائز ہے۔

اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے اجماع و اتفاق سے یہ ثابت ہے کہ نہ تو مستفتی کے لیے تعدد شرط ہے اور نہ مفتی کے لیے جس آدمی نے بھی کسی ایک ہی علم سے لاعلمی کے وقت دریافت کر لیا تو کافی ہے وہ سب علماء سے پوچھنے کا پابند نہیں ہے اور نہ اس کے لیے ایک سے زائد کی تقلید ضروری ہے اور بقول فریق ثانی کے شیخ الکل کے جس ایک مجتہد کا بھی اتباع کریں عمدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ امر واجب ایک ہی مجتہد کی اتباع اور تقلید سے پورا ہو جاتا ہے اور سب سے دریافت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی پھر یہ بات بھی خصوصی طور پر قابل توجہ ہے کہ جاہل آدمی لاعلمی کے وقت فَناسْتَمْلِكُوا سے (یعنی امر کے ساتھ باتفاق شیخ الکل فریق ثانی) حکم واجب کا پابند اور مکلف ہے لیکن فارغ وہ عمدہ تکلیف سے اباحت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ عجیب منطق ہے جب وہ واجب کا مکلف ہے تو وجوب ہی کی ادائیگی سے وہ عمدہ برا ہو گا نہ کہ اباحت جیسا کہ کسی مبتدی سے بھی یہ بات مخفی نہیں ہے۔

(۲) جب وقت لاعلمی اہل علم سے سوال کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور بقول فریق ثانی کے شیخ الکل کے وہ ایک مجتہد کی اتباع سے بھی عمدہ تکلیف سے فارغ ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ ایک مجتہد کا تعیین تو ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر کے عمدہ برا بھی ہونا ہے تو اس کو وہ امر شرعی کیوں نہ سمجھے؟ اور کس قطعی دلیل سے اس کو شرعی نہ سمجھے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد امر شرعی نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے امر سے بڑھ کر امر شرعی اور کونسا ہو گا۔؟ جب اللہ تعالیٰ کا امر بھی ہے اور ایک مجتہد کی اتباع اور تقلید سے وہ عمدہ برا بھی ہو جائے گا۔ اور اس کو امر بھی واجب ہی کہتے اور متعدد اہل علم سے وہ سوال کرنے کا مکلف بھی نہیں تو ایک ہی مجتہد کی اتباع اس پر لازم کیوں نہیں؟ اور اس تقلید کو وہ امر شرعی کیوں نہ سمجھے؟ فریق ثانی کے شیخ الکل کا یہ ارشاد کہ اس تعیین کو امر شرعی نہ سمجھے؟ خالص دفع الوقتی اور سخن سازی ہے جب وہ خود اس پر نص پیش کرتے ہیں اور اس سے ثابت شدہ تقلید کا حوالہ واجب قرار دیتے ہیں۔ اور پھر ایک مجتہد کے حکم ماننے سے وہ اس لاعلم مکلف کو عمدہ برا بھی تصور کرتے ہیں تو پھر وہ کیوں اس کو امر شرعی نہ سمجھے۔ کیا محض اس لیے کہ فریق ثانی کے شیخ الکل تقلید شخصی سے گریزاں ہیں؟ قارئین کرام! غور فرمائیں کہ فریق ثانی کے شیخ الکل اپنی وسعت علمی اور پیرانہ سالی کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کس طرح نص قرآنی کو اپنی خواہش کے تابع بنانا چاہتے ہیں کیا وہ تمام حوالے جو معیار الحق میں انہوں نے

مقلدین کے رد میں پیش کیے ہیں کہ وہ نصوص اور احادیث کو اپنی خواہش کے تابع بنا کر تاویل اور تحریف کے مرتکب ہیں ان کی اس واضح کاروائی کے بعد کیا وہ سب کے سب فریق ثانی کے شیخ اسکل پچسپاں نہیں ہوتے؟ یقیناً ہوتے ہیں لاشک فیہ ولا ریب۔

(۳) اور فرماتے ہیں کہ ایک ہی مجتہد کی اتباع اور تقلید سے جیسا کہ وہ لاعلم مکلف عمدہ تکلیف سے فارغ ہو جاتا ہے اسی طرح ایک کی تقلید و اتباع میں سہولت بھی پائی جاتی ہے چنانچہ خود ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے (اور ظاہر امر ہے کہ باہوش آدمی کے اپنے اقرار سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے) بلفظ بلاشبہ یہ ایسا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ طمَّ اللہ تعالیٰ نے تم پر دین کے سلسلہ میں کوئی تنگی نہیں کی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ان الدین یُسَد (بخاری ص ۱۲) کہ بے شک دین آسان ہے بقول میاں صاحب جب آیت کریمہ فاسئلوا اهل الذکر الیتر سے وجوب تقلید ثابت ہے اور ایک مجتہد کی اتباع اور تقلید سے بھی مکلف عمدہ تکلیف سے فارغ ہو جاتا ہے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے تو خود میاں صاحب اور ان کے اتباع تقلید منتهی کرنے والوں کے لیے سہولت کا یہ دروازہ بند کرنے کا کیوں ادھار کھائے بیٹھے ہیں؟ اور ان بیچاروں کو شرعی سہولت سے فائدہ کیوں نہیں اٹھانے دیتے؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ سوائے اس کے کہ غیر مقلدین کا غلو اور تعصب اس میں کارفرما ہے اور کوئی معقول عقلی اور نقلی وجہ تو سمجھ نہیں آ رہی باقی تقلید کی جو قسم شرک ہے ہم باحوالہ واضح الفاظ میں اسی کتاب میں اس کا شرک کفر اور حرام ہونا ثابت کر چکے ہیں اس کو درمیان میں لا کر غلط محبت کرنا علما تو کیا عقلدار کی شان سے بھی بالکل بعید ہے۔

اور خود میاں صاحب ہی تصریح کرتے ہیں کہ تقلید کی یہ قسم شرک نہیں ہے۔ چنانچہ وہ علامہ ابن حزم الظاہری (المتوفی ۵۱۲ھ) سے تقلید کی حرام قسم (جو نصوص کے مقابلہ میں ہو) پر حوالہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اور وجہ حمل ہونے اس کلام کی تقلید بمعزل نصوص ظاہر ہے اس لیے کہ مطلق تقلید کو جو کہ وقت لاعلمی کے کی جائے اور اس میں مخالفت احادیث کی نہ ہو کوئی ممنوع یا شرک نہیں کہتا (معیار الحق ص ۹۳) الغرض جس تقلید کی بحث ہو رہی ہے وہ عند تحقیق واجب اور بقول میاں صاحب مباح ہے ممنوع اور شرک ہر گز نہیں۔

(۴) میاں صاحب نے اس عبادت میں بڑے پیار سے انداز میں وعظ بھی فرمایا ہے جس کی بہر حال قدر ہی کرنی چاہیئے وہ یہ کہ وہ فرماتے ہیں۔ اور علامت اس تقلید کی یہ ہے کہ اگر دوسرے مذہب کے کسی مسئلہ پر عمل کر سکے تو اس سے انکار نہ کرے اور کسی شخص عمل کرنے والے کو بُرا نہ جانتے اور ملامت اور پکڑ نہ کئے۔
 میاں صاحب کا یہ وعظ بڑا اچھا وعظ ہے مگر مشور ہے کہ آلی ہمیشہ دو ہاتھ سے سمجھتی ہے ایک ہاتھ سے نہیں سمجھتی اور میاں صاحب ایک ہی ہاتھ سے آلی بجا ہے ہیں وہ اس طرح کہ جب بقول میاں صاحب تقلید شخصی مباح ہے تو جس مسئلہ میں قرآن کریم اور حدیث شریف سے کوئی تصریح موجود نہیں اور تقلید میں ایسے مسئلہ میں کسی امام کی تقلید کرتے ہیں جو جائز اور مباح ہے۔ (بلکہ ایسا مقلد ثواب دارین کا مستحق ہے۔
 چنانچہ خود میاں صاحب علامہ تاج الدین عثمانیؒ کی کتاب جامع الفوائد کے حوالہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ترجمہ میاں صاحب ہی کا ہے جو کوئی مجتہد کے قول پر عمل کرے گا تو وہ دونوں جہان میں ثواب پائے گا جب تک کہ حدیث صحیح متصل السند نہ پائے اور جب حدیث پاوے تو اس پر عمل کرے بفظہ معیار الحق صلا) لہذا کیا میاں صاحب اور ان کے اتباع کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسے مسئلہ کا انکار نہ کریں اور عمل کرنے والوں کو بُرا نہ جانیں اور انہیں ملامت نہ کریں اور نہ ان پر پکڑ کریں اور خود بھی اپنے وعظ پر عمل کر کے جرات مردانہ کا ثبوت دیں غیر مقلدین کے لیے تصویر کا یہ نسخہ بھی تو حضرت میاں صاحب کو اُجاگر کرنا چاہیئے تھا تا کہ ان کا وعظ صرف مقلدین ہی کے لیے نہ ہو بلکہ غیر مقلدین بھی اس سے برابر کا فائدہ اٹھائیں اور ان کا متضرر بھی کم ہو لیکن ایسا لگتا ہے کہ حضرت میاں صاحب علی عام میں افادہ عام کے لیے وعظ کرنے کی بجائے اپنے مخصوص حلقہ میں وعظ کرنے کے عادی ہیں اور ایک ہی طبقہ کو وعظ فرمانے کے عود کرتے ہیں اور دوسرے کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ الغرض میاں صاحب کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ غیر منصوص مسائل میں تقلید کرنے والوں پر طعن و تشنیع کرنے والوں کو بھی سختی سے ڈانٹتے پلاتے۔

(۵) آخر میں حضرت میاں صاحب نے تان اس پر توڑی ہے کہ مثلاً حنفی المذہب کو مسئلہ رفع یدین اگر معلوم ہو تو اس کے استعمال سے نفرت اور انکار نہ کرے بلکہ کبھی کبھی لے اور حنفی ہو کر کسی کُمنے والے پر طعن نہ کرے انتہی بفظہ حضرت میاں صاحب کا یہ وعظ بھی یکطرفہ اور دونوں طرف لٹکا ہے۔
 اولاً اس لیے کہ مسئلہ حرک رفع یدین میں احناف تقلید نہیں کرتے بلکہ اس میں احادیث صحیحہ اور صریحہ کی

پیروی کرتے ہیں جن میں ایک حدیث صحیح البوحوانہ ص ۹۶ اور مسند حمیدی ص ۲۶ میں متصل اور صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔

پنچاچہ الام الحافظ الثقة البکیر ابو حنيفة یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی (المتوفی ۳۱۶ھ) کی سندوں سے وہ فرماتے ہیں کہ۔

حدثنا عبد الله بن الیوب الحریری ومعدان بن فضی وشعیب بن عمرو فی آخرین قالوا ثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن سالم عن ابيہ قال رأیت رسول الله صلی الله تعالی علیہ وسلم اذا ففتح الصلاة رفع یدیه حتی یجاذی بہما وقال بعضهم حد منکبہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسه من الركوع لا یرفعہما وقال بعضهم ولا یرفع یدین السجدةین والمعنی واحد (البوحوانہ ص ۹۶)

ہم سے عبد اللہ بن الیوب الحریری اور معدان بن نصر اور شعیب بن عمرو اور دیگر راویوں نے بیان کیا وہ سب فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا وہ زہری سے اور وہ سالم سے اور وہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جس وقت نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے کندھوں کے برابر کرتے اور ان میں بعض کہتے ہیں کہ دونوں کندھوں کے برابر کرتے اور جب آپ رکوع کا ارادہ فرماتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ نہ اٹھاتے اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی ہاتھ نہ اٹھاتے اور معنوم و معنی سب کا ایک ہی ہے۔

اس صحیح حدیث میں واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسه من الركوع لا میں فہم کا شرط اور جزاء کے ساتھ مکمل جملہ یہ بات بالکل واضح کر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ترک رفع یدین ثابت ہے۔ خلاف اگر رفع یدین نہیں کرتے تو اس صحیح صریح متصل السند اور مرفوع حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے نہیں کرتے نہ یہ کہ وہ ترک رفع یدین میں محض تقلید کرتے ہیں جیسا کہ شیخ الکحل کی عبارت سے متبادر ہوتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ رفع یدین کے مرفوعی راوی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ہیں ان سے اثبات کی روایت

بھی مروی ہے اور نفی کی بھی اور خود ان کا مکمل بھی دور نہ تھا ان سے رفع یدین کرنے کا ثبوت بھی ہے۔
جیسا کہ جزا رفع یدین للبخاری وغیرہ میں ہے اور نہ کرنے کا بھی چنانچہ حضرت مجاہد (المتوفی ۱۰۳ھ) فرماتے
ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت ہی رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۹ طبع لبنان ۲۳/۱ طبع حیدرآباد دکن و طحاوی ۱/۱۱۱ باسناد صحیح بلا وجہ)
اس کو باطل اور مضبوط قرار دینا قطعاً مردود ہے (حافظ ابن حجرؒ ان کی دونوں روایتوں میں یوں تطبیق دیتے
ہیں کہ۔

ان الجمع بین الروایتین ممکن وهو انه لو یکن لیداه واجباً فعله تارة وتتركه تارة

دونوں روایتوں میں جمع ممکن ہے وہ یوں کہ
حضرت ابن عمرؓ رفع یدین کو واجب نہیں سمجھتے
تھے کبھی کہہ لیتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔

(فتح الباری ص ۱۴۱ طبع مصر)

اور مشہور غیر مقلد عالم محمد بن اسماعیل البخاریؒ الامیر الیہائیؒ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ
بان تتركه لذلک اذا ثبت كما رواه مجاهد یكون مبیناً لجوازہ وانہ لا یزاه واجباً

حضرت ابن عمرؓ کا رفع یدین نہ کرنا واجب ثابت
ہو جائے جیسا کہ مجاہدؒ نے روایت کیا ہے تو یہ
رفع یدین کے جواز کو بیان کرتا ہے اور یہ کہ وہ
رفع یدین کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔

(بل السلام ص ۲۵۸)

علامہ ابن حزمؒ الظاہریؒ جن کی متعدد عبارات سے جناب میاں صاحبؒ نے معیار الحقی میں فرمے
ہے کہ ترک تطہیر پر استدلال کیا ہے وہ منکر رفع الیدین کے بارے فرماتے ہیں کہ

فلما صح انه عليه السلام كان يرفع في خفص ورفع بعد تكبيرة الاحرام ولا يرفع كان كل ذلك مباحاً لا فرضاً وكان لنا ان فصلی كذا لك فان رفعتا صلینا كما كان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم یصلی وان

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح طور پر
ثابت ہے کہ آپؐ تکبیر افتتاح کے بعد سر جھکاتے اور
سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے اور یہ بھی ثابت
ہے کہ نہیں بھی کرتے تھے تو یہ سب کچھ مباح ہے فرض
نہیں اور ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم بھی اسی طرح نماز
پڑھیں اگر ہم نے رفع یدین کر کے نماز پڑھی تو ویسی ہی

لَمْ يَرْفَعْ فَقَدْ صَلَّيْنَا كَمَا كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَصَلِّي -

(المحلی ص ۲۳۵ طبع مصر)

نماز پڑھی جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی تھی اور اگر ہم نے ترک رفع یدین کرتے ہوئے نماز پڑھی تو ویسی ہی نماز پڑھی جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی تھی -

علامہ ابن حزمؒ اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل رفع اور ترک دونوں بتائے ہیں اور رفع اور ترک کے دونوں پہلوؤں کو مباح قرار دیتے ہیں اور فرقیّت کی نفی کرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ ایک طرفہ کار وائی پڑھتے ہیں اور دوسرے پہلو کا ذکر تک نہیں کرتے حالانکہ ترک رفع یدین بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے اور مسئلہ تقلید کے سلسلہ میں اخلاف کے عدم رفع یدین کے فعل کو جو بالکل غیر متعلق ہے ذکر کر کے جناب میاں صاحبؒ اپنے حواریوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ اخلاف ترک رفع یدین میں تقلید کرتے ہیں اور مابعد ولّت حدیث پر عامل ہیں اس سے زیادہ تعصب اور کیا ہوگا؟ یا ہو سکتا ہے؟ و ثانیاً حضرت میاں صاحبؒ کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ترک رفع یدین کے منصوص مسئلہ کو تقلید کی بحث میں مثال کے طور پر بھی نہ ذکر کرتے کیونکہ تقلید غیر منصوص مسائل میں ہوتی ہے اور یہ تو صحیح حدیث ثابت شدہ مسئلہ ہے اور نیز جس طرح انہوں نے بطور مثال کے رفع الیدین کا مسئلہ بیان کر کے اخلاف کو وعظ فرمایا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی وہ غیر مقلدین کو بھی رفع الیدین پر شدید اصرار کرنے پر بھی دوچار کلمات غیر مناسبتیہ کہ وہ بھی کبھی کبھی ترک رفع الیدین پر عمل کر لیا کریں کیونکہ وہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے اور یہ کہ رفع الیدین نہ کرنے والوں کو نہ ملامت کریں نہ ان پر طعن و تشنیع کریں اور نہ نفرت کریں مگر حضرت میاں صاحبؒ نے اپنی جماعت کے غالیوں اور متدبیوں کو سمجھانے کی مطلقاً ضرورت ہی محسوس نہیں کی ہے اور نہ ان کی طرف ادنیٰ سا اشارہ ہی کیا ہے بلکہ ان کو اپنے وعظ سے بالکل محروم رکھا ہے۔ اور اپنے وعظ کا مخاطب صرف اہناف کو بنایا ہے۔

قیامت ہے دل مجبور کا احساس تنہائی اکیلے اب تو ہم اکثر بھری محفل میں رہتے ہیں

حضرت میاں صاحبؒ نے جب اپنی علمی اور مایہ ناز کتاب معیار الحق میں تقلید کی دوسری قسم کو مباح لکھا تو ایسا لگتا ہے کہ ان کے مقصود غالی اور ہوشیار

راہ راست فرار

قسم کے شاگردوں (مثلاً مولانا مبارکپوری صاحب، مولانا شمس الحق صاحب ڈیرا نوئی، مولانا محمد حسین صاحب
 بٹالوی، مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری اور مولانا محمد بشیر صاحب سسوانی وغیرہ) نے ان کا خوب
 گنجیر لڑا کیا کہ حضرت! آپ نے تو اپنے مسلک کی لٹیا ہی ڈبو دی کیونکہ اگر تقلید شخصی کی کوئی خاص قسم بھی مباح
 ثابت ہو گئی تو ہم مقلدین حضرات کے زعم سے کبھی نہیں نکل سکیں گے پھر تو انہیں کا موقف صحیح سمجھا جائیگا
 اور ہم تقلید شخصی کو شرک و بدعت کہہ کر دل کی بھڑاس نہیں نکال سکیں گے تلامذہ کے اس دباؤ میں آ کر
 حضرت میاں صاحب نے یوں پیتر بدلایا اور جملہ قسم ثانی مباح الا کے حاشیہ میں (اور ظن غالب ہے
 کہ صرف اسی حاشیہ کی اشاعت کی غرض سے مکتبہ نذیریہ قصور سے زکیر خراج کر کے اب کی معیار الحق
 طبع کرانی گئی ہے) یہ تحریر فرما کر نہایت ہی سستے طریقے سے گلو خلاصی کی کہ اس عاجز نے اگرچہ ایک
 صورت تقلید شخصی کی معیار الحق میں بہ سبیل تنزل مباح میں درج کی تھی لیکن عند تحقیق الحقیق
 مباح میں بھی داخل نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مباح خطاب شارع میں داخل ہے اور تقلید شخصی خطاب
 شارع سے خارج ہے مزید تحقیق کے لیے فتاویٰ نذیریہ ص ۹۳ پڑھیں۔ انتہی بلفظ (حاشیہ معیار الحق ص ۶۷)
 اور یہ بات انہوں نے فتاویٰ نذیریہ ص ۶۷ طبع جدید میں فرمائی ہے اور اس میں خطاب شارع سے خارج
 ہے کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں کما لا یخفی علی الماہر العتقظن المنصف ان الفاظ سے
 حضرت میاں صاحب نے اہل علم کو لوری دی ہے۔ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ خود حضرت میاں صاحب
 ہی نے بطور دلیل کے خطاب شارع فاستسئلوا اهل الذکر الآية لقل کیا ہے کہ لا علی کے وقت
 تقلید ثابت ہے اور پھر آگے لکھا ہے کہ اور ہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر کما اشار الیہ
 المحقق ابن الہمام فی التحدید وغیرہ الخ (معیار الحق ص ۶۸) اور خود میاں صاحب ہی فرماتے
 ہیں کہ جب امر اللہ تعالیٰ فاستسئلوا اهل الذکر میں واسطے اتباع اہل کے عمواً صادر ہوا ہے
 تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عہدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے۔ اور
 اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے الخ (معیار الحق ص ۶۸) ان عبارات سے صراحت یہ بات ثابت ہوئی
 کہ وجوب تقلید پر خطاب شارع موجود اور وارد ہے اور کسی ایک مجتہد کی اتباع و تقلید سے حکم خداوندی
 کی تعمیل ہو جائے گی اس میں سہولت بھی ہے۔ یہ سب کچھ تسلیم کر لینے کے بعد پھر بیک جنبش قلم
 تقلید شخصی کو خطاب شارع سے خارج کر دینا عجیب بات ہے۔ متاثرانہ گزارش ہے کہ کیا اسی

جنس کا نام عند تحقیق الحقیق ہے؛ خطاب شارع کے مقابلے میں اس تحقیق الحقیق یا تاریکی کی کیا حیثیت ہے؛ یا ہو سکتی ہے؛ حضرت میاں صاحب! ہم آپ کی بزرگی اور وحدت فطری کے قائل ہیں لیکن آپ اپنے بعض تعصب شاگردوں کے آئینی حصار سے نکل کر واضح دلائل اور ثبوت اپنے صریح بیانات کی روشنی میں اصل بات کا حقیقت پسندانہ انداز سے جائزہ لیں اور خدا ماصفا و درع ماکر پر عمل کریں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہم فریق ثانی کے اس گورکھ دھندے کو سمجھنے سے سراسر قاصر اور بالکل عاجز ہیں کہ بقول ان کے شخصی تقلید تو شرک و بدعت ہے لیکن تیسرے شخصی تقلید جائز ہے یعنی ایک اہم کی تقلید تو شرک و بدعت ہے لیکن بدل بدل کی متعدد ائمہ کی تقلید توحید و سنت بن جاتی ہے۔ اگر ایک اہم کی تقلید شرک فی الہیہ رسالت ہے تو متعدد ائمہ کرام کی تقلید ایمان کا کون سا حصہ ہے! اگر یہ کاروائی شرک و بدعت ہے تو متعدد کی تقلید تو ذیل شرک و بدعت ہوگی۔

ظاہر بات ہے کہ اگر ایک اہم کو معاذ اللہ تعالیٰ مندر رسول پر بٹھانے سے خرابی لازم آتی ہے تو متعدد کے بٹھانے سے کون سی غریبی پیدا ہو سکتی ہے بھی ہے۔ آزادی کیوں نہ ہو جائے؛ مگر وہ چیز نام ہے جس کا جہاں میں آزادی سنی ضرور ہے دیکھی نہیں کہیں میں نے مولانا رشید احمد صاحب گنوں کی تقلید شخصی اور غیر شخصی کے ایک طویل سوال کا یہ جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

مسئلہ تقلید اور حضرت مولانا گنوں
الجواب یہ تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں مامور من اللہ تعالیٰ ہیں اور جس پر عمل کرے عند امتثال فارغ ہو جاتا ہے دراصل یہ مسئلہ درست ہے اور جو ایک فرد پر عمل کرے اور دوسری پر عمل نہ کرے اس میں دراصل کوئی عیب نہ تھا اور بوجہ مصلحت ایک پر عمل کرنا درست ہے پس فی الواقع اصل یہی ہے لہذا جو تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں کہ مامور من اللہ تعالیٰ کو حرام کہتے ہیں اور جو بدون کسی حکم شرع کے غیر شخصی کو حرام کہتا ہے وہ بھی گنہگار ہے کہ مامور من اللہ تعالیٰ کو حرام بتاتا ہے دونوں ایک درجہ کے ہیں اصل میں۔ اور سائل خود اقرار کرتا ہے کہ مطلق شرعی کو اپنے رائے سے مقید کرنا بدعت ہے یہ قول اس کا صحیح ہے مگر حکم شرع سے خواہ اشارۃً ہو یا صراحتاً اگر مقید کرے تو درست ہے پس اب سنو کہ تقلید شخصی کا مصلحت ہونا اور عوام کا اس میں انتظام رہنا اور فساد و فتنہ کا رفع ہونا اس میں ظاہر ہے اور خود سائل بھی مصلحت ہونے کا اقرار کرتا ہے لہذا یہ استحسان اور عدم وجوب اسی وقت

تک ہے کہ کچھ فساد نہ ہو اور تقلید غیر شخصی میں وہ فساد وقت نہ ہو کہ تقلید شخصی کو شرک اور ائمہ کو سب و شتم اور اپنی رائے
 فاسد سے روکنا نصوص ہونے لگے جیسا کہ اب مشاہد ہو رہا ہے تو اس وقت ایسے لوگوں کے واسطے غیر شخصی حرام
 اور شخصی واجب ہو جاتی ہے اور یہ حرمت اور وجوب بغیرہ کہلاتا ہے کہ دراصل جائز مباح تھا کسی عارض کی وجہ سے
 حرام اور واجب ہو گیا تو وہ اس سبب فساد عوام کی وجہ سے کہ ہر ایک مجتہد ہو کر خرابی دین میں پیدا کرتا ہے خود مولوی
 محمد حسین بٹالوی ایسے مجتہدین جملہ کو فاسق لکھتے ہیں پس اس رفع فساد کے واسطے شخصی کا واجب ہونا اور
 غیر شخصی کا ایسے جملہ کے واسطے حرام ہونا اور عوام کو اس سے بند کرنا واجب ہوا اور اس کی نظیر شرع میں موجود
 ہے لہذا یہ تقلید مطلق کی نص سے کی گئی ہے نہ بالرائے دیکھو جناب فخر عالم علیہ السلام نے قرآن پڑھنا بہت
 زبان عرب میں حق تعالیٰ سے جائز کر لیا اور علی ابیہل کسی لغت میں پڑھو جائز ہے اور اس وسعت
 کو آپ علیہ السلام نے بڑی مشقت و سعی سے حلال کر لیا اور حق تعالیٰ نے اجازت فرمائی مگر جب اس
 اختلاف لغات کے سبب باہم نزاع ہوا اور اندیشہ زیادہ نزع کا ہوا تو باجماع صحابہ قرآن شریف کو
 ایک لغت قریش میں کر دیا گیا اور سب لغات جبراً موقوف کر دیے گئے کہ جملہ دیگر لغات کے مصاحف
 جلائیے اور جبراً چھین لیے گئے دیکھو یہاں مطلق کو مقید کیا مگر وجہ فساد امت کے۔ لہذا جب کہ تقلید غیر شخصی
 کرنے میں فساد ظاہر ہے اس میں کسی کو بشرط انصاف انکار نہ ہوگا۔ تو اگر واجب بغیرہ شخصی کو کہا جاوے
 اور غیر شخصی کو منع کیا جاوے تو یہ بالرائے نہیں بلکہ حکم نص شارع علیہ السلام کے ہے کہ رفع فساد واجب
 ہر خاص و عام ہے الحاصل جو کچھ سائل نے لکھا وہ درست ہے مگر یہ امر اس وقت تک ہے کہ فساد نہ
 ہو اور خواص کے واسطے ہے نہ عوام کے واسطے اور ایسی حالت موجودہ میں جو کچھ خود مشاہد ہو رہا ہے وجوب
 شخصی کا بالرائے نہیں بلکہ بالنصوص ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۷۳ و ۱۷۴ طبع جدید برقی پریس دہلی)

اہل علم حضرت مولانا گنگوہیؒ کے اس فتویٰ کو بغور ملاحظہ فرمائیں کہ جو کچھ انہوں نے ارشاد فرمایا ہے۔
 موجود زمانہ کے حالات کے پیش نظر اس سے زیادہ بہتر اور مفید اور کوئی رائے نہیں ہو سکتی۔
 جو ہے پردوں میں پنہاں حشر بنو دیکھ لیتی ہے زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
 یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جس طرح علم حدیث کے سلسلہ میں مثلاً حضرت امام بخاریؒ وغیرہ کے کسی اور
 امام پر تصحیح و تضعیف کے سلسلہ میں اعتماد کرنے سے اسلام پر کوئی حرج نہیں آتا حالانکہ تصحیح و تضعیف

بھی اجتہادی امر ہے ملاحظہ ہو مقام ابی حنیفہؒ اور سند حدیث میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے تو روایت اور معنی حدیث میں مثلاً حضرت امام ابو حنیفہؒ پر اعتماد کرنے سے جن کی فقہی قابلیت ناقابل انکار حقیقت ہے اور باقر افریقہ ثانی وہ عقل کا خارقہ ہیں کیوں دفعۂ خرابیاں جاگ اٹھتی ہیں؟ جب کہ حدیث میں مطلوب ہی معنی و روایت ہے اور یہی منزل ہے اور سند و روایت تو اس کا راستہ ہے اور بغیر معانی سمجھنے کے نہ سے حدیث کے الفاظ کو رٹ لینا اور اس پر عمل کرنا بعض اوقات گمراہی کا ذریعہ بنتا ہے۔ چنانچہ امام ابو عمر یوسف بن عبد البر المسلمیؒ فرماتے ہیں کہ

ما طلب الحديث على ما يطلبه
كثير من اهل عصرنا اليوم دون
تفقه فيه ولا تدبر لعانيه
فمكروه عند جماعة اهل العلم

حدیث کا طلب کرنا بغیر اس کے معنی سمجھنے اور اس میں تدبیر کرنے کے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں اکثر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں تو یہ اہل علم کی ایک جماعت کے ہاں مکروہ ہے۔

(جامع بیان العلم ص ۱۲ طبع مصر)

امام موصوفؒ نے جو کچھ فرمایا بالکل بجا فرمایا اور کتب حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنے سے اور نسخ و منسوخ اور اصل حقیقت کو نہ سمجھنے سے بجز گمراہی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر تفقہ کے بغیر علم حدیث حاصل کرنا کیوں مکروہ نہ ہو؟ مثلاً کوئی شخص بخاری ج ۱ ص ۳۳ کی وہ روایت پڑھے کہ حضرت عثمان غنیؓ وغیرہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے بہتری کرے اور انزال نہ ہو تو اس پر صرف وضو ہے غسل نہیں۔ اور وہ شخص اسی پر عمل کرتا ہے اور غسل نہ کرے تو یہ گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیونکہ یہ حکم منوں ہے یا مثلاً بخاری ص ۲ اور ترمذی ص ۱ وغیرہ کی یہ روایت پڑھے کہ اگر ہوا خارج ہو اور اس کی آواز اور بوجھوس نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر کسی کی ہوا خارج ہو اور آواز و بوجھوس نہ ہو اور نماز پڑھتا ہے تو یہ کوئی دینداری ہوگی؟ اور ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں ہمارے ایک مخلص معتمد اور مفسر و دست ہیں انہوں نے کہا کہ میری ایک بہو الحمد للہ ہے وہ کہتی اور اس پر اصرار کرتی ہے کہ حدیث سے غسل جنابت کے سلسلہ میں صرف یہ ثابت ہے کہ تین چلو پانی سر پر ڈال دیا جائے تو پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے سارے بدن پر اپنی ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں اور میں نے یہ حدیث بخاری میں پڑھی ہے ان کی اس سلسلہ میں اتنا

کشیگی پیدا ہوئی کہ مطلق تک نوبت آگئی۔ اور واقعی یہ حدیث بخاری ص ۳۱۱ وغیرہ میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے سر پہ دونوں ہاتھوں سے تین چلو پانی ڈالتا ہوں (اے انا فافیض علی رأسی ثلاثاً) و اشارہ بیدیدہ کلتہما) حالانکہ تفصیلی روایت میں ثلث فافیض علی سائر جسدہ کے الفاظ بھی ہیں یعنی آپ نے پھر سارے بدن پر پانی ڈالتے تھے یا مثلاً کوئی شخص جائے علاقہ میں جب کہ ہمارا قبلہ معزنی سمت پر ہے قضا کے حاجت کے وقت بخاری ص ۳۱۱ کی حدیث مستحقاً اور معتدلاً پر عمل کرنا شروع کرے تو کیا پر عمل بالحدیث ہوگا؟

الحاصل اگر عوام کہ ہر حدیث پر عمل کرنے کی کھلی چھٹی دیدی جائے تو وہ یہی کچھ کریں گے اس لیے یہ بھی نہایت ہی ضروری ہے کہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے ناسخ و منسوخ اور مطلوب و مقصود معانی کا سمجھنا بھی انہیں ضروری ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو مکروہ بلکہ گناہ ہوگا اور اہم ابن عبد البر کا کہنا بالکل درست ہے **الضیف**۔ اہم ابو منصور بن محمد الفقیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن یمن کے علاقہ شمرعان میں تھا کہ دیہات کے ایک صاحب تشریف لائے اور ہمارے ساتھ انہوں نے مذاکرہ کیا اور اشارہ گفتگو میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے سامنے بکری کھڑی کر دیتے تھے (نصب بین یہ یہ شاة) میں نے اس کا انکار کیا تو وہ صاحب ایک کبھی ہوئی کتاب اٹھا لائے اور اس میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے نصب بین بیدیدہ عنذہ (معرفت علوم الحدیث للحکم ص ۱۴۸ طبع القاہرہ) لفظ عنذہ اگر فون کے کون کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بکری کے ہوتے ہیں اور وہ صاحب یہی سمجھے تھے اور لفظ عنذہ فون کے فتح سے ہو تو اس کے معنی ایسی لالچی جس کے آگے لڑا لگا ہو آپ جب کھلی جگہ نماز پڑھتے تو لالچی سامنے گاڑ دیتے تھے تاکہ سترہ بن جائے اور یہاں یہی مراد ہے اور یہ روایت بخاری ص ۳۱۱ وغیرہ میں موجود ہے۔

سوال :- بعض عالم تقلید کو فرض بتاتے ہیں اور آیت فَاَسْأَلُوا فَتَاوٰی تَدْرِیْہِ کا ایک سوال **اَهْلَ الذِّکْرِ** اور آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ** میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مجتہدین مراد لیتے ہیں کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟ اگر جواب بر بعض علماء کی یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں سے تقلید کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ان دونوں آیتوں میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مراد نہیں ہیں بلکہ پہلی آیت

میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں اور اس آیت کے مخاطب کفار مکہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کرتے تھے اَلَا اِنَّ قَالِ الْاِحْصَالِ بعض علماء کا اہل الذکر سے مراد لوہینا اور اس آیت سے تقلید کو فرض بتانا بہت غلط اور دھمکی بات ہے اور دوسری آیت میں اَوَلَا الِاَمْرُ کے معنی حکومت والے ہیں اور یہی معنی مراد بھی ہیں یعنی بادشاہ اسلام اور حاکم جو صاحب حکومت اور با اختیار ہوتے ہیں اَلَا اِنَّ قَالِ پس بعض علماء کا اس دوسری آیت میں اَوَلَا الامر سے امر مجتہدین مراد لوہینا اور اس سے تقلید امر مجتہدین کی فرض بتانا بالکل غلط ہے کیونکہ امر مجتہدین میں سے کوئی بھی صاحب حکومت نہیں تھے اور اگر بالفرض ان میں کوئی صاحب حکومت و با اختیار ہوتا بھی تو بھی اس آیت سے تقلید کا ثبوت نہیں ہوتا ہاں اس آیت سے اس کے زیر حکومت رکھایا یہ اس کے حکم کا ماننا فرض اور ضروری ہوتا۔ اور یہ بھی اس کے حاکم ہونے کی وجہ سے نہ کہ اس کے امام دین ہونے کے سبب اور حاکم کا حکم ماننا اور بات ہے اور مسائل دینیہ میں اس کی تقلید کرنا اور بات دیکھو مثلاً سلطان روم کی تمام رعایا جو ان کے زیر حکومت ہیں ان کے حکم ماننے کو ضروری سمجھتے ہیں اور مانتے ہیں مگر نہ ان کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ ان کے حکم میں المختصر تقلید نہ تو کسی آیت قرآنیہ سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے اور نہ کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کی اجازت دی ہے تقلید کے بطلان میں بہت اچھے اچھے رسالے تصنیف ہو چکے ہیں اس کے بطلان کی وجہ مفصل طور پر دیکھنا ہو تو ان رسالوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کتبہ علی محمد مخفی عنہ

(فتاویٰ ندیرہ ص ۶۲/۱۶۴)

(سید محمد نذیر حسین)

اپنے شیخ اہل اور استاد محترم کی اقتدار کرتے ہوئے مولانا محمد حسین ہزاروی لکھتے ہیں۔
فَاَسْتَلُوا الْاَمْرَ کا حکم ان لوگوں کی شان میں وارد ہے جو رسول خدا صلعم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔
 ہے پھر اس آیت کا مخاطب اپنے کو سمجھنا گویا اپنے کو منکر رسالت سمجھنا ہے اِنَّ بَلْفَقْلَہ۔

(ہدایہ الیہ فی رد التقلید ص ۱ طبع منشی فخر الدین لاہور ۱۳۰۸ھ)

الجواب :- اس افتار میں جس دفعہ الوقعی اور طفل تسلی سے کام لیا گیا ہے وہ کسی بھی اہل علم پر مخفی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے ہم تفصیل اور تطویل کو ترک کرتے ہوئے صرف چند باتوں کا اختصاراً ذکر کرتے ہیں۔
 غریب فکر کرنا قارئین کرام کا کام ہے۔

(۱) اگرچہ یہ فتویٰ جناب سیاں صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں بلکہ علی محمد صاحب کوئی بزرگ

ہے انہوں نے لکھا ہے جیسا کہ عبارت سے بالکل عیاں ہے لیکن اس فتویٰ پر جناب میاں صاحب کی تصدیق اور دستخط موجود ہیں اس لیے اس کی ذمہ داری حضرت میاں صاحب پر ہی عائد ہوتی ہے۔

(۲) حضرت میاں صاحب اپنی معیاری کتاب میں فرماتے ہیں کہ جس آیت کے حکم سے تقلید ثابت ہے وہ اسی صورت میں ہے جب کہ لاعلمی ہو اور تقلیدین حضرات بھی صرف اسی صورت میں تقلید کے قائل ہیں نص اور حدیث کے مقابلہ میں وہ بھی تقلید کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ (صفحہ ۱۰۱) قال اللہ تعالیٰ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر نہ جانتے ہو تم اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر (معیار الحق ص ۶۷) قاریین کرام ہی انصاف سے فرمائیں کہ معیار الحق میں تو حضرت میاں صاحب فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ کی آیت سے وجوب تقلید پر استدلال کرتے ہیں اور اہل الذکر سے اہل علم (اور ائمہ دین) مراد لیتے ہیں۔ اور فتاویٰ نذیریہ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت سے تقلید کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں؟ ہم کچھ نہیں کہتے خود قاریین کرام ہی حضرت میاں صاحب کی تحقیق اور انصاف کا اندازہ کر لیں۔

اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

(۳) حضرت میاں صاحب ہی یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ اور فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ کی تشریح کرتے ہوئے ایک مقدمہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مقدمہ یہ ہے کہ معنی تقلید کے اصطلاح میں اہل اصول کی یہ ہیں کہ مان لینا اور عمل کر لینا سنا قول بلا دلیل اس شخص کے جس کا قول محبت شرعی نہ ہو تو نہ بنا بر اس اصطلاح کے رجوع کرنا عامی کا طرف مجتہدوں کی اور تقلید کرنی ان کی کسی مسئلہ میں تقلید نہ ہوگی بلکہ اس کو اتباع اور سوال کہیں گے اور معنی تقلید کے عرف میں یہ ہیں کہ وقت لاعلمی کے کسی اہل علم کا قول مان لینا اور اس پر عمل کرنا اور اسی معنی عرفی سے مجتہدوں کے اتباع کو تقلید کہا جاتا ہے (اس کے بعد میاں صاحب نے علامہ شرنبلالی کی کتاب عقد الفریہ کا پھر فاضل قد صاری کی کتاب منہج الحصول کا حوالہ نقل کیا ہے جس کے آخر میں یہ بھی ہے ترجمہ

میاں صاحب پر ہی کا ہے)

اور اسی طرح رجوع کرنا انجان کا معنی کے قول کی طرف اور رجوع کرنا قاضی کا ثقہ آدمی کے قول کی

طرف تقلید نہیں ٹھہرے گی کیونکہ یہ رجوع بحکم شرع واجب ہے بلکہ رجوع کرنا مجتہد یا انجان کا اپنے جیسے آدمی کی طرف تقلید نہیں لیکن مشورہ یوں ہو گیا ہے کہ انجان مجتہد کا مقلد ہے۔ اہم الحرمین نے کہا ہے کہ اسی قول مشورہ پر بڑے بڑے اصولی ہیں اور غزالیؒ اور آمدیؒ اور ابن حاجبؒ نے کہا ہے کہ رجوع کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اجماع اور مفتی اور گواہوں کی طرف اگر تقلید قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کو اور مجتہدین کی اتباع کو تقلید کرنا مجوز ہے بلغظہ (معیار الحق ص ۶۷) اس عبارت میں پس ثابت ہوا الخ سے جو حضرت میاں صاحبؒ کا اپنا قول اور فیصلہ ہے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی پر بھی مشورہ قول کی بنا پر تقلید کا اطلاق جائز ہے اور نیز یہ ثابت ہوا کہ مفتی اور مجتہدین کی اتباع کو بھی تقلید کرنا جائز ہے معیار الحق کے اس واضح بیان سے صراحتہ معلوم ہوا کہ اولی الامر حکم اور اہل الذکر سے اہل علم مفتی اور مجتہد مراد ہیں حالانکہ عمر فاروقؓ کے پاس حکومت اور اقتدار رہا ہے اور نہ وہ حکام اور امراء کی مدین ہیں اور فتاویٰ نذیریہ کی عبارت کے پیش نظر اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ دین و علماء اور مجتہدین مراد ہی نہیں کیونکہ ان کے پاس حکومت کا اقتدار و اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ بقول ان کے اس سے مراد صرف ارباب حکومت اور باعتبار لوگ ہیں قارئین کہ مراد فرمائیں کہ حضرت میاں صاحبؒ کو ان کے ذہین اور شاطر محکم متعصب قسم کے شاگردوں نے تضاد و تعارض کے کس چوراہے پر لاکھڑا کیا ہے کہ نہ جائے ماذن نہ پاس کے رفتی۔ محترم جناب میاں صاحبؒ اہل الذکر عام ہے اور علماء اس کا اولین مصداق ہیں چنانچہ حافظ ابن عبد البر (المستوفی ۶۹۳) فرماتے ہیں کہ

ولم تختلف العلماء ان العامة
عليها تقليد علماءها وانهم
المرادون بقول الله عز وجل
فاستلوا اهل الذکر ان كنتم
لا تعلمون واجمعوا على ان لا
يبدلوا من تقليد غيرهم ممن
يثق بيمينه بالقبلة اذا اشكلت
عليه فذلك من لا علم له ولا

علماء کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ عام لوگوں پر علماء کی تقلید لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فاستلوا اهل الذکر ان كنتم لا تعلمون سے علماء ہی مراد ہیں اور علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ نایب شخص پر جب قبلہ کی تعیین کا اشکال ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ غیر کی جس پر اعتقاد ہو تقلید کرے جو اُسے قبلہ کی تمیز کر سکے سو اسی طرح جس شخص کو دینی امور میں علم و بصیرت نہ ہو اس پر لازم ہے کہ وہ عالم کی تقلید کرے

بصريح معنی ما یدین بد لا بدله من

تقلید عالمہ الخ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۱۵ طبع ص)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بالفاظی علماء جاہل کے لیے عالم کی تقلید ضروری ہے اور اہل الذکر کا مصداق علماء ہیں۔ یعنی اولین مصداق اس کا علماء ہیں اور دوسرے بھی بالیقین اس میں شامل اور داخل ہیں اور خود حضرت میاں صاحب نے مسلم الثبوت کے حوالہ سے اہل الذکر کی تمام مجتہدین اور علماء کا ملین کے لیے تعین نقل کی ہے اور آخر میں اپنا فیصلہ یہ دیا ہے۔ سو جو عموم اہل ذکر کا انکار کرے اس پر نہایت ہی افسوس ہے خداوند ہم کو حق حق دکھا اور باطل باطل انتہی بلقظہ (حاشیہ فتاویٰ نذیریہ ص ۱۸) ہمیں بھی حضرت میاں صاحب پر باوجود ان کی قدر کرنے کے نہایت ہی افسوس ہے کہ اپنی بات کا بھی جسے وہ خود تحریر فرماتے ہیں کوئی احساسِ حقانیت اور لحاظ نہیں رکھتے اور اہل الذکر کو جو عام ہے۔ اہل کتاب سے مخصوص کر کے سستے طریقہ سے مگر خلاصی چاہتے ہیں جو مشکل ہی نہیں علمی طور پر ناممکن بھی ہے۔

مزید سنیے حضرت میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ۔ واضح ہو کہ جاہل نادان قنف پر بمقتضائے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ الْآيَةُ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ وغیرہا من الآیات مسائل کا پوچھنا اور سیکھنا شرعاً فرض واجب ہے یعنی ہر جاہل لاعلمی کے وقت کسی عالم اہل الذکر سے خواہ وہ عالم افضل ہو خواہ فاضل خواہ مفضل ہو کیونکہ اہل الذکر عند تحقیق عام ہے مسئلہ دریافت کر لیا کہ سے خواہ ایک عالم اہل ذکر سے پوچھ لے یا دوسرے فی الجملہ جس سے تسلی اور مجموعی ہو پھر جب ایک سے یا دوسرے مثلاً دریافت کر لیا عمدہ تکلیف سے باہر ہو گیا اس پر شرعاً مواخذہ نہ رہا اور اسی پر قطعاً اجماع ہو چکا۔ انتہی بلقظہ (فتاویٰ نذیریہ ص ۱۶۹) ملاحظہ فرمائیں کہ اس فتویٰ میں تصریح ہے کہ لاعلمی کے وقت جاہل کا عالم اہل الذکر سے مسائل دریافت کرنا اور اس کی طرف رجوع کرنا شرعاً فرض اور واجب ہے عام اس سے کہ وہ عالم افضل ہو یا مفضل کیونکہ عند تحقیق اہل الذکر سب کے لیے عام ہے اور اگر ایک اہل ذکر عالم سے بھی مسئلہ پوچھ لیا تو مواخذہ نہ رہا اور مکلف عمدہ تکلیف سے باہر ہو گیا اور اسی پر قطعاً اجماع ہو چکا ہے۔ اس صریح فتویٰ کو بھی دیکھیے اور شاطر قسم کے شاگردوں کے اگسٹ پر مقلدین حضرات کی قوی گرفت سے بچنے کے لیے حضرت میاں صاحب کا اس فتویٰ پر دستخط ثبت کرنا بھی دیکھیے

جس میں اہل الذکر کو اہل الکتاب اور حکام وقت سے مختص کر دیا ہے اور علماء کو جنگی شہریت یُعْلَمُونَ کی نص سے ثابت ہے اس سے خارج کر دیا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

جناب میاں صاحب! ہم آپ کی قدر کرتے ہیں مگر آپ کے لیے ایسا مستعیانہ طریقہ اختیار کرنا اور تحزب میں مبتلا ہو کر ایسی علمی تلون مزاجی ہرگز مناسب نہیں ہے آپ ہی کے صریح فتویٰ سے ان آیات سے اہل علم مراد ہیں اور لاعلمی کے وقت ان کی طرف رجوع کرنا فرض اور واجب ہے اور ایک کی بات ماننے اور تقلید کرنے سے بے بھی مکلف عمدہ تکلیف سے فارغ الذمہ ہو جاتا ہے اور اس بات پر بقول آپ کے اجماع بھی ہو چکا ہے لہذا انصوص اور اجماع کی خلاف ورزی پر آپ ہرگز کمر بستہ نہ ہوں اور آپ جاہل کو لاعلمی کے وقت اہل الذکر اہل علم اور مجتہدین کی طرف رجوع کر کے ان کی بات کو تسلیم کرنے سے نہ روکیں اور ان کو دونوں جہانوں کے ثواب کے ہرگز محروم نہ ہونے دیں کیونکہ آپ (جناب میاں صاحب) خود ہی علامہ تاج الدین عثمانیؒ کی کتاب جامع الفوائد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب کوئی مجتہد کے قول پر عمل کرے گا تو وہ دونوں جہاں میں ثواب پاوے گا جب تک کہ حدیث صحیح متصل السنہ نہ پائے اور جب حدیث پاوے تو اس پر عمل کرے بلفظ (معیار الحق ص ۶۹) اور ظاہر امر ہے کہ ثواب تدریجی پر ملتا ہے گناہ پر تو نہیں ملتا۔ اس لیے بقول آپ کے جاہل کے لیے مجتہد کی بات ماننا (اور تقلید کرنا) دارین کا ثواب حاصل کرنا ہے۔ لہذا آپ ثواب دارین سے لوگوں کو ہرگز نہ روکیں اور اپنے متعصب۔ صندی اور گمراہ پسند شاگردوں کی بات کو کلیتہً رد کر دیں۔

(۴) اس افتار میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں اہل الذکر اور اولی الامر سے حضرات ائمہ مراد نہیں بلکہ سبلی آیت میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں اور اس (دوسری) آیت کے مخاطب کفار مکہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے تھے الخ

الجواب: فارغین کرام! غور فرمائیں کہ عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے کس طرح سطحی طریقہ اور تجاہل عارفانہ کے انداز سے شان نزول کی آڑ لے کر جان چھڑانے کی بالکل ناکام کوشش کی ہے اور طے شدہ قاعدہ اور ضابطہ کہہ کر اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد اور سبب کا سر امر نظر انداز کر دیا ہے بفضلہ تعالیٰ ہم نے متعدد دسریں حوالوں سے اس پر احسن الکلام میں بحث کر دی ہے وہ وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ ہم یہاں اختصاراً فتاویٰ نذیریہ کا ایک حوالہ عرض کرتے ہیں۔ چنانچہ اس میں ایک

طویل مضمون کے ضمن میں درج ہے کہ اب جو کوئی کہے کہ یہ آیات کفار کے حق میں وارد ہیں تو وہ بڑا جاہل اور بے وقوف ہے کیونکہ اعتبار مجموع لفظ کا ہے نہ خصوص محال (محل کی جمع ہے یعنی مورد اور سبب کے مصداق) جیسا کہ جاہل کتب احادیث و کتب اصول فقہ اور استدلالیات صحابہ سے واضح ہوتا ہے۔ بلفظ (فتاویٰ نذیریہ ۱۹۵) اس سے بہتر جواب حضرت میاں صاحبؒ کو اور کیا دیا جاسکتا ہے؟ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جمہور اہل اسلام اور خود حضرت میاں صاحبؒ اور ان کی جماعت کے ذمہ دار حضرات کے بیان کی مطابقت اہل الذکر سے اہل علم مجتہدین اور اہل باب فتویٰ مراد ہیں اور اولی الامر میں حکام و امراء کے ساتھ علماء بھی شامل ہیں جیسا کہ پہلے اہم رازئی علامہ قاضی شرفکافیؒ اور جناب نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے۔ لہذا مجتہدین۔ فقہار اور علماء کو اول الامر کی تفسیر سے خارج کرنا اور اس کو صرف ائمہ اور حکام پر بند کرنا سینہ زہدی ہے اور بغیر کسی شرعی اور قطعی دلیل کے (جو یہاں بالکل ناپید ہے) تخصیص کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ اور اس کو تسلیم بھی کون کرتا ہے؟ جب کہ خود حضرت میاں صاحبؒ ہی ایک مقام میں تحریر فرماتے ہیں بلکہ یہ تخصیص بلا تخص عادت یہود اور نصاریٰ کی ہے کیونکہ وہ لوگ عموماً تو ریت اور انجیل کی بلا تخص شرعی تخصیص کر لیا کرتے تھے الخ بلفظ (معیار الحق ص ۳۸)

گستاخی معاف! کیا اس مقام میں اہل الذکر سے اہل کتاب کو اور اولی الامر میں حکم اطاعت کا حق طلب صرف اہل مکہ کو قرار دینا اور بلا تخص (قطعی اور شرعی) کے ان کے ساتھ ہی اس حکم کو خاص کر دینا یہود و نصاریٰ کی پیروی نہیں؟ للہ کچھ تو فرمائیے کہ بات کیا ہے؟ آپ حضرات اپنی غامی عقل اتنی نظر سے اللہ تعالیٰ کے عام احکام کو کیوں کفار سے خاص کرتے ہیں؟ اور صحیح بات کی تہ کو کون نہیں پہنچتے مگر عام ہیں اس کے الطاف شہیدی سب پر پھر سے کیا عند تھی اگر تو کسی فتبل ہوتا بلکہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اولی الامر کا اولاً اور بالذات مصداق ہی حضرات مجتہدین ہیں تو بے جا نہ ہو گا۔ چنانچہ اہم البوہر الجصاص المرآئی فرماتے ہیں۔

ووجه تخصیص المجتہدین انہ جاء فی الآیۃ الثانیۃ وَلَوْ دَعَوْهُ إِلَى السُّوْلِ وَإِلَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَ مِنْهُمْ فُضْرَ أُولَى الْأَمْرِ

اور اولی الامر کی مجتہدین کے ساتھ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ اگر وہ لوگ اس معاملہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اور لوگوں میں سے اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو ان میں

بأهل الاستنباط وهو المجتهدون
(احکام القرآن ص ۲۵۶)

سے جو استنباط کر سکتے ہیں اصل حقیقت کو جان لیتے تو
اس میں اولی الامر کی تفسیر اہل استنباط سے کی گئی ہے اور وہ
صرف مجتہدین ہی ہیں۔

اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ اولی الامر سے مراد اہل علم اور اہل استنباط ہیں اور وہ حضرات مجتہدین
ہیں مگر فریق ثانی اور ان کے شیخ اسکل فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے صرف حکام و امراء مراد ہیں جن کے
ہاتھ میں زمام اقتدار ہو۔ ان مجسم حضرات کے صریح اور روشن حوالوں سے انخلاص کرنا علمی اور تحقیقی طور پر
کیونکہ درست ہو سکتا ہے؟

ڈوبنا تھا جو کشتی کا سمت سب ربارب آنکھ کے سامنے اے کاش نہ ساحل ہوتا
(۱۵) اس افتار میں مسلمانوں کے لیے دین و دنیا کی تفریق کر کے خالص پاپائیت کا ثبوت دیا گیا ہے
کہ حاکم کا حکم ماننا اور بات ہے اور مسائل و مسئلہ میں اس کی تقلید کرنا اور بات ہے اور یہ کہ حاکم کا حکم ماننا
فرض اور ضروری ہوتا ہے اور یہ بھی اس کے حاکم ہونے کی وجہ سے نہ کہ اس کے اہم دین ہونے کے سبب سے
ملاحظہ کیجئے کہ کس طرح مسلمان حاکم وقت کی اطاعت اور اہم دین کی اطاعت کو دو الگ الگ امور قرار دے کر
واضح طور پر پاپائیت (اہل علم تو بخوبی جانتے ہیں عوام کے افادہ کے لیے عرض ہے کہ عیسائیوں کا سب سے
بڑا مذہبی رہنما پاپائے روم ہے اور عیسائیوں کے نظریہ میں دین و دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں پاپائے روم
کو بادشاہت سے کوئی واسطہ نہیں اور عیسائی بادشاہوں کو مذہبی امور سے کوئی سروکار نہیں یا سی قوت
بادشاہ کے ہاتھ میں ہوگی اور مذہبی سرداری کا ٹھیکہ دار پاپائے روم ہوگا) کا ثبوت دیا گیا ہے ہم اس مقام
پر اس طویل بحث میں نہیں پڑنا چاہتے بحمد اللہ تعالیٰ اسی پیش نظر کتاب میں بقدر ضرورت باحوالہ اس کی
بحث موجود ہے کہ حاکم کا حکم بھی محض اس لیے تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس
صحیح کے مطابق ہے ورنہ اس کا فیصلہ بھی قطعاً اور یقیناً باطل اور مردود ہے کیونکہ بخاری ص ۱۰۵۸ کی روایت
میں ہے انما الطاعة فی المعروف اور مسلم (ص ۱۲۵) کی روایت میں ہے لا طاعة فی معصية الله
انما الطاعة فی المعروف اور الجامع الصغیر (ص ۲۰۳) کی روایت میں ہے۔

لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق (وقال صحیح) الغرض جب بھی کوئی صحیح مسلمان
حاکم وقت کی اطاعت کرتا ہے تو محض اس لیے کہ وہ اپنے ملکی اور شاہی اختیار سے شرعی اور قانونی طور پر

اس کا کوئی دینی مسئلہ حل کرتا ہے اور جب کسی قاضی مفتی اور مجتہد کی طرف رجوع کرتا ہے تو بھی صرف اس لیے کہ علمی طور پر اس کا دینی مسئلہ اس طرح حل ہوتا ہے اور دونوں کی اطاعت کا وہ شرعاً مکلف اور پابند ہے اس لیے نص قطعی میں فاسئلوا اور اطیعوا کے امر کے صیغوں سے ملے حکم ہے اور صغیر امر بے صدف محمول بر وجوب است (افادة الشیوخ بمقدار النسخ والمنسوخ من نواب صدیق حسن خان صاحب) علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم اگرچہ فرض اور واجب کا فرق کرتے ہیں لیکن دیگر علماء اور فقہار کے نزدیک فرض و واجب کا ایک ہی مفہوم ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ لاعلم مسلمان پر قرآن و حدیث کے رو اہل علم کی بات ماننا فرض اور واجب ہے اور وہ اس کا مکلف اور پابند ہے اور اس کے لیے اس سے کوئی مخلص نہیں اور یہی ضمیر کی آواز ہے۔

ضروری تو نہیں کہ دیں لبوں سے داستان اپنی
زباں اک اور بھی ہوتی ہے اظہارِ تمسک کی

(۶۱) اس افتاء میں یہ بھی درج ہے کہ المختصر تقلید نہ تو آیت قرآنیہ سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے اور نہ کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کی اجازت دی ہے الخ سو گتہ ارش ہے کہ خود جناب یہاں صاحبِ لاعلمی کے وقت تقلید کی چار قسمیں بتاتے اور بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قسم اول واجب ہے۔ اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد کی مجتہد اہل سنت کی سے لاعلمی التبعین الخ (معیار الحق ص ۵۷) اور فرماتے ہیں کہ اور قسم ثانی مباح اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے الخ (ص ۶۱) اور خود تصریح فرماتے ہیں کہ قسم اول اور ثانی تو محتاج اثبات کی نہیں کیونکہ ان دونوں قسموں کو فریقین تسلیم کرتے ہیں الخ (ص ۶۱) اور نیز وہ فاسئلوا اہل الذکر الا یہ سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر الخ مگر تعجب اور سخت حیرت ہے کہ اتنی اور ایسی صراحت کے بعد اس افتاء میں وہ فرماتے ہیں کہ تقلید کسی آیت قرآنیہ سے ثابت نہیں ہے انتہائی تأسف ہے اس مغالطہ آفرینی پر اور بے حد افسوس ہے اس مذہبی تعصب پر کہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ حقیقت کا کھٹے لفظوں میں انکار کرتے ہیں اور انہیں اپنے مذہب پر فٹ کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور عن طعن وہ مقلدین پر کیا کرتے ہیں کہ وہ قرآن و حدیث کو اپنے اماموں کے قول کے تابع بناتے ہیں اور ان کے قول پر انہیں فٹ کرتے ہیں کیا ایسے ہی موقع کے لیے یہ محاورہ چسپاں نہیں کہ اٹا چور کو توال کو ڈھنٹے سچ ہے

اس کار از تو آید و مرداں چنین کنند

۴

یہ بحث تو قرآن کریم سے اجمالی طور پر تقلید کے ثبوت کی محقق اور حدیث سے تقلید کا اجمالی ثبوت بفضلہ تعالیٰ ہم حضرت معاذ خاکی حدیث سے باقرار فریق ثانی باحوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں اور مزید تقلید کے اثبات کی باحوالہ بحث اسی کتاب میں موجود ہے اور ہم معیار الحق کے مقدمہ باز بزرگ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی کے حوالہ سے بھی یہ بات عرض کر آتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے انما شفاء العی السوال انجان آدمی کے لیے صحت منظر بقیسی ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے یہ ایک فطری جذبہ تھا الخ اور اسی رجوع کا نام عرف عام اور ادبای اصول کے مشہور قول کے مطابق تقلید ہے کما مر عن معیار الحق الحاصل فتاویٰ مذہبیہ کے اس مغالطہ آفرین فتویٰ میں یہ خالص بے بنیاد دعویٰ کہ تقلید کسی آیت قرآنیہ اور حدیث سے ثابت نہیں۔ نرمی ہٹ دھرمی اور محض تعصب ہے اور یہ کاروائی قرآن و حدیث کو محض اپنے نامور مسلک پر فٹ کرنے کے مترادف ہے عریضہ کہ ردّ تقلید کے سلسلہ میں اس فتویٰ میں جتنی بھی باتیں بیان کی گئی ہیں وہ انتہائی کمزور نہایت لایعنی اور بالکل مردود و باطل ہیں ان کی ذرہ بھر کوئی وقعت نہیں ہے۔ سبب تاہم یہ کہ وہ کٹھکانا کرے۔ ہم اٹھائے ہوئے سوج کا علم آتے ہیں۔

(۱۳) غیر مقلدین کے مدرس عالم مولانا عبد العزیز بن محمد نورستانی لکھتے ہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قاسموا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون علماء سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ انما شفاء العی السوال۔ سوائے اس کے نہیں کہ نادانی کی بیماری کی شفا پوچھنا ہے و صاحبہم فکلوہ الی عالمہ اور جو نہ جانو اس کو اس کے جانتے والے کی طرف سوچو و فوق کل ذی علم علیہم۔ ہر علم والے کے اوپر ایک بڑا عالم ہے ہم اس چیز کو ضروری سمجھتے ہیں کہ اُمّی (ان پڑھ) پر لازم ہے کہ وہ دین کے مسائل علماء سے لاعلیٰ التعین پوچھے بلفظہ (حقیقۃً الاحادیث یعنی بے دینی کی حقیقت ص ۹۲ طبع باب الاسلام پریس کراچی) اس عبارت میں موصوف نے لاعلمی کے وقت جاہل کے لیے تقلید کو لازم اور ضروری قرار دیا ہے اور اس کے اثبات کے لیے قرآن و حدیث سے استدلال کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارت سے ظاہر ہے باقی باتیں تو بالکل عیاں ہیں البتہ آخری جملہ کہ وہ دین کے مسائل علماء سے لاعلیٰ التعین پوچھے، قابلِ توجہ ہے وہ اس طرح کہ مکلف جاہل شرعاً اس امر کا تو ہر گز پابند نہیں کہ اپنے دور یا علاقہ کے سب علماء سے پوچھے بلکہ اگر صرف ایک ہی عالم سے دریافت کرے تو بقول ان کے شیخ انکل کے وہ عمدہ

تکلیف فارغ الذمہ ہو جائے گا۔ اور جب ایک ہی سے پوچھا تو وہ متعین ہو گیا لا علی المتعین لغیرہ ما علاوہ
انہیں وضع طور پر لا علم آدمی کیلئے صرف ایک ہی عالم سے کمال نہ کرنے اور پھر عمل کر نیکی کون سی قطعی اور صریح دلیل موجود
ہے؟ مگر یہ نہ پوچھئے کلمۃ ہو قائمہ۔

حدیث انما شفاء العی | یہ حدیث حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہما سے مروی ہے حضرت جابرؓ
کی حدیث کا خلاصہ یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے ہم میں سے
ایک شخص کو سر پر پتھر لگا اور وہ زخمی ہو گیا اور اُسے احتلام ہو گیا اُس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ
کیا میرے لیے تیمم کی اجازت ہے؟ وہ بولے کہ تو پانی استعمال کرنے پر قادر ہے ہم تیرے لیے تیمم کرنے
کی رخصت نہیں پاتے اُس نے غسل کیا اور اس کی وجہ سے وفات پا گیا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب
ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے
ارشاد فرمایا کہ

قتلوه قتلہم اللہ تعالیٰ اذہم سکو
اذلہم یعلموا فانما شفاء العی السوال
الحديث (الرواؤد ص ۲۹ سنن الکبریٰ ص ۲۲۸)
مشکوٰۃ ص ۵۵ نصب الرایہ ص ۱۸۴ قبل السلام ص ۱۵۱
وہ لوگ اُس کے قتل کا سبب بنے ہیں اللہ تعالیٰ
انہیں غارت کرے جب خود نہیں جانتے تھے تو انہوں
نے دریافت کیوں نہ کیا؟ یقینی بات ہے کہ انجان کی
شفا تو سوال کرنے ہی میں ہے۔

اور یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے بھی مرفوعہ مروی ہے (مسند احمد ص ۲۲، ابن ماجہ ص ۴۳،
دارمی ص ۱۵۸، دارقطنی ص ۲۹، و متذکر ص ۱۸۴ و مشکوٰۃ ص ۵۵ و البیان والتعریف ص ۱۱۶ و قال رواہ
الضیاء فی المنہارۃ و صحیح الحاكم و مستقی الاخبار مع النیل ص ۲۴۹ و قال الشوکانی در صحیح ابن السکین و التعلیق للفتح
ص ۶۹ و قال صحیح ابن السکین)

غرضیکہ یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں موجود ہے اور اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ امام بیہقیؒ
اپنی کتاب المعرفۃ میں فرماتے ہیں هذا الحديث اصح ما روى في هذا الباب مع
اختلاف في اسناده (نصب الرایہ ص ۱۸۴ و شرح النقایہ ص ۳) اور فرقہ ثانی بھی اس حدیث کو تسلیم اور اس
سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ مولانا مفتیؒ اور مولانا نور مآئیؒ وغیرہ کے بیان سے بالکل عیاں ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہم اس
حدیث کو سنتے ہیں یہ سچہ کو مسمیٰ وفا کا یقین نہ ہو مگر تیری جفا میں میری محبت کو ناز ہے

باب دہم

حضرت امام کرام کا تقلید سے منع کرنا

حضرات ائمہ کرامؑ کا کسی کو اپنی تقلید کرنے کی اجازت نہ دینا اور اس سے منع کرنا صرف ان مسائل میں ہے جن میں ان کا کوئی قول

قرآن و حدیث کے خلاف ہو اور ایسے موقع پر جب کہ قرآن و حدیث سے کوئی حکم ملتا ہو کوئی بھی مسلمان اس صورت میں کسی امام کی تقلید کو جائز نہیں کہتا اور نہ اس کو مانتا ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اختصاراً خود حضرات ائمہ اربعہؑ سے ان کی اپنی تصریحات نقل کر دیں تاکہ معاملہ بالکل صاف اور بے غبار ہو جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

اتركوا قولي بقول رسول الله صلى الله عليه وسلم. (عقد الحجد ص ۹۵ و در آستانہ البیہ ص ۹۱)

میرے قول کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے مقابلہ میں چھوڑ دو۔

اور نیز فرماتے ہیں

اذا صح الحديث فهو مذهبي (شامی ص ۱۱)

جب کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

اور حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ جب آپ ایک بات فرمائیں اور وہ بات کتاب اللہ کے خلاف ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مقابلہ میں جو میرا قول ہو اُسے ترک کر دو پھر سوال کیا گیا کہ آپ کا کوئی قول حدیث کے خلاف ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا کہ حدیث کے مقابلہ میں بھی میرا قول ترک کر دو، پھر سوال ہوا کہ اگر آپ کا کوئی قول حضرات صحابہ کرامؓ کے قول کے خلاف ہو تو پھر؟ فرمایا کہ پھر بھی میرا قول چھوڑ دو (عقد الحجد ص ۵۳ طبع مجتہائی دہلی)

یہ سارا بیان حضرت امام ابو حنیفہؒ کا خود اپنا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے۔

حضرت ام مالک ابن انسؓ (المتوفی ۱۷۹ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ

انما انا بشر اُخطئ واُصيب فانظروا
فی رأيي فكل ما وافق الكتاب والسنة
فخذوا به وكل ما لم يوافق الكتاب
والسنة فاتركوه (جامع بيان العلم
وفضله ۳/۲۲ والاحكام فی اصول الاحکام
۱۴/۱۹۹ وايضا في المهمم ۲/۷)

اس عبارت میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جو رائے قرآن و سنت کے مطابق ہو تو وہ حلال
قابلِ اقتداء ہے اور رائے کا قرآن و سنت کے مطابق ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ قرآن و سنت سے متنبط ہو اور
اسی کا نام تقلید ہے کیونکہ اگر قرآن و حدیث میں صراحت سے کوئی حکم موجود ہو تو اس میں نہ تو کسی اہم کی رائے
کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ اس میں اہم کی تقلید اور پیروی کا سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ منصوص حکم میں تقلید
کا کوئی معنی ہی نہیں اور نہ اس میں کسی اہم کی رائے کی حاجت پڑتی ہے یہ بات مفروضہ ہے۔

حضرت امام شافعیؒ (محمد بن ادریسؒ المتوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ

اذا صح الحديث فهو مذهبي
واذا رأيتم رأيي يخالف الحديث
فاعملوا بالحديث واضربوا بكلامي
الحائط (عقد الجيد ۴۹ ودراسات البیاب ص ۹۱
والمروض الباسم ص ۱۰۸)

ملاحظہ کیجئے کہ کس حق گوئی اور صفائی سے حضرت امام شافعیؒ نے قرآن و حدیث کے خلاف اپنی
رائے کو رو کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور حدیث پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ

رأيي انوني رأيي مالكي ورأيي
ابي حنيفة وكله رأي وهو عندي

حضرت امام اوزاعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت
امام ابو حنیفہؒ کی آراء سب رائیں ہیں اور حجت تو ہر حال

احادیث میں۔

سواء وانما الحجة في الآثار۔

(الفاظ الہدیہ ص ۲۱ طبع مصر وجامع بیان العلم)

لا بن عبد البر ص ۱۴۹)

اور نیز فرماتے ہیں کہ

والحدیث الضعیف احبُّ رآئی من الرأی

(توضیح النظرو فی شرح نخبہ الفکر ص ۲۲)

حضرات ائمہ اربعہؒ کے ان واضح اقوال اور شادات یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ ان کی کوئی ایسی بات نہ تھی اور ایسا قول جو حدیث سے متصادم ہو وہ مسترد ہے اور تقلید سے منع کے بارے میں ان کے جتنے بھی اقوال منقول ہیں ان سب کا محمل یہی ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی ایسی بات میں تقلید جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو نہ مسموع قبیح اور ممنوع ہے اور ان کی وہ آراء اور اقوال جو نصوص اور احادیث کے موافق اور ان سے مستنبط ہیں تو ان میں ان کی تقلید کی ممانعت ثابت کرنا قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے کیونکہ لاعلمی کے وقت جاہل آدمی قرآن و حدیث کے رد سے اس بات کا مکلف اور پابند ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے اور بالاتفاق حضرات ائمہ مجتہدینؒ اہل علم میں سرفہرست ہیں تو ان کا قول تسلیم کرنا اور ان کی تقلید کرنا جو شرعاً ثابت ہے کیوں ممنوع اور حرام ہے ہاں جو شخص عالم ہو اور احکام کو اولہ سے اخذ کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اس کے لیے حضرات ائمہ کرامؒ کے نزدیک تقلید منع ہے چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

کہ حضرات ائمہ کرامؒ کا تقلید سے منع کرنا اس شخص کے حق میں ہے جو احکام کو ان کے اولہ سے اخذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

منع الاثمۃ عن التقليد انما هو فی

حق القادر علی اخذ الاحکام عن الادلة

(فتاویٰ ص ۲۳۳)

سابق بحث تو اس کی تھی کہ حضرات ائمہ مجتہدینؒ نے تقلید سے

دیگر حضرات فقہار کرامؒ کا تقلید سے منع کرنا

منع کیا ہے اور ان کی واضح عبارات کی روشنی میں یہ عرض

کیا جا چکا ہے کہ قرآن و حدیث کے مخالف اقوال میں ان کی تقلید درست نہیں ہے باقی ان کے جو اقوال قرآن

و حدیث کے مخالف نہ ہوں ان میں ان کی تقلید شرعاً مطلوب محمود ہے اور یہی عقلی طور پر صحت مندرقلہ ہے

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اب بعض دیگر فقہار کرامؒ اور علماء ملت کے اقوال میں تقلید کی تردید کی حقیقت بھی

ملاحظہ فرمائیں جن سے آئے دن فرقی ثانی سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے اور ان کے ذہن بگاڑتا ہے بہت سے اکابر علماء کرام کے اقوال اور عبارات میں تقلید کی پُر زور تردید آئی ہے جو بالکل بجا ہے نہ تو ہمارا مقصد ان اقوال کا استیعاب ہے اور نہ یہ ہمارے بس اور اختیار میں ہے۔ مشتے غوطہ ازخروارے چند حوالوں سے ہی یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جائے گی اس لیے مزید تفصیل اور تطویل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

فرقی ثانی کے شیخ اکل نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب قول سدید اور حضرت ملا علی القاری کی کتاب شرح صین العلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے (ہم حضرت شیخ اکل کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں) جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو حنفی مالکی شافعی حنبلی ہونے کی تکلیف نہیں دی بلکہ ان پر واجب کیا ہے کہ جن احکام کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے ہیں وہ ان پر ایمان لاویں (قول سدید) یہ بات معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کسی کو حنفی مالکی شافعی حنبلی ہونے کی تکلیف نہیں دی بلکہ یہ تکلیف دی ہے۔

ان يعملوا بالسنة ان كانوا علماء
او يقلدوا علماء ان كانوا جہلاد (معارف) تو علماء کی پیروی کریں۔

ان دونوں بزرگوں کی عبارات میں اس کا واضح تذکرہ ہے کہ مومن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام اور سنت کے تسلیم کرنے کا پابند اور مکلف ہے اور حدیث و سنت کی موجودگی میں حنفی مالکی شافعی اور حنبلی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر عالم ہے تو براہ راست سنت پر عمل کرے اور اس شق میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں قرآن و حدیث سے جو احکام ثابت ہیں ان میں نہ کوئی حنفی و مالکی ہے اور نہ شافعی و حنبلی ہے بلکہ سب مومن ہیں منصوص احکام میں کسی کے حنفی اور مالکی وغیرہ ہونے کا کیا معنی؟ اس عبارت میں یہ تصریح بھی موجود ہے او يقلدوا علماء ان كانوا جہلاد یعنی اگر جاہل ہیں تو علماء کی تقلید کریں اور تقلید جاہل ہی کیلئے ہے جو احکام اور دلائل سے ناواقف ہے یا تعارض اولہ میں تطبیق و ترجیح کی اہلیت نہیں رکھتا اور نہ تاریخی طور پر ناسخ و منسوخ کی پرکھ کر سکتا ہے اور اجمالی طور پر احکام کو جانتے ہوئے بھی جاہل ہے کہ اولہ یا تعارض کے وقت تطبیق سے ناواقف ہے ان عبارات میں حضرت ملا علی القاری کی عبارت میں تو صراحتہً موجود ہے کہ اگر جاہل ہیں تو علماء کی تقلید کریں۔ اہیں ترکہ تقلید کا سبق نہیں بلکہ تقلید کرنے کا درس ہے۔ ہاں البتہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت

مجل ہے لیکن خود ان کی صریح عبارات اس کی تفسیر کرتی ہیں جن میں ایک عبارت صلا میں مذکور ہے فاذا كان انسان جاهل في بلاد الهند الى قوله وجب عليه ان يقتل لمذهب الـ حنيفة ويمد عليه ان يخرج من مذهب الـ یعنی جاہل آدمی پر جو مثلاً ہندوستان کا باشندہ ہو، امام ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب ہے اور اس سے نکلن اس کے لیے حرام ہے۔ بالکل ظاہر بات ہے کہ علماء کے لیے وہ تقلید کو منع اور جہلاء کے لیے واجب اور لازم قرار دیتے ہیں اور خود بھی دونوں بزرگ اصولاً حقیقی ہیں کہ جن غیر منصوص مسائل یا ان کے اولہ میں اس طرح کا علم اور درک انہیں نہیں جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور متقدمین فقہار اخلاف کو تھا تو ان میں وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ و متقدمین فقہاء کرامؒ اور کتب فقہ پر کئی اعتماد کرتے ہیں بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تو صاف لفظوں میں تصریح فرماتے ہیں کہ

وبعد از قرآن و حدیث مدار اسلام بر فقہ است قرآن و حدیث کے بعد اسلام کی مدار ہی فقہ پر ہے

(قرۃ العین ص ۱۷ طبع مجتہبائی دہلی)

الغرض حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں کی بعض مجمل عبارات سے ترک تقلید یا مطلقاً تقلید کے ممنوع و مذموم ہونے پر استدلال کرنا خالص سطحی اذہان کی پیداوار ہے۔ لاشک فیہ حضرت شاہ صاحبؒ پر اگر علمی طور پر اعتماد ہے۔ تو ان کی مفصل باتوں کو بھی تسلیم کریں محض ان کے نام اور ادھوری عبارت سے کچھ نہیں بنتا۔

بدلتا ہے تو سے بدلہ، طریقے کشی بدلہ و گرنہ ساغر و مینا بدل جائے تو کیا ہوگا؟

بفضلہ تعالیٰ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ عبادہ اور اصول دین |
تعصب اور غلط بیانی کی بدترین مثال | میں تقلید جائز اور درست نہیں ہے اور نہ ہی مخصوص قرآن کریم اور صریح و صحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف مسائل میں تقلید جائز ہے تقلید تو ان بیش آیدہ مسائل میں جائز ہے جو نہ تو قرآن کریم سے صراحتاً ثابت ہوں اور نہ احادیث صحیحہ صریحہ سے اور نہ اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے اور حضرات مقلدین کے نزدیک جس امام کی تقلید کی جاتی ہے وہ ان کو ہرگز معصوم بھی نہیں مانتے بلکہ تمام اصول فقہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ جملہ مذکور ہے المجتہد یخطئ و لا یصیب مگر غیر مقلدین حضرات کے محقق اور مدرس عالم مولوی عبدالعزیز بن محمد نورستانی ناجائز اور حرام تقلید کے سلسلہ میں حضرات ائمہ کرامؒ کی چند عبارات اور حوالے نقل کر کے آگے لکھتے ہیں۔

مدعی ست اور گواہ چست

برادران اہل تقلید! کیا لطف کی بات ہے کہ ائمہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہماری تمام باتیں ممکن ہے کہ غلط ہوں اور مقلدین حضرات فرماتے ہیں کہ ائمہ بالکل معصوم تھے ان سے غلطی کا امکان ہی نہیں ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کے ہر قول و فعل کو سچا اور صحیح مانیں الیٰ ان محال ائمہ عظام تو فرمائیں کہ تقلید ہرگز نہ کرنا اور مقلدین فرمائیں کہ براہ راست قرآن و حدیث پر ہرگز عمل نہ کرو کیونکہ تقلید واجب و ضروری ہے ائمہ عظام تو فرمائیں کہ قرآن و حدیث کے خلاف ہمارا قول لینا حرام ہے اور مقلدین فرمائیں کہ امام کے ایک قول کو چھوڑنا بھی موجب لعنت ہے الخ بلفظہ (حقیقۃ الاحاد یعنی بے دینی کی حقیقت ص ۲۷ مطبع باب الاسلام پریس کراچی)۔

الجواب :- اس مضمون میں جو دلیل اور تمییس کی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ذیل کے امور کو غور سے ملاحظہ فرمائیں :-

(۱) کسی امام نے یہ نہیں کہا کہ ہماری تمام باتیں ممکن ہے کہ غلط ہوں۔ یہ ان پر خالص افتراء اور نراستان ہے چونکہ حضرات ائمہ کرام مجتہد ہیں اور مجتہد کی اجتہادی بات میں صواب و خطأ دونوں پہلو متحمل اور ممکن ہوتے ہیں جہاں ان کی ہر بات میں غلطی اور خطا کا امکان ہے وہاں اس کے درست اور صواب ہونے کا امکان بھی ہے اور مطلب یہ ہو گا کہ ممکن ہے کہ ان کی تمام اجتہادی باتیں درست اور صحیح بھی ہوں امکان کے صرف ایک پہلو کو لے لینا اور اس پر اصرار کرنا اور دوسرے پہلو سے کوتاہی طرح انھیں بند کر لینا۔ اسلام اور دین کی کون سی خدمت ہے؟ علمی طور پر امکان کے دونوں پہلو ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

(۲) حضرات ائمہ کرام کی عبارات میں تصریح موجود ہے کہ کتاب و سنت کے مقابلہ میں ان کا ہر قول مترک ہے اور جملہ مقلدین حضرات بھی قرآن و حدیث کے مقابلہ میں حضرات ائمہ کرام کے اقوال کو مترک ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ ان کے صریح حوالے عرض کیے جا چکے ہیں اور حضرت امام مالکؒ کا یہ ارشاد بھی جس کو نہایت مذکور لے بھی حقیقۃ الاحاد ص ۳۳ میں نقل کیا ہے) انصافاً ناابشر اسیب و اخطی الخ یعنی میری رائے درست بھی ہوتی ہے اور خطا بھی کر جاتا ہوں مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو تقلید کی تردید کے اندھے شوق میں اسیب کا لفظ ہی نظر نہیں آ رہا کہ حضرات ائمہ کرام کی اجتہادی باتیں درست بھی ہوتی ہیں اور صرف اخطی کا لفظ ہی نظر آتا ہے جیسا کہ سادہ کے اندھے کو ہر اہی ہر نظر آتا رہتا ہے۔

(۳) حضرات مقلدین میں کوئی بھی حضرات ائمہ کرام کو معصوم نہیں کہتا وہ ان کو مجتہد مانتے ہیں جو یخطی و یصیب کا مصداق ہیں۔ حضرات ائمہ کرام کی عصمت کا باطل دعویٰ صرف روافض کا ہے جن کی تردید حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تفسیسات النبیہ اور در ثمن میں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ

نے ردِ روافض میں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عربیہ میں اور اس دور میں امام اہلسنت والجماعت حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب لکھنوی (المتوفی ۱۳۸۳ھ) نے اپنے رسالہ شیعہ کافر ہیں میں لکھا ہے اور روافض کے کفر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ حضرات ائمہ کرام کو معصوم تصور کرتے ہیں حالانکہ عصمت صرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے اور فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۲۶ میں بھی تحریر ہے کہ حضرات مقلدین کے ذمہ یہ سراسر باطل نظریہ لگانا کہ وہ حضرات ائمہ کرام کو معصوم عن الخطا کہتے ہیں قطعاً باطل صریح افتراء اور سفید جھوٹ ہے اور براہِ راست قرآن و حدیث پر عمل سے اُس کو منع کرتے ہیں جو ناسخ و منسوخ میں فرق نہ کر سکتا ہو یا مختلف حدیثوں میں تطبیق کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ مگر غیر مقلدین حضرات کو اسی میں لطف اور مزا آتا ہے کہ وہ بلا تفصیل مقلدین پر بستے ہیں۔

(۴) کسی بھی مقلد کا یہ مسک نہیں کہ حضرات ائمہ کرام سے غلطی کا امکان نہیں وہ تو چلا چلا کر کہتے ہیں کہ مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور مخفی بھی غیر مقلدین کا یہ کتا اور کیسا واضح جھوٹ ہے جو عوام الناس کو مخاطب دینے کے لیے اور اپنے حواریوں کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے تراشا ہے اور یہ صرف انہیں کو زیب دیتا ہے کیونکہ کل ائمہ بدر شیعہ بمافیہ (یعنی ہر پرت سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے) (۵) یہ بھی کسی مقلد نے نہیں کہا کہ ہم پر فرض ہے کہ ہم حضرات ائمہ کرام کے ہر قول و فعل کو سچا اور صحیح مانیں نصرت کی جا چکی ہے کہ مجتہد کے قول میں صواب و خطا دونوں پہلو ہوتے ہیں اور فریقِ ثانی کے شیخ اہل کا یہ حوالہ بھی گزر چکا ہے کہ لاعلمی کے وقت لاعلمی التبعین کسی ایک مجتہد کی تقلید واجب ہے اور محین کی تقلید مباح ہے۔ گو حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعت پر فرض و واجب کا فرق کرتے ہیں لیکن دیگر حضرات کے ہاں فرض واجب کا ایک ہی مضموم ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ حوالہ عرض بھی کیا جا چکا ہے کہ مثلاً ہندوستان وغیرہ میں جہاں صرف ایک ہی امام کی فقہ رائج ہو اور اسی ہی کی کتابیں میسر ہوں تو وہاں (اس خارجی دلیل کی وجہ سے) اسی کی تقلید واجب ہوگی کیونکہ اس میں سہولت ہے اور ترکِ تقلید سے بے دینی کا خطرہ ہے الغرض جہاں شرعاً تقلید حرام ہے وہاں حضرات مقلدین بھی اسے حرام ہی کہتے ہیں اور لاعلمی کے وقت فریقِ ثانی کے شیخ اہل بھی تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں گو دل کو بہلا لے کے لیے ساتھ لاعلمی التبعین کی قید بھی لگاتے ہیں جو بے سود ہے کما تر۔ کیونکہ ایک کی تقلید سے بھی امثال امر ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی موقع پر حضرات مقلدین بھی تقلید کو واجب کہتے ہیں۔ در نہ الحاد۔ زندقہ اور بے دینی کا زہر بند ہو نوالا

دروازہ کھل جائے گا جس کا بندہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

چھپا کر آستین میں بھکیاں رکھی ہیں گردوں نے عبادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آستیانوں میں

حضرت مولانا نونو توئیؒ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذاہب حق مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹر سی ایک ہے اور سارے طبیب کامل قابل علاج اور ہر ایک ڈاکٹر لائق معالج ہے لیکن جو وقت اطباء یا ڈاکٹر مریض کی تشخیص میں اختلاف کرتے ہیں تو مریض جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر سے معالج کرتا ہے ہر بات میں اسی کا کتنا ماننا ہے دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں سنی جاتی ایسی ہی ہر بات اختلاف آئمہ جس مجتہد کا اتباع کیا جائے ہر بات میں اسی کی تابعداری ضروری ہے ہاں جیسے ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کی طرف رجوع کر لیتے ہیں ایسے کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسی وجہ سے ایک مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب اختیار کر لیا تھا اور تبدیل مذہب کے بعد ہر بات میں دوسرے ہی کا اتباع کیا یہ نہیں کہ ایک بات ان کی مانی اور ایک بات ان کی مانی امام طحاوی جو بہت بڑے محدث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے۔

مختصر یہ کہ بے تقلید کام نہیں چلتا یہی وجہ ہے کہ کروڑوں عالم و محدث گذر گئے پر مقلد ہی ہے امام ترمذی کو دیکھئے اتنے بڑے عالم فقیہ اور محدث تھے وہ بھی مقلد تھے جب ایسے بڑے عالم اس کمال علمی پر مقلد ہے تو آج کون عالم ہو گا جس کے ذمہ تقلید ضروری نہ ہو (تصفیۃ العقائد ص ۴۳۲)

اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس تقلید چاروں مذاہب میں مختصر ہو گئی ہے کیونکہ انہیں کی حقہ مدون و مرتب ہے جب کہ بقیہ مذاہب اور ان کی کتابیں باقی نہیں رہیں یا انہی چار میں مدغم ہو گئی ہیں۔ مشہور غیر مقلد عالم حضرت مولانا غلام رسول صاحب (المتوفی ۱۳۰۵ھ) قلعہ میاں شگھوی فرماتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے لکھا ہے صاحب مذہب دے کہنے میں توں اکھ جی چار۔ پہلا مذہب حضرت ام عظم حجۃ اللہ علیہ و آلہ و سلم مذہب حضرت ام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم مذہب حضرت ام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم مذہب حضرت ام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم مذہب پچیسویں روٹی خوردہ مطبوعہ شیخ سراج الدین علی گڑھ دہلی ۱۵ اردو بازار لاہور

باب یازدہم

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی نمایاں خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو چند خصوصیات خوبیاں عطا فرمائی ہیں جن کی وجہ سے وہ بقیہ حضرات مجتہدین سے ممتاز ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ حدیث لوکان الایمان عند الثریا الحدیث کا اولین مصداق ہیں اور یہ کہ وہ آپسی ہیں اور یہ کہ وہ بڑے عابد و زاہد تھے وغیرہ وغیرہ مگر صدافنوس ہے کہ غیر مقلدین کے شیخ اسکل کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ان خوبیوں میں سے ایک خوبی بھی مسلم نہیں چنانچہ انہوں نے تاریخی اعتبار سے ان تمام ثابت شدہ حقائق کا رد کیا ہے ہم ترتیب وار ان کے الفاظ میں ان امور کا ذکر کر کے جوابات عرض کرتے ہیں۔

فرق ثانی کے شیخ اسکل تحریر کرتے ہیں کہ تبیض الصغیفہ میں سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ کی فضیلت میں یہ حدیث صحیح بخاری کی کافی ہے لوکان الایمان عند الثریا لئلا رجال من فارس تو بھی باقی اور اماموں پر فضل نہیں ثابت ہوتا کیونکہ اور ائمہ بھی احادیث صحیحہ کے مصداق ہو سکتے ہیں چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث یومئذ ان یضرب الناس اکباد الا بل یطلبون العلم منہ یجدون احداً اعلم من عالم المدینۃ کی جو کہ ترمذیؒ نے روایت کی ہے۔ مصداق ہو سکتے ہیں جیسا کہ عبد الرزاقؒ اور سفیان بن عیینہؒ سے جو راوی ہیں اس حدیث کے ترمذیؒ نے روایت کی ہے اور امام شافعیؒ تو کئی احادیث صحیحہ کے مصداق ہو سکتے ہیں جیسا کہ امام نوویؒ نے ان احادیث کو تہذیب میں خوب تفصیل سے وار کیا ہے الا (معیار الحق ص ۱۷۷)۔

الجواب ہر دیگر احادیث کا مصداق دو سکہ حضرات ائمہ کرامؒ ہوں تو بلا شک ہوں کون مسلمان اس کا منکر ہے لیکن حدیث۔

لوکان الایمان عند الثریا لئلا ، اگر ایمان ثریا ستارے میں بھی ہو تو اس کو اہل فارس

رجال اور رجل من هؤلاء بخاری ص ۲۴۰
واللفظ له وسلم ص ۲۱۲

اور حدیث

میں سے کئی مرد یا ایک مرد ضرور حاصل کرے گا۔

لو كان العلو بالثريا لتاوله ناس من
ابن فارس (مترجمہ ص ۲۴۲) و مولد النظم ص ۵۴ (۵)
اگر علم ثریا میں بھی ہو تو اس کو اہل فارس کے کئی لوگ
لازمًا حاصل کر لیں گے۔

کا اولین مصداق حضرت امام ابو حنیفہؒ ہیں جیسا کہ امام سیوطیؒ نے تبیض الصیفہ ص ۱ اور امام ابن حجر مکیؒ نے الخیرات
الحسان ص ۱۳ اور علامہ محمد معینؒ نے دراست الیب ص ۲۸۹ میں اس کی تصریح کی ہے اور حضرت شاہ ولی
صاحبؒ کلمات طبیات ص ۱۶۵ اور ازالۃ الغبار ص ۲۷۱ میں اور نواب صدیق حسن خانؒ انکشاف الغبار ص ۲۲۴
میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور فارسی النسل حضرات فقہاء کرامؒ اور محدثین عظامؒ کو بھی اس کا مصداق قرار دیتے ہیں چونکہ
حضرت امام ابو حنیفہؒ تابعی اور اقدم ہیں اس لیے ان کے نزدیک بھی وہی اس کا اولین مصداق ہوں گے اور ثانیاً
ربا بطبع دور سے حضرت بھی اس فضیلت میں شامل ہوں تو کیا مضائقہ ہے۔ اس کی مزید بحث مقام ابی حنیفہؒ ص ۸۲ تا ۸۶
میں ملاحظہ فرمائیں بفضلہ تعالیٰ ہم نے وہاں قدر سے بظ سے اس کی بحث کر دی ہے۔

حدیث یفرب الناس اکباد الابل الحدیث ترمذی ص ۹۶ اور مشکوٰۃ ص ۳۱۶ میں ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے
ہیں ہذا حدیث حسن صحیح اس کا مصداق جیسا کہ ترمذیؒ میں امام عبد الرزاقؒ اور امام سفیان بن
عیینہؒ کے حوالہ سے امام مالکؒ بیان کیے گئے ہیں اسی طرح ترمذیؒ ہی میں امام سفیان بن عیینہؒ سے دوسری
روایت میں اس کا مصداق عبد العزیز بن عبد اللہ العمری الزاہدیؒ بھی بیان کیے گئے اور علامہ ابن عبد الملکؒ
اس کا مصداق حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بتاتے ہیں (مرقات ص ۳۱۶ و حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۱۶) اور صاحب لمعات
اس کا مصداق مدینہ طیبہ کے اُس آخری عالم کو قرار دیتے ہیں جب دنیا کے تمام اطراف سے ایمان سمٹ
کہ مدینہ طیبہ پہنچے گا اور وہ عالم اس وقت وہاں موجود ہوگا (حاشیہ ترمذی ص ۹۶) اپنے دور میں اہل مدینہ
میں حضرت امام مالکؒ بھی اس حدیث کا مصداق ہوں تو کس کو انکار ہے؟

باقی حضرت امام شافعیؒ کی فضیلت کی حدیثوں سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ مجلس اور مہم حدیث
میں جو فضیلت آئی ہے امام شافعیؒ اُس کا مصداق ہیں تو علی الراس والعین کون ان کی بزرگی مفتی اور علی خدات
کا انکار کرتا ہے؟ اور اگر یہ مراد ہو کہ مٹھربن ادیس کے نام سے جو حدیثیں آئی ہیں تو ایسی تمام احادیث اور موضوع

اور جعلی میں جیسے سراج امتی ابو حنیفہؒ کے مضمون کی روایتوں کو شیخ الملک جعلی بیان کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الملک ہی کا جواب عرض کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔ اور علامۃ العصر رئیس المحدثین عصر مجاہدین صاحب ناموس سفر السعادت میں فرماتے ہیں در فضائل اہم ابی حنیفہ دامام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما و ذم ایشاں چیز سے صحیح ثابت شدہ و ہر چہ در آں معنی مذکور است مجموع معضری و موضوع است انتہی (معیار الحق ص ۳۰ و ۳۱) یعنی حضرت اہم ابو حنیفہؒ اور حضرت اہم شافعیؒ کے فضائل اور مذمت میں (نام کی تصریح کے ساتھ کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اور جو اس سلسلہ میں مذکور ہیں وہ سب جھوٹی اور جعلی ہیں۔

اس سے بہتر علمی جواب اور کیا ہو سکتا ہے؟

احسان اتنا تیغ جواب و قاتل ہم جس کے بعد پھر کوئی ارمان نہ کر سکے

حضرت اہم ابو حنیفہؒ کی فوقیت | حضرات ائمہ اربعہؒ اور دیگر بے شمار حضرات فقہار کرامؒ اپنے خدا و فوقی کمال کے لحاظ سے قابل صد احترام ہیں لیکن ان میں جو فوقی مقام حضرات ائمہ اربعہؒ کو اور ان میں بھی علی الخصوص حضرت اہم ابو حنیفہؒ کو حاصل ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں اسی فوقیت اور برتری کی وجہ سے ان کو بقیہ حضرات فقہار کرامؒ پر مزیت حاصل ہے اور اسی فوقی کمال کی وجہ سے لوگ علم فقہ میں ان کے خوشہ چین ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مقام اہم ابو حنیفہؒ میں ٹھوس حوالوں کے ساتھ ہم نے ان کی فقاہت کا ذکر کر دیا ہے۔ یہ بحث اُمی میں ملاحظہ فرمائیں صرف دو حوالے اور شہادتیں ہم یہاں عرض کرتے ہیں۔

(۱) حضرت اہم شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفہؒ لوگ فقہ میں حضرت اہم ابو حنیفہؒ کے خوشہ چین ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۶ و احوال ص ۶۲۵)

حضرت اہم شافعیؒ کی یہ شہادت کوئی معمولی شہادت نہیں ہے بہت بڑی شہادت ہے۔

(۲) علامہ محمد بن ابراہیم الوزير البیہانی (المتوفی ۷۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ

ولو کان الامام ابو حنیفہؒ جاہلاً ومن حیة العلم عاطلاً ما قطا بقت جبال العلم من الحنفیة علی الاشتغال اگر اہم ابو حنیفہؒ جاہل ہوتے اور علم کے زیور سے خالی ہوتے تو احناف میں علم کے پہاڑ مثلاً قاضی ابوریسافؒ اہم محمد بن الحسن شیبانیؒ اہم طحاویؒ اور اہم کرمیؒ اور ان

بمذاہبہ کالتقاضی ابی یوسفؒ ومحمدؒ
بن الحسن الشیبانیؒ والطحاویؒ والی الحسن
الکوفیؒ وامثالہم واضعافہم فاعلموا
الطائفۃ الحنفیۃ فی الہند والشام
ومصر والیمن والجزیرۃ والحرمین
والعراقین من مائۃ وخمسین
من الہجرة الى هذا التاريخ یزید
علی استماتۃ سنتہ فہم أئوف لا
یتحصون وعوالم لا یحصون من اہل

جیسے دیگر حضرات اور ان سے کئی گنا زیادہ کبھی بھی امام
ابو حنیفہؒ کے مذہب کے گرویدہ نہ ہوتے احناف
کے گروہ کے علماء ہندوستان شام مصر یمن -
جزیرہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ عراق عرب اور عراق عجم میں
ایک سو پچاس ہجری سے لے کر آج کے دن تک
چھ سو سال سے زیادہ عرصہ سے چلے آئے ہیں اور وہ
ہزاروں ہیں شمار نہیں ہو سکتے اور ملکوں میں پھیلے ہوئے
ہیں احاطہ سے باہر ہیں اور وہ سب اہل علم ارباب
فتویٰ اصحاب ورع اور تقویٰ ہیں۔

العلم والفتویٰ والورع والتقویٰ (الروض الباسم ص ۱۶)

غیر مقلدین حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ تقلید چوتھی صدی سے شروع ہوئی ہے لیکن علامہ وزیر بیانیؒ غیر مقلد
محقق عالم کی صریح تحریر سے ثابت ہوا کہ حقیقت ایک سو پچاس ہجری سے چلی آرہی ہے اور دنیا کا کوئی خطہ
ان کے جتھے علماء بلکہ علم کے پیادوں سے خالی نہیں رہا اور وہ اس کثرت سے ہوئے اور ہیں کہ شمار سے بھی
باہر ہیں اور یہ گرویدگی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دیگر خدو اوصاف کے علاوہ ان کے فنی کمال اور برتری کی وجہ
سے ہے اور اسی وجہ سے علم کے پیادوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کو ترجیح دی ہے اور ان کے قول
کو صواب - کھٹل الخطا سمجھا ہے۔ مگر فریق ثانی کے شیخ اہل فراتے ہیں کہ مقلد کو چاہیے کہ چاروں
مذہبوں کو برابر جانے (معیار الحق ص ۱۵۵)

اور نیز فرماتے ہیں کہ - ائمہ اربعہ کے مقلدین کو لازم ہے کہ چاروں اماموں کو برابر سمجھیں نہ یہ کہ اپنے
امام کے مذہب کو صواب اور کھٹل خطا اور دوسرے ائمہ کے مذاہب کو خطا مستحل الصواب سمجھیں (معیار الحق ص ۱۵۵)
ان الفاظ میں وہ دہی ہوئی زبان سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فقہی فوقیت کا انکار کر رہے ہیں کہ جب وہ دوسروں
کے برابر قرار پائے تو پھر کسی کو ان کی تقلید کی کیا مجبوری پیش آتی ہے؟ لیکن اتنی بات کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے
کہ وجہ ترجیح کے بغیر کوئی کسی امام کی فقہ کو کیسے اپنائیگا؟ اور اصول فقہ والوں نے وجہ ترجیح یہی بیان کی
ہے کہ اپنے امام کے قول کو صواب کھٹل الخطا اور دوسروں کے اقوال کو خطا کھٹل الصواب سمجھے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں

مشہور قدیم اور ثقہ مورخ امام ابو الفرج محمد بن اسحاق بن زیدم (المتوفی ۲۸۵ھ) حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے لکھتے ہیں کہ

امام ابو حنیفہؒ تابعین میں سے ہیں اور بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ سے اُن کی ملاقات ہوئی ہے۔

وكان من التابعين لقي عدة من الصحابةؓ (الغفرلہ) سن تصنیف ۲۹۸ھ ۲۷۷ھ

اس عبارت سے بصرحت حضرت امام ابو حنیفہؒ کا تابعی ہونا اور متعدد حضرات صحابہ کرامؓ سے ملاقات کرنا ثابت ہوا۔

حضرت ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

وقد ثبت رؤيته لبعض الصحابةؓ واختلف في روايته عنهم والمعتمد ثبوتهما الى قوله فهو من التابعين الاعلام كما صرح به العلماء الاعيان (ذیل الجواهر ص ۴۵۲)

امام ابو حنیفہؒ کا بعض حضرات صحابہ کرامؓ کو دیکھنا تو بلاشبہ ثابت ہے ہاں اُن کی حضرات صحابہ کرامؓ سے روایت کرنے میں اختلاف ہے اور قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اُن کی ان سے روایت ثابت ہے (پھر فرمایا) تو ثابت ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ بڑے تابعین میں سے تھے جیسا کہ علماء کرام کی بڑی شخصیتوں نے اس کی تصریح کی ہے۔

ان حضرات کا یہ فرمانا بالکل بجائے ہے کیونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ولادت اکثر علماء کی تحقیق سے ۸۰ھ میں ہوئی ہے (جامع المسانید ص ۲۵) و تذکرہ ص ۱۵۹ و تنذیب التذنیب ص ۴۴۹ و الجواهر المنضیہ ص ۲۷ اور متعدد حضرات صحابہ کرامؓ کی وفات ۸۰ھ کے بعد ہوئی چند حضرات کے نام باحوالہ درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن الحارث بن جمر (المتوفی ۸۵ھ یا ۸۶ھ یا ۸۷ھ یا ۸۸ھ تنذیب التذنیب ص ۱۷۹)

(۲) حضرت واثلہ بن الاسقع کی وفات امام ابو مسرور اور حضرات محدثین کرامؓ کی ایک جماعت کے نزدیک ۸۵ھ میں ہوئی (تنذیب التذنیب ص ۱۷۱)

(۳) حضرت انس بن مالک (المتوفی ۹۳ھ) وهو قول خليفة بن خياط وهو صحیح یا ۹۵ھ میں کہا قالہ جریر بن حازم و شعیب بن الحجاب (تنذیب التذنیب ص ۲۷۹) حضرت امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر میں علامہ ابن سعدؒ نے طبقات ص ۱۶ میں اور علامہ ذہبیؒ نے العصر ص ۲۸ میں حضرت انسؓ

کاسن وفات ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ لکھا ہے۔

(۴) حضرت محمود بن لبید المتوفی ۹۶ھ حضرت امام بخاری اور امام ابن حبان اور امام ترمذی ان کو صحابی بیان کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۶۱)۔

(۵) حضرت محمود بن الریبع المتوفی ۹۹ھ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

روى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (تہذیب التہذیب ص ۶۲) روایت کی ہے۔

اور بخاری ص ۱۱۱ میں ان کی روایت موجود ہے۔

(۶) حضرت ہرماس بن زیادہ الباہلی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں روى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم۔ حضرت حکم بن عمار فرماتے ہیں کہ میری ان سے ۳۰ سالہ میں ملاقات ہوئی تھی۔

(تہذیب التہذیب ص ۲۸) ظاہر بات ہے کہ اس کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے صاحب تہذیب الکمال علامہ ابوالحسن المزنی (المتوفی ۴۲۲ھ) فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۳۰ سالہ کے بعد ہوئی ہے۔ (امش تہذیب ص ۲۸)

(۷) حضرت ابوالطفیل عامر بن دائرہ حضرت امام مسلم فرماتے ہیں کہ ۳۰ سالہ میں ان کی وفات ہوئی ہے امام ابن البرقی اور غلیفہ فرماتے ہیں کہ ۳۰ سالہ میں ہوئی اور شیر بن اعین فرماتے ہیں ۳۰ سالہ میں نے ان سے مکہ مکرمہ میں حدیث سنی سنی اور جریر بن عازم جو ثقہ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ ۳۰ سالہ میں مکہ مکرمہ میں ایک جنازہ دیکھا لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابوالطفیل کا جنازہ ہے (تہذیب التہذیب ص ۸۶)۔

ہم نے اقتصاد تقریباً نصف درجن حضرات صحابہ کرام کے نام اور سینہ وفات باحوالہ درج کیے ہیں اور جمہور حضرات محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق جس پر حضرت امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم ص ۲۲ میں علمی بحث کی ہے روایت کی صحت کے لیے امکان لقا ہی کافی ہے۔ اور اسی کو انہوں نے ان القول الشائع المتفق علیہ بین اہل العلم بالانخبار والروایات قدیماً وحديثاً فرما کر سب حضرات محدثین کرام کا اتفاقی اور اجماعی قول بتایا ہے۔ اور طے شدہ قواعد کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہ کی سن تیز میں ان سے لقا ممکن ہے جس کا انکار تاریخ کا انکار کرنا ہے جو صرف عند تعصب کی پیروی ہے اور انشاء اللہ العزیز باحوالہ یہ بات بیان ہوگی کہ تابعی ہونے کے لیے لقا اور روایت کافی ہے طول

صحبت اور روایت کرنا شرط نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں رَأَى النَّسَافَ (تہذیب التہذیب ص ۲۲۹) کہ انہوں نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔ رَأَى النَّسَافَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ مَرْقَلَمَاقِدَمٍ علیہمہم الکوفۃ ذکرہ ص ۱۵۸) ہے جبکہ وہ ان کے پاس کوفہ تشریف لے جاتے تھے۔

جب حضرت امام ابو حنیفہؒ نے تیرہ یا پندرہ سال کی عمر تک کئی مرتبہ حضرت انسؓ کو دیکھا ہے تو سولہ انیس۔ بیس۔ یا بیس اور تیس سال کی عمر تک اس کے بعد وفات پانے والے حضرات صحابہ کرامؓ سے اسکان نقار کے طے شدہ فائدہ کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ان بقیہ حضرات صحابہ کرامؓ سے ملاقات اور ان کی رویت کیوں ممکن نہیں؟ اور کیوں نہیں ہو سکتی؟ الغرض روایت امام ابو حنیفہؒ کا تابعی ہونا تو ایک مسلمہ حقیقت ہے چنانچہ علامہ ابن سعدؒ امام دارقطنیؒ خطیبؒ بغدادیؒ امام نوویؒ امام ابن عدیؒ علامہ ذہبیؒ علامہ شعبانیؒ علامہ عراقیؒ حافظ ابن حجرؒ اور امام سخاویؒ وغیرہ امام ابو حنیفہؒ کے روایت تابعی ہونے پر متفق ہیں تلک عشقہ کاملہ (ملاحظہ ہو بغدادی ص ۲۲۴ تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۱ وقانون الموضوعات ص ۲۳۶) علامہ شیع محمد طاہرؒ بلکہ علامہ طاش کبریؒ زاوہ فرماتے ہیں

فقد اُتفق المحدثون علی ان اربعة من الصحابة كانوا علی عهد الامام فی الحیاة وان تنان عوا فی الروایة عنہم (مفتح العادۃ ص ۶۴)

کہ حضرات محدثین کرامؓ اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحبؒ کے زمانہ میں چار حضرات صحابہ کرامؓ زندہ تھے اگرچہ حضرت محدثین کرامؓ نے ان سے روایت کرنے میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ان بھٹوس حوالوں کے رد سے تابعی ہونے کو دیکھئے اور فرقہ ثانی کے کشمکش اہل کا یہ تعصب بھی ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے معیار الحق ص ۱۳ سے یک ص ۲۹ تک ایسی چوٹی کا زور صرف کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ تابعی نہیں ہیں۔ اور اپنے مطلب کے حوالے بھی نقل کیے ہیں اور احمد بن الصلت الحمانیؒ وغیرہ انتہائی کمزور اور جعل ساز راویوں پر گرفت بھی کی ہے جو بجا ہے مگر ہمارا استدلال ان پیش کردہ روایتوں اور حوالوں میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ہے ہم نے جو حوالے درج کیے ہیں وہ قارئین کرامؒ کے سامنے ہیں عیاں راجحہ بیاں ہے

خیال یار کو میں بھول جاؤں ناممکن
بھلا سکے تو بھلا دے خیال یار مجھے

شیخ اکل صاحبؒ لکھتے ہیں کہ۔ اور اکثر ائمہ نقل اہم صاحبؒ کے تابعی ہونے کے قائل نہیں الخ
 (معیار الحق ص ۱۸) اور بحث کا اختتام اس پر کیا ہے کہ۔ اقول اہم صاحبؒ اس آیت (حسب میں اتبعوا
 بلحسن ہے۔ صفحہ ۱۸) کے مصداق تب ہوتے جب کہ تابعی ہوتے اور اس کا حال خوب روشن
 ہو گیا تو فضیلت اہم کی باقی تینوں مجتہدوں پر اگر تابعی ہونے کی نظر سے جتنی تو نہ رہی پھر تابعی نہ ہونے میں
 چاروں برابر ہیں الخ (معیار الحق ص ۱۹) مگر شیخ اکل صاحبؒ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت اہم ابو حنیفہؒ
 کا تابعی ہونا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے جس کا انکار آفتاب نمرود کا انکار ہے جب کہ باقی تینوں
 حضرات ائمہ کرامؒ میں کوئی ایک بھی تابعی نہیں ہیں یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ ہم نے دیگر حضرات کے
 حوالوں کے ساتھ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے حوالے بھی درج کیے ہیں اور یہ دونوں ایسے بزرگ ہیں۔
 جن پر شیخ اکل صاحبؒ کلی اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ جیسے کہ شیخ الاسلام حافظ الحدیث
 و اسماء الرجال محمد بن احمد ابو عبد اللہ ذہبیؒ نے کمانی کے کلام سے جن کی جلالت شان اور علو مکان سے سب
 علماء راوی اور اعلیٰ واقعہ ہیں اور شیخ الاسلام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے
 و بلفظ معیار الحق ص ۲۰) الحمد للہ تعالیٰ کہ ان دونوں بزرگوں کے کلام سے ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت
 اہم ابو حنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور بقول علامہ ذہبیؒ کئی مرتبہ دیکھا ہے اور مجبور کے نزدیک تابعی ہونے
 کے لیے تقار اور روایت ہی کافی ہے باقی کوئی اور شرط نہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ :۔ حافظ ابو العزیز اسماعیل بن کثیرؒ (المتوفی ۷۴۴ھ) رقمطراز ہیں کہ

احد الائمة الاثني عشر اصحاب الطوائف المتبوعة وهو اقدمهم وفاة
 لانه ادرك عصر الصحابة و رآى
 انس بن مالك قيل وغيره
 وذكر بعضهم انه روى عن
 سبعة من الصحابة قاله تعالى اعلم
 (البقرة والنبا ص ۱۱)

اہم ابو حنیفہؒ حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے اور انسؓ مذہب
 والوں میں سے جن کی (بحرث) پیروی کی جاتی ہے ایک ہیں
 اور ان دیگر حضرات ائمہ کرامؒ سے ان کی وفات بھی پہلے ہوئی
 ہے کیونکہ اہم ابو حنیفہؒ نے حضرات صحابہ کرامؓ کا زمانہ پایا ہے
 اور حضرت انسؓ بن مالک کو دیکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان
 کے علاوہ اوروں کو بھی دیکھا ہے اور بعض مؤرخین نے
 بیان کیا کہ ست حضرات صحابہ کرامؓ سے انہوں نے روایت
 کی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حافظ ابن کثیرؒ کی یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے مزید کسی تفسیر کی محتاج نہیں ہے ممکن ہے یہ وہی سات حضرات صحابہ کرامؓ ہوں جن کا تذکرہ ہم نے کیا ہے کیونکہ حضرات محدثین کرامؓ کے قاعدہ سے حضرت امام صاحبؒ کی ان سے روایت ممکن ہے۔

دور حاضر کے مشہور اور معتبر مؤرخ حضرت مولانا شبلی نعمانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) مولانا شبلی نعمانیؒ کا حوالہ فرماتے ہیں کہ

بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادیؒ، علامہ بمعانیؒ مصنف کتاب الانساب علامہ نوویؒ شراح صحیح مسلم، علامہ ذہبیؒ حافظ ابن حجرؒ زین الدین عراقیؒ سخاویؒ، ابوالحسن دمشقیؒ نے جن پر اب حدیث روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا تھا (سیر النعمانؒ مکیہ لاہور) تابعی کی تعریف : امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ

قیل هو من صحب الصحابی وقیل من لقیہ، وهو الاظهر (تقریب النوادی مع التدریب ص ۱۶ طبع المیزان المنورة) کیا گیا ہے کہ تابعی وہ ہے جو صحابی کی رفاقت میں رہا ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف اس سے ملا ہو اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر تر قول کے موافق جس مسلمان نے کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اس سے ملاقات کی ہو تو وہ تابعی ہوتا ہے اس کے لیے طول صحبت اور سماعت و روایت شرط نہیں ہے اور حافظ ابن حجر شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی الصقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ

وهو من الصحابی الى قوله وهذا المختار (شرح منجۃ الفکر ص ۸۴) تابعی وہ ہے جو صحابی سے ملا ہو (اگے فرمایا) اور یہی قول مختار ہے۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ

وعليه الحاكم قال ابن الصلاح وهو اقرب قال المصنف وهو الاظهر قال العراقي وعليه عمل الاكثرين من اهل الحديث (تدریب الروای ص ۱۶) اور امام حاکمؒ کی بھی یہی تحقیق ہے اور امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ یہی بات حق کے قریب تر ہے مصنف (یعنی امام نوویؒ) نے اس کو ظاہر تر قول کہا ہے امام ذہبیؒ ابن حجرؒ عبد الرحیمؒ حافظ ابن حجرؒ (المتوفی ۸۰۶ھ) العراقیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات محدثین کرامؓ کا اسی پر عمل و اعتماد ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم (المتوفی ۵۰۴ھ) نے اپنی اصول حدیث کی کتاب معرفۃ علوم الحدیث (ص ۲۷ طبع قاہرہ) میں تابعی کی تعریف من شافہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ سے بیان کی ہے یعنی تابعی وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرام کے سامنے اور ردو ردو ہوا ہو۔ بالفاظ دیگر صرف ملاقات ہی ہوئی ہو۔ امام ابو عمر بن عبد الرحمن الشرنوبی الشیر بابن الصلاح (المتوفی ۶۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ۔

والاكتفاء في هذا بمجرد اللفظ
والرؤية اقرب. علوم الحديث ص ۱۸ طبع المیزنة المتوفی
تابعی کی تعریف میں محض لفظ اور رؤیت ہی پر اکتفاء
کہ ناحق اور صواب کے قریب تر ہے۔

اور حضرت طاعن القاری (المتوفی ۱۰۱۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ
ان جملہ من العلماء من اهل الحديث
على ان الرجل بمجرد التقى للصحابي
يصير تابعياً ولا يشترط ان
يصحبه مدة ولا ان ينقل عنه
روايته (ذیل الجواہر ص ۴۵۳)
جمہور حضرات محدثین کرام کی تحقیق یہ ہے کہ (مسلمان)
آدمی صحابی سے صرف ملاقات کی وجہ سے تابعی ہو جاتا
ہے اس کے لیے مدت تک صحابی کی صحبت میں رہنا
اور اس سے روایت نقل کرنا تابعی ہونے کے لیے
شرط نہیں ہے۔

ان تمام مٹھوس حوالوں سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسلمان کسی صحابی کو دیکھے اور اس سے ملاقات
کر لے تو وہ اظہر اقرب تختار و صحیح قول کے مطابق جمہور محدثین کرام کے ہاں تابعی ہو جاتا ہے اس کے
لیے اس سے روایت کرنا اور یہ تک اس کی خدمت میں رہنا جبہور کے نزدیک کوئی شرط نہیں ہے۔
حضرات محدثین کرام کا اس بات میں خاصا اختلاف ہے کہ کس عمر کا آدمی حدیث کی
سماعت کا اہل اور مجاز ہے جبہور کا نظریہ ہے کہ پانچ سال کا ہو تو سماع حدیث کا مجاز ہے

سن تمیز

چنانچہ حضرت امام نووی لکھتے ہیں کہ
وفتقل القاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ
ان اهل الصنعة حددوا اول
زمن يصح فيه السماع بخمس سنين وعلى
هذا استقل العمل وتقريب الزاوي مع التدریب ص ۲۳
قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ ابن حدیث والوں نے
ابتدائی اس زمانہ کی جس میں سماع (حدیث) صحیح ہے۔
پانچ سال کے ساتھ تحدید کی ہے اور اسی تحقیق پر
عمل مستقر ہے۔
طبع المیزنة المتوفی

اور امام سیوطی فرماتے ہیں کہ

وَنُسِبَهُ غَيْرُهُ لِلْجَمْعِ وَقَالَ ابْنُ

الصَّلَاحِ وَعَلَىٰ هَذَا اسْتَقَرَّ الْعَمَلُ

بَيْنَ أَهْلِ الْحَدِيثِ إِنَّمَا قَالَ

وَقَالَ الْقُسْطَلَانِيُّ فِي كِتَابِ الْمَنْهَجِ

مَا اخْتَارَهُ ابْنُ الصَّلَاحِ هُوَ التَّحْقِيقُ

وَالْمَذْهَبُ الصَّحِيحُ (تدريبات الرازي ص ۲۲۸)

قاضی عیاضؒ کے غیر درجہ سے حضرات محدثین کرامؒ نے
جمہور کا یہی مذہب بتایا ہے اور امام ابن الصلاحؒ کہتے
ہیں کہ حضرات محدثین کرامؒ کے ہاں اسی تحقیق پر عمل مستقر
ہے (پھر آگے فرمایا کہ) علامہ قسطلانیؒ نے اپنی کتاب
المنہج میں فرمایا ہے کہ محدث ابن الصلاحؒ نے جس قول
کو پسند کیا ہے وہی تحقیق اور صحیح قول ہے۔

جمہور کے اس اختیار کردہ قول کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام
محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے یہ باب قائم کیا ہے باب مثنیٰ یصح سماع الصغیر یعنی چھوٹے بچے
کا سماع کس زمانہ میں صحیح ہو سکتا ہے؟ پھر اس باب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

عن محمود بن الربيع قال عقلت

من النبي صلى الله تعالى عليه

وسلم تجتزعها في وجهاي وانا ابن

خمس سنين من دلو بخاری ص ۱۶

اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ

وَحُجَّتُهُمْ فِي ذَلِكَ مَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

وْغَيْرُهُ مِنْ حَدِيثِ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ

(تدريبات الرازي ص ۲۲۸)

جمہور کی اس سلسلہ میں دلیل وہ حدیث ہے جو امام بخاریؒ
وغیرہ نے حضرت محمد بن الربیعؒ سے روایت کی ہے

علامہ احمد بن مصطفیٰ زہد المعروف بطاش کبیری زائدہؒ (المتوفی ۹۶۲ھ) مولانا احمد الکورانہ کی التوشیح

البحاری الی ریاض البخاری کے حوالہ سے حضرت محمد بن الربیعؒ کی مذکور حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

قال ابن الصلاح استدلال الجمهور

بهذا الحديث على ان اقل زمان

يجوز فيه تحصيل الحديث خمس

امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ جمہور نے اس حدیث

سے کہ اقل زمانہ جس میں حدیث سنی جا سکتی ہے۔

پانچ سال بتائے ہیں پھر فرمایا کہ حق بات یہ ہے

ثم قال والحق انه ليس في الحديث
ما ينفي الاقل والمناط قدرة الصغير
على الضبط وهي تتفاوت بحسب الفطرة
(مفتاح السعادات ص ۶۵)

کہ اس حدیث میں پانچ سال سے کم عمر میں سماعت
کی نفی نہیں ہوتی مگر اس پر ہے کہ چھوٹا بچہ ضبط پر
قادر ہو اور یہ بحسب فطرت متفاوت ہے۔

حضرت ام ابو حنیفہؓ کا تابعی ہونا صریح اور واضح حوالوں سے
ثابت ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ کا
سوال بھی دیکھ چکے کہ بعض نے سات حضرات صحابہ کرامؓ سے

امام ابن عبد البرؒ علامہ ذہبیؒ اور
حافظ ابن حجرؒ کے مفصل حوالے

اُن کی روایت کا ذکر کیا ہے اور ملا علی القاریؒ کا یہ حوالہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ام ابو حنیفہؓ کی
حضرات صحابہ کرامؓ سے روایت کے بارے میں اختلاف ہے والمعتمد بشوقہا قابل اعتماد بات
یہی ہے کہ اُن سے اُن کی روایت ثابت ہے ام ابو حنیفہؓ نے پہلے زند کے ساتھ (نذیر ہے اخبارنا یہ)
عن ابی یعقوب یوسف بن احمد الصید لابی المکی قال حدثنا ابو جعفر محمد بن عمرو بن مریس العقیلی وابو علی عبد اللہ
بن جعفر الواسی ومحمد بن ساعۃ عن ابی یوسف قال سمعت ابا حنیفۃؓ (پھر آگے تصریح ہے کہ ام ابو حنیفہؓ فرماتے
ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن الحارث بن جبرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی فسمعتہ یقول قال
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم من تفقہ فی دین اللہ کفاه اللہ ہمہ ودرزقہ من حیث لا یحتسب
یہ یاد رہے کہ اس سند میں احمد بن الصلت الحنفی نہیں ہے۔ صغیرا روایت نقل کی ہے پھر آگے ہے۔

امام ابو عمر ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ امام محمد بن سعدؒ کا یہ
واقعیؓ نے ذکر کیا ہے کہ بے شک امام ابو حنیفہؓ نے حضرت
انسؓ بن مالک اور حضرت عبداللہ بن الحارث بن جبرؓ کو دیکھا

قال ابو عمر ذہبیؒ محمد بن سعدؒ کاتب
الواقعیؓ ان ابا حنیفۃؓ رأى انسؓ بن مالک
وعبد اللہ بن الحارث بن جبرؓ

(مراجعہ بیان العلم ص ۱۵۳ طبع مصر)

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ

ام ابو حنیفہؓ نے میں عبدالملک بن مروان کی خلافت میں کوفہ
میں پیدا ہوئے اور اس وقت حضرت اصحاب کرامؓ کی ایک جماعت زندہ تھی
تو اس لحاظ سے وہ انشاء اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ تابعینؓ
میں شامل ہیں سوا بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے حضرت انسؓ
کو جب وہ کوفہ تشریف لائے دیکھا ہے امام محمد بن سعدؒ

ولد ... فی سنۃ ثمانین فی خلافتہ عبد الملک
بن مروان بالکوفۃ وذلك فی حیاة جماعۃ من
الصحابۃ رضی اللہ عنہم وکان من التابعین لہم
ان شاء اللہ یا احسان فانہ صحیح انہ رأى انسؓ
بن مالک اذا قدمہا انسؓ قال محمد بن سعدؓ

حدثنا سيف بن جابر أنه سمع أبا حنيفة يقول
رأيت الناس رضي الله تعالى عنه (مناقب الامام ابو حنيفة)
وصاحبه للذهب من رصف طبع مصر

اور حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ

حدثنا الامام ابو حنيفة جماعة من الصحابة انه
ولبنا كوفة ستة ثمانين من الهجرة ودها يومئذ
من الصحابة عبد الله بن ابي اوفى فاته مات
بعد ذلك بالا اتفاق بالبصرة يومئذ انس بن مالك

ومات سنة تسعين اربع مائة وقد اورد ابن سعد بسند
لا بأس به ان ابا حنيفة رأى انسا وكان غلام مذبذب

وعبد الله بن ابي اوفى والنسابة في البلاد وقد جمع
بعضهم جزءا قتيما ورد من رواية ابي حنيفة عن الصحابة
لكن لا يخلو اسناده من ضعف والمعتد على ادراكه ما قلنا
وعلى رؤيته لبعض الصحابة فما اورد ابن سعد
في الطبقات فمن هذا الاعتبار من طبقة التابعين
ولم يثبت ذلك لاحد من ائمة العصر المعاصرين لله

(بحوالہ مقدمہ تلمذہ ابو حنیفہ ص ۸۲)

یہ تمام واضح اور روشن حوالے امام ابو حنیفہ کے تابعی ہونے پر نص ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شخص اور مزاج حوالہ حضرت امام ابو حنیفہ

کا روایت بھی اور روایت بھی تابعی ہونا ثابت ہے، لاریب فیہ اسکا انکار بھی کرنا ہے جو متعصب و مریخ آپ ہی بے پرواہ ہے جو معتد میر نہیں۔
مذاہب اربعہ میں فقہ حنفی کی تیس کے متوجہ یہ حضرات ائمہ فتنہ خدا اپنی جگہ قابل قدر اور مکمل ہیں لیکن حضرت امام ابو حنیفہ کی فقدان
سب پر دل جو ہے جس کے کئی وجوہ ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) حضرت امام ابو حنیفہ درود و درایت تابعی ہیں جبکہ عرض کیا گیا ہے
جبکہ باقی حضرات ائمہ ثلاثہ میں سے کوئی بھی تابعی نہیں ہے اور علم میں جو درجہ شرف حضرات تابعین کا ہے وہ بعد الوں کا نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام ابو حنیفہ کا فتنی کمال ایک مکمل امر ہے حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ الناس فی الفقہ عیال علی
الحنیفة (تذکرہ ص ۱۶) لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے خوش چہرے ہیں اور ...

فرماتے ہیں مجھ سے سیف بن جابر نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ انہوں
نے امام ابو حنیفہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس
بن مالک کو دیکھا ہے۔

امام ابو حنیفہ نے حضرت صحابہ کرام کی ایک جماعت کو دیکھا ہے
کیونکہ وہ کو فرمیں ۸۰ میں پیدا ہوئے اور کو فرمیں اس وقت
حضرت صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی موجود
تھے کیونکہ بالاتفاق وہ اس کے بعد فوت ہوئے ہیں اور بصرہ

میں اس وقت حضرت انس بن مالک تھے انکی وفات ۹۰ ہوا اس
کے بعد ہوئی اور علامہ ابن سعد نے صحیح سند سے نقل کیا ہے

کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا ہے کہ ان دو کے علاوہ
بھی شہروں میں حضرت صحابہ کرام زندہ تھے اور بعض حضرات نے

امام ابو حنیفہ کی حضرت صحابہ کرام سے روایت کے سلسلے میں جز بھی
جمع کی ہے لیکن اس کی سند ضعیف سے خالی نہیں معتد بہت ہے

کہ انہوں نے بعض صحابہ کرام کو دیکھا ہے جیسا کہ علامہ ابن سعد نے طبقاً
میں نقل کیا ہے سو وہ اس اعتبار سے طبقہ تابعین میں شامل ہیں اور ان کے

معاشرہ کرام میں جو شہروں میں ہو گوری ایک کہ شرف حاصل نہیں ہے

یہ تمام واضح اور روشن حوالے امام ابو حنیفہ کے تابعی ہونے پر نص ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شخص اور مزاج حوالہ حضرت امام ابو حنیفہ

کا روایت بھی اور روایت بھی تابعی ہونا ثابت ہے، لاریب فیہ اسکا انکار بھی کرنا ہے جو متعصب و مریخ آپ ہی بے پرواہ ہے جو معتد میر نہیں۔
مذاہب اربعہ میں فقہ حنفی کی تیس کے متوجہ یہ حضرات ائمہ فتنہ خدا اپنی جگہ قابل قدر اور مکمل ہیں لیکن حضرت امام ابو حنیفہ کی فقدان
سب پر دل جو ہے جس کے کئی وجوہ ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) حضرت امام ابو حنیفہ درود و درایت تابعی ہیں جبکہ عرض کیا گیا ہے
جبکہ باقی حضرات ائمہ ثلاثہ میں سے کوئی بھی تابعی نہیں ہے اور علم میں جو درجہ شرف حضرات تابعین کا ہے وہ بعد الوں کا نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام ابو حنیفہ کا فتنی کمال ایک مکمل امر ہے حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ الناس فی الفقہ عیال علی
الحنیفة (تذکرہ ص ۱۶) لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے خوش چہرے ہیں اور ...

امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ افتخار اس میں امام زید بن ہارون انہیں افتخار کئے ہیں۔
(تذکرہ ص ۱۵۹) ان کی فقہی جلالت شان اور کمال کے بارے راقمِ اٹیم کی کتاب مقام ابی حنیفہؒ کا مطالعہ کریں یہاں
تفصیل کا مقام نہیں ہے اور ہم بلاوجہ تکرار کو مناسب بھی نہیں سمجھتے۔

(۳) ان کی اسی فقہی برتری کی وجہ سے بڑے بڑے حضرات محدثین کرامؒ اور ائمہ جرح و تعدیل فقہ حنفی کے گرویدہ
تھے اور اسی پر فتویٰ دیتے تھے امام عبداللہ بن المبارکؒ۔ امام دیکھ بن الجراحؒ۔ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ امام
یحییٰ بن معینؒ امام یحییٰ بن زکریاؒ بن ابی زائدہؒ وغیرہ و غیرہ جلیل القدر حضرات محدثین کرامؒ اور ائمہ جرح و تعدیل
فقہی مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ پر کئی اعتماد کرتے تھے اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ حدیث کے خلاف
ہوتی عیا کہ غیر مقلدین حضرات کا ناقص خیال ہے تو یہ حضرات کبھی بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ اور رائے
کو نہ اپناتے حالانکہ امام یحییٰ القطانؒ فرماتے ہیں کہ بخدا ہم نے امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں
دیکھی اور اسی لیے ہم نے ان کے اکثر اقوال لیے ہیں کماثر۔

(۴) حضرت امام ابوحنیفہؒ خود بھی بفضلہ تعالیٰ افتخار و اخیال تھے لیکن بایں ہمہ ان کے فقہی مسائل بحث و تمحیص و
مشورہ اور خوب چھان بین کے بعد کتب میں درج اور مرتب کیے جاتے تھے اور ظاہر بات ہے کہ انفرادی
رائے سے اجتماعی رائے جو شوریٰ میں ملے ہو زیادہ صحیح اور درست ہو سکتی ہے
چنانچہ علامہ صیبریؒ اور حافظ خطیبؒ بغدادیؒ افتخار حنفی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

كان اصحاب ابو حنيفة ريعوضون
معه في المسئلة فاذا لم يحضروا عافيه
ابن سيزيد الا ودي في رواية عن ابن
معين ثقة مامون بعد ادى
ص ۳۱۱ وذكره النسائي في الثقات الجواهر
المضية ص ۲۱۴ قال ابو حنيفة لا ترفعوا
المسئلة حتى يحضر العافيه فاذا حضر
عافيه ووافقهم قال ابو حنيفة
اثبتوها وان لم يوافقهم قال

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد فقہی مسکوں میں ان سے
بحث و مباحثہ کرتے تھے اگر امام عافیہؒ حاضر نہ ہوتے
تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے کہ عافیہؒ کے حاضر ہونے کے
بغیر مسئلہ مست پیش کر دجبت تک کہ وہ نہ آجائیں جب
امام عافیہؒ حاضر ہوتے اور مسئلہ میں ان سے موافقت
کرتے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے کہ اب مسئلہ کو درج
کر دو اور اگر امام عافیہؒ ان سے موافقت نہ کرتے تو حضرت
امام ابوحنیفہؒ فرماتے کہ مسئلہ کو کتاب میں درج نہ کرو

الْبُحَيْفَةُ لَا تَشْتَبِهُهَا

راخبار الی حنیفہ و صاحبہ ص ۲۹۹ طبع بیروت واللفظ لہ

و تاریخ بغداد ص ۳۸۸ (۱۲)

اور یہ عبارت علامہ صیمری کے حوالہ سے الجواہر المصنیہ ص ۲۶۱ میں بھی موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ شراعی تھی اور اس کا صحیح اور صواب ہونا اعلیٰ ہے

(۵) قبولیت عامہ حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ چونکہ کئی وجوہ سے اقرب الی الصواب تھی اس لیے اس کو وہ قبولیت حاصل ہوئی جو دیگر حضرات ائمہ کرام کی فقہ کو حاصل نہ ہوئی اور تھوڑے سے عرصہ میں دور دراز علاقوں تک حتیٰ کہ سہ سکنہ ری کے آس پاس کے علاقوں میں پہنچ گئی کہ وہاں کے باشندہ دل کو خلیفہ وقت سے تو تعارف نہ تھا مگر فقہ حنفی کے پابند تھے جیسا کہ نواب صاحب کے حوالہ سے یہ بات بیان ہو چکی ہے اور بیشتر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی پر کاربند ہے جیسا کہ امیر شکیب ارسلان کے حوالہ سے یہ امر عیاں ہو چکا ہے اور مشہور اور قدیم مؤرخ ابن ندیم فرماتے ہیں کہ کتاب الفقہ الاکبر کتاب رسلہ الی البستی کتاب النعالم والمتعلم اور کتاب الرد علی القدریہ حضرت امام ابو حنیفہ کی تالیفات ہیں پھر آگے لکھتے ہیں کہ

والعلم بآراء و جملاً شرقاً وغرباً بعدا وقرباً تدوینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حنفی اور سمندر مشرق اور مغرب بعد اور قرب میں علم
حضرت امام ابو حنیفہ کا ہی مدون اور مرتب کردہ ہے

والفہرست ص ۲۹۹

اور یہ فقہ حنفی کی قبولیت کی واضح دلیل ہے کہ مشرق و مغرب قرب و بعد حنفی و سمندر ہر جگہ یہ فقہ اپنی افادیت کی وجہ سے پہنچی ہوئی ہے اور عالم اسباب میں کوئی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

(۶) چونکہ حضرت امام ابو حنیفہ اور آپ کے تلامذہ و اتباع کی فقہ اور رائے میں نگاہ نہایت ہی گہری تھی اور باریک سے باریک فقہی پہلو بھی ان سے اوجھل نہیں رہتے تھے۔ چنانچہ علامہ سبکی فرماتے ہیں فقہ ابی حنیفہ فقہ دقیق (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۲۴۶) کہ حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ بڑی دقیق فقہ ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی فقہی بصیرت سے ممکنہ پیش آنے والی جزئیات اور مسائل قبل از وقت ہی حل کر کے کتابوں میں درج کر دیے تاکہ آنے والی نسلوں کو ایسی پیش آمدہ جزئیات و مسائل میں کمی کی کوئی

دستوری پیش نہ آئے چونکہ یہ ایک جامع فقہ ہے اس لیے اس کی گرویدگی بھی سب زیادہ ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد المجید صاحب سرمد رومی ام صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں۔

آپ کی فتاہمت یہ چیز پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ام صاحب علیہ الرحمۃ فقہ فی الدین یعنی علم فقہ میں سب سے پیش پیش تھے، استنباط و استخراج مسائل میں جہاں آپ کا مدخل پہنچ جاتا تھا بہت کم کسی کی رسائی و مان تک ہوتی تھی جو بات عین وقت پر آپ کو سوجھ جاتی کسی کو نہ سمجھتی تھی بلطفہ (سیرت ام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ ص ۲۴۳ مسلم پہلی کیشنز لاہور)

مولف سبیل رسول کی گپ حضرت ام ابو حنیفہ کا تابعی ہونا الفقہ الاکبر وغیرہ کتب کا انہی تالیفات ہونا۔ ان کی فقہ کا شورائی ہونا اور خود ان کا فقہ میں مقدم ہونا آپ پر مدح چکے ہیں اب ایک غیر مقلد عالم مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی کی گپ بھی سن لیجئے وہ لکھتے ہیں کہ جب ام صاحب کی دنیا میں کوئی تالیف کوئی تصنیف کوئی کتاب نہیں ہے تو پھر حنفی مذہب کہاں سے آگیا؟ اور اس مذہب کا اعتبار کرنا کیونکر واجب ہو گیا؟ افوس جس امر سے ام صاحب ڈرتے تھے وہی کام لوگوں نے کر دکھا یا کہ ان کے نام سے حنفی مذہب گھڑی یا فقہ کا طواغ بنا کر ان کے ذمہ لگا ہی دیا (سبیل رسول ص ۲۴۳ طبع خاں پریشنگ پریس سیالکوٹ)

دو دیکھیے اس جہالت اور تعصب کی جو اس دور کے غیر مقلد عالم کے قلم سے صادر ہوئی۔
اعترض جب احناف کے نزدیک باقی حضرات ائمہ کرام کی تقلید بھی صحیح۔ جائزہ اور حق ہے تو ان کی تقلید کیوں نہیں کرتے؟ تقلید کے لیے صرف ام ابو حنیفہ ہی کیوں متعین کر دیے گئے ہیں؟
الجواب ہم نے قدسے تفصیل سے حضرت ام ابو حنیفہ کی فقہ اور تقلید کے رجحان کے کچھ دلائل پہلے بیان کر دیے ہیں اور یہ بھی کہ بعض مسائل میں احناف دیگر حضرات ائمہ کرام کے اقوال بھی لیتے ہیں نواب صاحب قاضی شوکانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔

غایۃ ما یلزم من ذلک ان یکون ما اجمعوا علیہ حقا ولا یلزم من کون الشیء حقا وجوب اتباعہ۔
 (الجنة فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنة ص ۱)
 زیادہ سے زیادہ ان دلائل سے یہ لازم آتا ہے کہ اجماع حق ہے (ہم اگر اجماع کے منکر ہیں تو کیا غرابی ہے) چیز کے حق ہونے سے اُس کی اتباع تو واجب نہیں ہو جاتی۔

جیسے غیر مقلدین حضرات کے رئیس الطائفہ اور پیشوا کے نزدیک باوجود اجماع کے حق ہونے کے اس کی اتباع واجب نہیں ہو جاتی اسی طرح دیگر حضرات ائمہ کرام کی تقلید کے حق ہونے سے اس کی اتباع لازم نہیں ہو جاتی یعنی بقول ان حضرات کے حق اور اتباع لازم و ملزوم نہیں ہیں کہ جو حق ہو اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے بس اسی طرح تقلید کو سمجھ لیں اس میں مقلدین کی کیا خطا و قصور ہے؟ میں ان سے عفو جرم کی درخواست کیا کروں معلوم بھی تو ہو کوئی اپنی خطا سمجھے

(۴) حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عبادت و زہد و تقویٰ حضرت امام صاحبؒ کی کثرت عبادت و قرأت

قرآن کریم۔ حج و عمرہ اور زہد و تقویٰ کے واقعات منقول ہیں جس کا انکار کرنا آفتابِ نیمروز کا انکار ہے حضرت امام صاحبؒ نے اپنی زندگی میں پچیس حج کیے ہیں (مفتاح السعادة ص ۸۶ و ذیل الجواب ص ۴۹۵) اور صرف ایک رمضان مبارک میں ایک سو بیس عمرے کیے ہیں گویا روزانہ چار عمرے (ذیل الجواب ص ۴۹۵) اور آپ ساری رات جاگتے اور ایک ہی رکعت میں سارا قرآن کریم ختم کر دیتے تھے اور رات کو خوفِ خدا کی وجہ سے گریہ و زاری کا یہ عالم تھا کہ ان کے پڑوسی ان پر ترس کھاتے تھے (بخاری ص ۲۵۴) مگر صدافسوس ہے کہ حضرت امام صاحبؒ کی یہ کثرتِ عبادت بھی فریقِ ثانی کے شیخِ اکمل کو گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ وہ حضرت مولانا شاہ محمد صاحبؒ کی کتاب (تنویر الحق) کا حوالہ نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قال پھر ایک روز لڑکوں نے امام صاحبؒ کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص ہزار رکعت ہر شب میں پڑھتا ہے اور تمام شب بیدار رہتا ہے اس روز سے آپ ہزار رکعت پڑھتے تھے اور تمام شب جاگتے طحاوی میں نقل ہے کہ جس مقام پر امام نے وفات پائی وہاں ستر ہزار ختم کیے تھے اور تاریخ بغداد میں خطیبؒ نے لکھا ہے کہ تیس پانچ سو تیس برس تک امام نے ایک وضو سے نماز عشاء اور صبح پڑھی۔ اقول یہ سب واهیات ہے اور موجبِ ذم کا ہے نہ یہ کہ مدح کا باعث ہو اور جناب حضرت امامؒ کی تو یہ شان نہیں ہے کہ ایسی تکلیف شاق اور بدعات کو ان کی طرف نسبت کیا جائے اور دلیل بدعت ہونی اس عبادت کی یہ ہے کہ جناب رسالتا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی تیرہ رکعت سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے اور نہ کبھی تمام شب جاگے بلکہ ایک ثلث جاگتے اور دو ثلث سوتے اور اس پر زیادتی کرنے والے کو فرماتے کہ یہ شخص میری سنتِ نصرت

کہ تہہ اور یہ ہم میں سے نہیں اور ایسا ہی ختم کرنا قرآن کا بھی سات دن کے ورے درست نہ کھتے۔
 اور فرماتے کہ تین دن سے کم مدت میں پڑھنے والا قرآن کو سمجھتا ہی نہیں الخ اس کے بعد انہوں نے چند
 احادیث نقل کی ہیں ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ینام نصف اللیل ویقوم
 ثلثہ الحدیث دوسری یہ کہ ینام اول اللیل وثلثی آخرہ الحدیث اور تیسری یہ کہ حضرت
 عائشہ فرماتی ہیں ولما اعلو ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرا القرآن
 کله فی لیلۃ ولا قام لیلۃ کاملۃ حتی الصباح ولا صام شہراً کاملہ غیر
 رمضان الحدیث اور چوتھی یہ کہ فانی انام واصلی واصوم وافطر وانکح النساء الحدیث
 اور پانچویں یہ کہ فصوم وافطروا و قوم و صوم من الشهر ثلاثہ ايام الحدیث
 اور چھٹی یہ کہ آپ نے فرمایا من رغب عن سننک فلیس منی الحدیث اور ساتویں یہ کہ علیکم
 بما تطیعون من الاعمال الحدیث وغیرہ یہ احادیث باحوالہ نقل کرنے کے بعد پھر دن اور رات
 کے اجزاء کا تجزیہ کیا ہے کہ کچھ وقت کھانے پینے سونے طہارت اور وضو وغیرہ کے لیے صرف ہو
 جاتا ہے اور بقیہ وقت میں محلہ ہزار رکعت واجبات سنن اور مستحبات کو ملحوظ رکھ کر کس طرح پڑھی
 جا سکتی ہیں؟ اور اگر سر جھکا کر ہی رکعت پوری کرتے تھے تو یہ کیا تقرب اور ثواب ہوا؟ (محصلہ) اور
 آگے لکھتے ہیں کہ ایسا ہی ستر ہزار ختم جس کے تجزیہ تا تین ختم ہر روز ہوتے ہیں بھی دشوار ہے اس لیے
 کہ امام صاحب کار و بار تجارت بھی کرتے تھے جیسا کہ کلام میں ابن طاہر کے جو کہ مجمع البحار سے نقل
 کیا گیا ہے گزر چکا اور اجتہاد مسائل بھی کرتے تھے اور بعد اجتہاد کے مباحثہ اور مشورہ شاگردوں سے
 کرتے تھے اور تعلیم و تعلم میں بھی شاغل رہتے تھے پس بایں ہمہ ہر روز تین ختم قرآن کے کس طرح کھتے
 ہوں گے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ کوہ امت سے تین ختم ہر روز کرتے تھے اس لیے کہ کوہ امت تو
 ایک امر اتفاقی ہے کہ خارق عادت کے ہوتی ہے نہ مدامی اور عادی حالانکہ یہ شعلہ امام کے بقول خضم
 کے مدامی تھا تو خوب ثابت ہوا کہ ایسی شاذ عبادت شرعاً بدعت ہے اور عادت دشوار ہے الخ
 (معیار الحق ص ۲۲ تا ۲۵)

الجواب: فراقی ثانی کے شیخ النکل نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے قابل التفات نہیں ہے۔
 اولاً ان کا یہ دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی تیرہ رکعت سے زیادہ

نوافل نہیں پڑھے مجموع نہیں ہے بخاری ص ۲۱۱ و ۶۵۶ میں حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارہ رکعات تہجد پڑھے پھر وتر پڑھے اور بخاری ص ۱۵۴ کی روایت میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین وتر پڑھے اور مسلم ص ۲۵۱ کی روایت میں ہے کہ آپ وتروں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے اور سفر السعادت علی ہامش کشف الغمہ ص ۲۵۶، مسند احمد ص ۲۵۱ وغیرہ کی صحیح روایات وتروں کے بعد دو رکعت نفل ثابت کیے جن میں حضرت ام سلمہ حضرت ابوامامہؓ اور جماعتہ من الصحابہؓ کی روایتوں کا تذکرہ موجود ہے اگر وتروں کو شامل کیا جائے تو یہ سترہ رکعتیں بنتی ہیں اور اگر وتروں کو خارج کیا جائے تو چودہ رکعت نوافل بنتے ہیں کچھ بھی ہوشیخ اکل کا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی تیرہ رکعت سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے۔

وثانیاً ان کا یہ دعویٰ کہ اور نہ کبھی تمام شب جاگے اس سے کیا مراد ہے؟ اگر رمضان وغیرہ رمضان کی تعمیم مراد ہے تو غلط ہے۔ کیونکہ بخاری ص ۲۱۱ اور مسلم ص ۲۴۲ وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں آپؐ واجبی لیلہ، والیقظ اہلہ، ساری ساری راست جاگتے اور اہل خانہ کو عبادت کے لیے جگاتے اور اگر ان کی مُراد رمضان مبارک علاوہ کسی اور راست جاگنے کی نفی ہے تو دعویٰ میں اس کی تصریح ہوتی چاہیے مطلق دعویٰ غلط ہے۔

وثالثاً علامہ ذہبیؒ نقل کرتے ہیں کہ بیست سال تک اہم ابو حنیفہؒ کے حضور سے فجر کی نماز پڑھتے (مذہبہم فیما حفظ علیہ) اور اہم خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت اہم ابو حنیفہؒ سے جو فعل محفوظ چلا آ رہا ہے یہ ہے کہ انہوں نے چالیس سال تک فجر کی نماز عشاء کے حضور سے پڑھی ہے (پھر کہے فرمایا کہ) اور یہ واقعہ بھی اُن سے محفوظ چلا آ رہا ہے کہ جس جگہ ان کی وفات ہوئی وہاں انہوں نے سات ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کیا ہے۔

صلی ابو حنیفہؒ فیما حفظ علیہ
صلوۃ الفجر بوضوء صلوة العشاء
اربعمین سنة الخ قوله وحفظ علیہ
انہ ختم القرآن فی الموضع الذی
توفی فیہ سبعۃ آلاف مرة

(بخاری ص ۲۵۴)

اور مفتاح السعادة ص ۲۸۰ اور ذیل الجولہ ص ۴۹۲ میں سبقتاً کثرت کے الفاظ موجود ہیں، اور

مقتل السعاده میں یہ بھی ہے کہ حضرت ام صاحب ہرامہ میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ اور
 رمضان المبارک میں باٹھ مرتبہ ختم کرتے تھے (صفحہ ۱۶۶) ایک جگہ میں سات ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کر لیا
 ان حضرات سے قابل تعجب بات نہیں ہے حضرت ام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ام ابوبکرؓ بن عباسؓ (المتوفی
 ۱۹۳ھ) نے اپنے گھر میں چوبیس ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کیا تھا (شرح کلمہ ص ۶۸) اور علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں
 کہ مکان کے ایک گوشہ میں اٹھارہ ہزار مرتبہ ختم کیا تھا (تذکرہ ص ۲۲۵)

الغرض صحیح بات سات ہزار ہے ستر ہزار نہیں تاکہ جناب میاں صاحبؒ کو طبع حساب کی
 زحمت گوارا نہ کرنی پڑے اور یہی طحاوی کی عبارت تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا ماخذ البدایہ والنہایہ ہے
 چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز
 پڑھی۔

وختم القرآن فی الموضع الذی
 توفی فیہ سبعین الف مرة۔
 اور جس جگہ ان کی وفات ہوئی وہاں انہوں نے ستر ہزار
 مرتبہ قرآن کریم ختم کیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۰۷)

ستر ہزار کا عدد یا تو کتابت کی غلطی ہے اور یا حافظ ابن کثیرؒ کا دھم ہے یہ عدد سات ہزار ہے کماثر
 حضرت ام ابوحنیفہؒ کا یہ فعل تو فریق ثانی کے شیخ اکل کو متبعہ
 معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی جائے مگر
 کیا ان کو مشہور محدث ام یزید بن ہارونؒ (المتوفی ۲۰۶ھ جو حافظ
 القدوة اور شیخ الاسلام تھے) کا عمل بھی دشوار اور بدعت نظر آتا ہے؟ یا آیا ہے کہ انہوں نے چالیس
 سال سے زیادہ عرصہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۹۲ و بغدادی ص ۲۲۷)
 کیا کوئی شخص سنت سے نفرت کر کے اور بدعت کا ارتکاب کر کے مسلمانوں کا پیشوا (قدوة) اور
 شیخ الاسلام بن سکتا ہے؟ ام سلیمان بن طرخانؒ (المتوفی ۱۴۳ھ) صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے
 تھے (طبقات ابن سعد ص ۱۶۱ قسم دوم) اور چالیس سال تک ان کا یہی محمول رہا (دول الاسلام ص ۴۳
 علامہ ذہبیؒ)

دن اور رات یا صرف ایک میں قرآن کریم ختم کرنا
 است مرحوم میں ایسے بے شمار حضرات گذرے

ہیں جو رات بھر میں بلکہ ایک رکعت میں قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے حضرات صحابہ کرام میں حضرت عثمان بن عفان (المتوفی ۵۲۵ شہیداً) و ترمذی ایک رکعت میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے (ترمذی ص ۵۸) قیام الیل ص ۱۱ طبقات ابن سعد ص ۵۲ و ذیل الجواہر ص ۴۹۲) حضرت تمیم دارمی (المتوفی ۴۰۰ھ) رات میں قرآن کریم کریم ختم کر لیتے تھے (طحاوی ص ۲۰ و تہذیب التہذیب ص ۵۱۱ و ذیل الجواہر ص ۴۹۳) حضرت عبداللہ بن الزبیر (المتوفی ۴۰ھ) رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے (طحاوی ص ۲۰۵ و قیام الیل ص ۶۳) حضرات تابعین میں حضرت سعید بن جبیر (المتوفی ۹۴ھ) رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے (ترمذی ص ۱۱۸ طحاوی ص ۲۰۵ و ذیل الجواہر ص ۴۹۲ و تذکرۃ الحفاظ ص ۴۲) حضرات ائمہ دین میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ ہو چکا ہے اور حضرت امام شافعیؒ صرف رمضان مبارک میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۲۹) حضرت امام ویح بن الجراحؒ ایک رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے (تاریخ بغداد ص ۱۳۴) امام الجرح والتعديل یحییٰ بن سعید القطانؒ جو بیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر لیا کرتے تھے (العقادی ص ۱۴۱ و تہذیب الاسماء واللغات نسوی ص ۱۵۴) علامہ سیبویؒ فرماتے ہیں کہ

وكان يجتمع بالنهار في كل يوم ختمه
ويكون ختمه عند الافطار كل ليلة
ويقول عند كل ختمه دعوة مستجابة
وطبقات الشافعية الكبرى ص ۴ و كذا في
الطبعة في ذكر الصحاح الستة ص ۲۱

الغرض الیہ بے شمار حضرات تھے جو دن رات میں یا صرف رات یا صرف دن میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے مزید حوالے درکار ہوں تو شوق حدیث حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں۔
حضرت امام نوویؒ حافظ ابن حجرؒ اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے ختم کے بارے
حضرات سلف کی عادات مختلف تھیں وہ اپنے حالات اقسام اور مشاغل کو ملحوظ رکھ کر قرآن کریم
پڑھتے تھے ان میں بعض حضرات ہر ماہ میں ایک بار اور بعض ہر تین دن میں اور بعض دن
میں اور بعض یا اکثر ان میں سے سات دن میں اور بہت سے تین دن میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے
و کثیر فی کل یوم وليلة وبعضهم اور بہت سے حضرات ہر دن اور رات میں اور

فی کل لیلۃ و بعضہم فی الیوم واللیلۃ
ثلاث مرات و بعضہم ثمان ختات
شرح مسلم ص ۲۶۶ واللفظ لہ فتح الباری ص ۸۴ و

تفسیر القان ص ۲۸ اردیہ

ان میں سے بعض مہرات میں اور بعض ان میں سے
دن اور رات میں تین مرتبہ اور بعض ان میں سے دن رات
میں آٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔

اگر معاذ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا ایک رات میں ختم کرنا خلاف حدیث و بدعت اور سنت سے
نفرت کے مترادف ہے تو اس جرم میں حضرت امم ابو حنیفہؒ ہی تنہا نہیں امت مرحومہ کے اکابر فقہاء کرام
محدثین عظام اور بزرگان دین اس میں ان کے شریک ہیں حتیٰ کہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ بھی ان کے
ہمنوا میں کانتر تھے۔ اس گناہیت کہ در شہر شامیز کنند
مگر تن آسانی کا ٹوکر یہ کہ سکتا ہے۔

چمن میں سنے والوں سے تو میں محراشیں اچھا بہار آ کہہ چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی ۔
اہل الظاہر تو لاصم من صم الابد کی حدیث کے پیش نظر صوم الدھر کی ممانعت کے
قائل ہیں مگر جمہور اہل اسلام ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ چنانچہ امم نوویؒ اس کی شرح
صوم الدھر میں فرماتے ہیں کہ

قال القاضی وعینہ وذهب جماہیر
العلماء الی جوازہ اذا لم یصم
الایام المنہی عنہا وہی العید الن
والتشییق (شرح مسلم ص ۲۶۵)
قاضی (عیاض) وغیرہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کرام صوم الدھر
کے جواز کے قائل ہیں جب کہ ان دنوں کا روزہ نہ رکھا
جائے جن میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور وہ عیدین
اور ایام تشریق کے روزے ہیں۔

اور فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابو طلحہؓ (زید بن سل) حضرت عائشہؓ و غلاتق
من السلف (اور حضرات سلف میں بے شمار مخلوق) صوم الدھر یہ عامل تھے (شرح مسلم ص ۲۶۵)
حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

وذهب آخرون الی استحبات صیام
الدھر لمن قوی علیہ ولم یفوت فیہ حقاً
والی ذلک ذهب الجمہور (فتح الباری ص ۸۴)
دوسرے حضرات اس طرف گئے ہیں کہ صوم الدھر اس شخص کیلئے
جو اس پر قوی ہو اور اس کی وجہ سے کوئی حق فوت نہ ہو اور ضائع نہ
ہو یا ہو تو تحبب اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔

اہم شیخ بن الحاج صائم الدہری تھے (مقدمہ صفحہ ۲۲۲) امام دین بن الجراح صائم الدہری تھے (بخاری ص ۱۳۴) حضرت امام بخاری صائم الدہری تھے (میزان البخاری ص ۱۱۵) اور ایسے اور بے شمار حضرات صائم الدہری تھے بغیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا عبد اللہ صاحب روپڑی صائم الدہری تھے (سناج التعلیقہ ص ۳) یہ تمام احادیث جو فرقہ ثانی کے شیخ اکل نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف بطور ہتھیار کے نقل کی ہیں یہ سب ان حضرات کے سامنے بھی تھیں کہ یہ تمام حضرات مخالف حدیث سنت سے نفرت کرنے والے اور بدعتی تھے؛ اگر معاذ اللہ تعالیٰ یہ تمام حضرات بدعتی تھے تو اس طرح کا ایک بدعتی حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی سمجھ لیجئے اور اگر یہ بدعتی نہ تھے اور یقیناً نہ تھے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی ہرگز بدعتی نہ تھے شرعاً ثابت شدہ عبادات میں کثرت کرنا اور حسب توفیق و نشاط اور ذوق و شوق انہیں اور اگر نابدعت نہیں ہے۔ بغیر مقلدین حضرات کیا چھوٹے کیا بڑے خود مغالطہ کا شکار ہیں حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنؤی کا خالص علمی اور تحقیقی رسالہ الاکثار فی العبادۃ یس بسدۃ قابل دید رسالہ ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ہزار رکعت پڑھنے کو دشوار سمجھ کر بدعت قرار دینے کے لیے تو جناب میاں صاحب تقسیم و تقریق کے حساب پر اتر آئے ہیں کیا وہ حضرت امام زین العابدین علی بن الحسینؑ (المتوفی ۹۴ھ) کے بارے میں بھی حساب کریں گے؟ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ذہبیؒ نقل کرتے ہیں کہ

انه كان يصلي في كل يوم وليلاً ركعتين
 ركعة الى ان مات (تہذیب التہذیب ص ۱۱۰ ذکرہ الفاضل ص ۱۱۰)
 وہ وفات کے وقت تک دن اور رات میں ہزار رکعت پڑھتے تھے۔

امام میمون بن مہرانؑ (المتوفی ۱۱۰ھ) کبھی کبھی ایک ہزار رکعت روزانہ پڑھتے تھے اور ایک مرتبہ انہوں نے سترہ دن میں سترہ ہزار رکعتیں پڑھی تھیں (تہذیب التہذیب ص ۲۹۲)
 حضرت مرثد بن شریح الہمدانیؑ (المتوفی ۵۴ھ) دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے جب بوڑھے ہو گئے تو چار سو رکعت پر اکتفا کر لی (البدایہ والنہایہ ص ۸۶)
 حضرت علی بن عبد اللہ بن عباسؑ (المتوفی ۱۱۰ھ) روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے۔

(تہذیب التہذیب ص ۳۵۸)

حضرت عمیر بن ہانیؑ (المتوفی قریباً ۱۱۰ھ) روزانہ ایک ہزار رکعت اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح پڑھا کرتے تھے (ترمذی ص ۶۶) و تہذیب التہذیب ص ۱۵۱ و فیض الباری ص ۱۹۸)

یہاں بھی ضروریات شرعیہ اور طبیعت کو ملحوظ خاطر رکھ کر نماز کے واجبات ٹنسن اور سببات کو ادا کرتے ہوئے چوبیس گھنٹوں میں ہزار رکعت کی اورائگی کا حساب ہونا چاہیے بہت ممکن ہے کہ یہ حساب ان کے نزدیک صرف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لیے ہو کیونکہ وہ کاروبار تجارت میں مشغول رہتے تھے اور تاجر کے ساتھ حساب کا خاص تعلق ہوتا ہے۔

سدا خوش ہے تو جفا کھننے والے دُعا کر ہے میں دُعا کرنے والے

احادیث نبی کا مطلب | حضرت امام نوویؒ نے منیٰ عن صوم الدھر کی حدیث کا ایک مطلب تو یہ بیان کرتے ہیں کہ جب عیدین اور ایام تشریق کے روزے بھی ساتھ رکھے جائیں تو تب منع ہے اور دوسرا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جس آدمی کو مسلسل روزے رکھنے سے صنعت اور تکلیف ہوتی ہو یا روزہ کی وجہ سے (بیوی وغیرہ) کے کسی شرعی حق پر زرا آتی ہو تب صوم الدھر منوع ہے ورنہ نہیں (شرح مسلم ص ۲۶۵) اور حدیث من رغب عن سنّتی فلیس منیٰ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا مصداق وہ شخص ہے جو فعل کی سنّیت کا اعتقاد ہی نہیں کرتا اس کو ہلکا اور خفیف سمجھ کر اس سے اعراض اور دیگر دانی کر رہا ہے پھر آگے لکھتے ہیں کہ

امان ترك النكاح على الصفة التي
يسحب له تركه كما سبق او ترك
النوم على الفراش لعجزه عنه
او اشتغاله لميادة ما دون فيها او نحو
ذلك فلا يتناول هذه الذم والنهي
(شرح مسلم ص ۲۶۹)

بہر حال جس شخص نے مذکور طریقہ پر نکلج کر کیا جس پر اس کے لیے ترک کرنا مستحب ہے (کہ وہ مصائب نکلج نہیں پاتا یا اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کرنا چاہتا ہے وغیرہ) یا بہتر یہ اس لیے نہیں سوتا کہ اُسے میسر ہی نہیں یا وہ ایسی عبادت میں مشغول رہتا ہے جس کی اجازت ہے یا اس جیسے اور اعذار ہیں تو یہ سنت اور نہی اس کو شامل نہیں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فمن رغب عن سنّتی فلیس منیٰ کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ۔

المراد بالسنة الطريقة لا التي
تقابل الفروض والغلبة عن
الشيء الاعراض عنه الى غيره والمراد
سنة سے مراد طریقہ ہے نہ کہ وہ سنت جو فرض کے مقابل ہے اور رغبت عن الشيء کا مطلب اس سے اعراض کر کے غیر کو لینا ہے اور مراد یہ ہے کہ

من ترك طريقتي واخذ بطريقته
غيري فليس مني ولمح بذلك
الى طريق الرهبانية فانهم
ابتدعوا التشديد كما وصفهم
الله تعالى وقد علمهم بانهم
ماوفوا بما التزموه لا

(فتح الباری ص ۱۱۵)

جس نے میرا طریقہ ترک کیا اور غیر کا طریقہ اپنایا تو وہ میرا
نہیں اور اس میں رہبانیت کے طریقہ کی طرف اشارہ
ہے کیونکہ ان لوگوں نے تقدیر اختراع کی جیسا کہ اللہ
تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور ان کو محبوب قرار دیا
ہے کہ وہ اس چیز پر پورے نہیں اترے جو انہوں نے
گھڑی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ سنت سے اس مقام پر اصطلاحی سنت مراد نہیں جو فرض کے مقابل
ہوتی ہے اور اس کی دوسری طرف بدعت ہوتی ہے جیسا کہ عام لوگ اس مقام پر لفظ سنت سے
مخالط کھاتے ہیں بلکہ فرقی ثانی کے شیخ اکل نے بھی مخالط کھایا ہے جیسا کہ وہ اس سنت کے مقابلہ
میں لفظ بدعت استعمال کر رہے ہیں اس مقام پر سنت سے لغوی معنی مراد ہے یعنی طریقہ اور حافظ ابن حجر
ہی فلیس منی کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ
ان كان الرخصة بضرب من
التأويل يعذر صاحبه
فيه فمعنى فليس مني اى على
طريقتي ولا يلزم ان يخرج عن
الملة وان كان اعراضاً وتنطعا
يفضى الى اعتقاد ارجحية عمله
فمعنى فليس مني ايس على ملة
لان اعتقاد ذلك نوع من الكفر

اگر اعراض کسی تاویل کی وجہ سے ہو تو ایسا کرنے والا
معذور ہے اس صورت میں فلیس منی کا یہ مطلب
ہوگا کہ وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے اور اس سے یہ
لازم نہیں آتا کہ آپ کی ملت ہی سے نکل جائے اور
اگر اعراض اور گریز اس اعتقاد تک پہنچائے کہ وہ
شخص اپنے عمل کو آپ کے طریقہ سے زیادہ ترجیح دیتا
ہے تو فلیس منی کا یہ معنی ہے کہ میری ملت سبب نہیں کیونکہ
ایسا اعتقاد کفر کی ایک نوع ہے۔

گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے طریقہ سے اعراض اور اعراض میں فرق ہے عذر
کی وجہ سے ہے تو باعث طاعت نہیں اور اگر اعراض کو آپ کے محبوب طریقہ سے ترجیح دیتا ہے تو کفر کی
نوع کا مرتکب ہے اور علامہ عینی کا بیان اس سے بھی زیادہ واضح اور معنی خیز ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

فان تركه راغباً عن سنة النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم فهو
مذموم مبتدع ومن تركه من
اجل انه ارفق له، واعون على
العبادة فلا ملامة عليه اه

(عمدة القاری ص ۶۵)

اور اگر اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی سنت سے اعراض کرتے ہوئے اسے ترک کیا تو وہ
مذموم اور بدعتی ہے اور اگر اس نے ترک کیا کہ ترک اس کے
لیے زیادہ موافق ہے اور عبادت میں زیادہ معاون
ہے تو اس پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

غیر مقلدین حضرات کے علماء کرام کو تو یقیناً یہ معلوم ہوگا کہ حافظ ابن تیمیہؒ اور امام نوویؒ نے جن کی تحقیق پر
وہ کلی اعتماد کرتے ہیں مدت العشر شادی نہیں کی تو کیا یہ حضرات فمن رغب عن سنتی ولبس منیٰ کی نزد
میں نہیں آتے؟ آخر جس دلیل سے آپ حضرات ان احادیث کی زد سے ان کو نکالیں گے اُسی دلیل سے
احسن ظنی کرتے ہوئے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی معذور تصور فرمائیں اور ثواب دارین کے سخت ہوں صرف یہی
بات پلے بانڈھ لیں کہ خواہ مخواہ ان احادیث کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف ہی بیان کر کے علوم الناس
کا ان پر اعتماد اٹھانا ہی دین کی اصل خدمت ہے جیسا کہ ان کے دتیرہ سے بالکل عیاں ہے کہ کسی مقام میں
بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کو معاف نہیں کرتے اور ساتھ ہی ان کی امامت اور درج و تقویٰ کے گیت بھی گاتے ہیں
زبان مصلحت انگیزش کا کیونکہ یقیناً آئے اُدھر کچھ اور کہتی ہے اُدھر کچھ اور کہتی ہے

۱۔ علامہ محمد ابو زہرہؒ فرماتے ہیں کہ - قسمی - لسانی اور بدعتی جہاد میں اس قدر انہماک و استغراق رہا کہ (حافظ ابن تیمیہؒ
کو) شادی کی نوبت ہی نہیں آ سکی۔ (حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ص ۱۶۶) تاہم علامہ ابو زہرہؒ زنجیر میں احمد
جعفری ندویؒ کو لکھتے ہیں کہ (طبقات الخلفاء ص ۳۹۵)

۲۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

كان ينبغي رحم الله تعالى سيّدا وحصوداً

(طبقات الشافعية ص ۱۶۶)

امام یحییٰ بن شرف النوویؒ سرور تھے اور شادی
نہیں کی تھی۔

باب ہوازدہم

حضرت امام ابو حنیفہؒ حدیث کو رائے
اور قیاس پر مقدم سمجھتے تھے

بعض کم فہم متعصب اور کج بحث لوگ یہ خیال کرتے اور کہتے
ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ علم حدیث سے بے بہرہ تھے اور ان کا
علم صرف فقہ و رائے تک ہی محدود تھا اور وہ حدیث کو

نظر انداز کر کے قیاس و اجتہاد سے کام لیتے تھے لیکن یہ نظریہ قطعاً باطل اور سراسر بے بنیاد ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ
حدیث کے سامنے تسلیم خم کرنے کے خوگر تھے اور آپ کا شمار ائمہ حدیث اور کبار محدثین میں ہوتا ہے۔

بفضل اللہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب مقام ابی حنیفہؒ میں اس پر باحوالہ سیر حاصل بحث کر دی ہے یہاں صرف
اتنا عرض کرنا ہے کہ جس طرح حضرت امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) اور امام ابوبکر بن العربیؒ محمد بن عبد اللہ المالکیؒ

(المتوفی ۵۴۳ھ) کے نزدیک حسن حدیث حجت نہیں اور ان کی تحقیق کے لحاظ سے احادیث کا دائرہ یقیناً
تنگ ہو جاتا ہے اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حدیث کی صحت کے لیے سخت کڑی شرطیں لگائی

ہیں چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے حدیث کے بائے میں ان کی بعض شرطیں نقل کر کے
لکھا ہے **فہذا مذهب شدید الخ (تدریب الراوی ص ۱۲۱) اور یہ سخت مذہب ہے**

اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جو وسعت احادیث کی ایسی سخت شرطیں نہ لگانے والوں کے ہاں ہے وہ
امام ابو حنیفہؒ کے ہاں باقی نہیں رہتی مگر یہ کہنا کہ آپ فن حدیث میں یتیم تھے یا اس سے چنداں دلچسپی

نہیں رکھتے تھے اور رائے کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے ان پر خالص ہتھان اور زرافتر ہے ہم نے کچھ
تعالے صریح اور ٹھوس حوالوں سے مقام ابی حنیفہؒ میں یہ بحث عرض کر دی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ قرآن مجید

حدیث شریف، اجماع امت اور اقوال حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں قطعاً کوئی رائے اور قیاس نہیں
کرتے تھے ہاں اگر ان آدمیوں کے کوئی تصریح نہ ملتی تو قیاس کرتے اور خوب کرتے حتیٰ کہ بڑے بڑے

اکابر علماء بھی دلیلیں دے بغیر نہ کہتے بلکہ ان کی رائے کو قبول کر کے اس پر مستویٰ دیتے تھے اور حضرت امام
ابو حنیفہؒ صاف طور پر یہ ارشاد فرماتے تھے کہ

ما جاد عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

علیہ وسلم فغلب علی الرأی والعین (نظر الامانی ص ۱۸۲) ثابت ہو تو وہ سر اور آنکھوں پر

بے شمار حوالوں میں سے ہم یہاں صرف دو حوالے عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابو محمد علی بن احمد۔ ابن حزم الظاہری (المتوفی ۴۵۶ھ) نے

ذکر ابن حزم الإجماع علی ان مذهب
ابی حنیفۃ ان ضعیف الحدیث
اولی عندہ من الرأی والقیاس
اذا لم یجد فی الباب غلیظہ
(دلیل الطالب علی ریح المطالب، لنواب صدیق حسن خان)

اہل علم کے لیے یہ حوالہ بالکل کافی ہے کیونکہ قائل اور ناقل دونوں بزرگ خفی نہیں تاکہ جانبداری کا شبہ
ہو سکے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (المتوفی ۱۰۲۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ

بکہ امام ابو حنیفہ جو رئیس اہل السنۃ ہیں نہ صرف یہ کہ خبر واحد کو بلکہ اقوال صحابہ کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے
ہیں اور ان کی مخالفت کو رد و انہیں رکھتے (رد رفص ص ۲۲ مترجم اردو)

غرضیکہ امام صاحب کی طرف یہ نسبت کہ وہ حدیث کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور رائے اور قیاس
ہی سے کام لیتے تھے خالص جہالت اور نہرے تعصب کی پیداوار ہے جس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کے بے شمار تلامذہ تھے جن میں تین شخصیتیں جن
حضرت امام صاحب کے مشہور تلامذہ کی بدولت ان کا علم چار دانگ عالم میں خوب پھیلا اور چمکا بڑی
مشہور ہیں۔

(۱) امام قاضی ابویوسف یعقوب بن ابراہیم (المتوفی ۱۸۲ھ) جو امام صاحب کے بڑے شاگرد تھے
ان کے متعلق حضرت امام ابوالبراہیم اعطیل بن یحییٰ المرزئی الشافعی (المتوفی ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ۔

ابویوسف اتبع القوم للحدیث (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۶۹) امام ابویوسف قوم (یعنی حضرات فقہاء)
میں سے زیادہ حدیث کی اتباع کرتے تھے۔

اور امام یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ

یس فی اصحاب الرأی اکثر حدیثاً
اصحاب الرأی (یعنی فقہاء کرام) میں امام ابویوسف

ولا اثبت من ابی یوسف

سے بڑھ کر کثرت حدیث اور کسی کے پاس نہ تھیں اور نہ
ان سے کوئی حدیث میں اثبت تھا۔

(تذکرہ ص ۲۷۱)

اور نیز فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف صاحب حدیث اور صاحب سنت تھے (ایضاً)
(۲) امام محمد بن الحسن الشیبانی (المتوفی ۱۸۹ھ) تصریح فرماتے ہیں کہ

لو صاحباء من الآثار كان القياس
على ما قال اهل المدينة ولكن
لا قياس مع اشر وليس ينبغي الا ان
الامر احاديث نه يوتن تو قياس دہی کچھ جاہتا ہے جو
اہل المدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے
قیاس کوئی چیز نہیں اور پیروی تو صرف احادیث

بیتفاد للاثار انتهى (کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ ص ۲۷۱) یہی کی مناسبت ہے۔
یہ عبارت صاف اعلان کر رہی ہے کہ حضرت امام محمد حدیث کی موجودگی میں قیاس کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے
(۳) حضرت امام زفر بن الرزیک (المتوفی ۱۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ

لا تأخذ بالرأی مادام اشر واذا جاز الاشر قو کنا الرأی
ذیل الجملہ ص ۵۳۲ وفائدہ البصیۃ ص ۷۷
جب حدیث موجود ہو تو ہم قیاس سے کام نہیں لیتے اور
جب حدیث مل جائے تو ہم رائے اور قیاس کو ترک کر دیتے ہیں

الحاصل حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے جید تلامذہ میں سے کوئی بھی حدیث کی موجودگی میں رائے اور
قیاس کا قائل نہیں۔ مولف بعض الناس فی رفع الوسواس لکھتے ہیں

وانما يعملون بالقياس عند
عدم الحديث الا ص ۲۸
کہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب جب حدیث
نہ ملے تو پھر قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات قیاس اور رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے تھے یا حدیث سے بے وفائی
برستے تھے وہ جہالت ضد اور تعصب کا شکار ہیں اور وہ تاریخی حقائق سے بالکل بے خبر ہیں امام ابو حنیفہؒ
اور آپ کے تلامذہ اور پیروکاروں کی قرآن و حدیث اور اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے وفار اظہر من الشمس
اور انہی حقیقت ہے لایعنی الزمات سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔

گزر جائیں گے اہل درود رہ جائیگی یاد ان کی
فائدہ: بعض اوقات سطحی قسم کا کم فہم آدمی کوئی حدیث دیکھتا ہے اور اپنی دانست کے مطابق وہ
اسے صحیح سمجھتا ہے اور جب کسی امام کا قول اُسے اس حدیث کے خلاف نظر آتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ

امام نے حدیث کی مخالفت کی ہے اور پھر اس کے سینے کے پناہاں جذبات زبان اور قلم کی نوک پر عیاں ہونے لگتے ہیں حالانکہ وہ خود حقیقت آشنا نہیں ہوتا ہم بات کو مبرصن کرنے کے لیے صرف ایک ہی حوالہ عرض کرتے ہیں۔

علامہ محمد بن ابراہیم الوزير الیامانیؒ لکھتے ہیں کہ

لان الشافعی تنك العمل بظاهد
احادیث رآها و علمها لكن فقام
الدليل عنده على طعن فيها
او نسخها او تأويلها او نحو ذلك الخ

بلاشبہ حضرت امام شافعیؒ نے کئی احادیث کو دیکھ کر اور جان کر ان کے ظاہر پر عمل ترک کر دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان احادیث پر طعن یا ان کی نسخ یا ان کی تاویل یا اس کی مانند اور اعدا پر دلائل قائم ہو چکے ہیں۔

(الروض البکم ص ۱۱۱)

جو سطحی قسم کا آدمی ان دلائل سے واقف نہیں ہوگا تو وہ یقیناً حضرت امام شافعیؒ پر تارک حدیث ہونے کا طعن کرے گا جس میں وہ خود خطا کار اور گنہگار ہوگا اور یہ بات صرف امام شافعیؒ کے بارے میں ہی نہیں بلکہ دیگر حضرات ائمہ کے متعلق بھی ہے اور ایسے ہی سطحی قسم کے ظاہر بینوں کو حضرات ائمہ کے مخالف حدیث نظر آتے ہیں۔ علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ مؤطا امام مالکؒ میں ستر سے زائد احادیث ایسی ہیں جن پر خود حضرت امام مالکؒ نے عمل نہیں کیا (مقدمۃ فیض الباری ص ۵۸) تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ حضرت امام مالکؒ تارک حدیث تھے؟ جیسی رائے ان اکابر کے بارے میں مناسب و ایسی ہی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں رکھیے مگر صدافوس کہہ

دوست کرتے ہیں علامت غیر کرتے ہیں گم کیا قیامت ہے مجھی کو سب بڑا کنے کو ہیں

غیر مقلدین حضرات کو پرشبہ کہ حضرات فقہاء احناف قیاس و رائے کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں ان کی بعض عبارات سے ہوا ہے ظاہری طور پر ان کا شبہ بجا نظر آتا ہے لیکن تحقیق کے بعد بالکل کافور ہو جاتا ہے۔ تمام یا اکثر عبارات اور پھر ان پر شبہات نقل کر کے ان کے جواہر عرض کرنا تو اس کتاب کے موضوع سے متعلق ہے اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے بات کو مبرصن کرنے کے لیے صرف تین مثالیں عرض کی جاتی ہیں۔

(۱) نور الانوار اور اصول الشاشی وغیرہ بعض کتابوں میں ہے کہ حدیث المصراۃ (یعنی وہ مادہ جانور جس کا

دودھ تھنوں میں روک کر خریدار کو دھوکہ میں ڈال لیا ہو کہ اس کا دودھ زیادہ ہے حدیث میں آتا ہے کہ جب اُسے اس عیب پر آگاہی ہو جائے تو اُسے اختیار ہے کہ اُسے رکھے یا جانور بائع کو واپس دیدے اور اُس کے ساتھ ایک صلح یعنی ساڑھے تین سیر کھجوریں دیدے خواہ دودھ کی قیمت جو مشتری نے استعمال کیا ہے چارے کی قیمت کے بعد بھی کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو) اہلے ہاں محمول بہ نہیں اس لیے کہ یہ حدیث قیاس کے خلاف ہے اور اس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں جو فقیہ نہ تھے (نور الانوار ص ۱۸۳ و اصول اثنی عشریہ ص ۱۸۳) **الجواب** پچھتھیں اخاف نے اس حدیث کے ترک کرنے کی ان دونوں وجہوں کو رد کیا ہے اور اُس لیے کہ یہ روایت صرف حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی نہیں بلکہ حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ (بخاری ص ۲۸۸) جن کی فقہانیت کے بارے میں امت میں سے کسی کو اختلاف نہیں و نائیا حضرت ابوہریرہؓ اپنے وقت میں قاضی اور جج بھی تھے (بخاری ص ۳۲۳) حالانکہ غیر فقہ کے قاضی بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا و ثانی خود حضرات احناف نے حضرت ابوہریرہؓ کے فقیہ مطلق اور مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے چنانچہ الشیخ عبد العزیز بن احمد البخاری الحنفی (المتوفی ۷۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ

لا فسلم ان اباہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یکن فقیہا بل کان فقیہا ولم یعدم شیئاً من اسباب الاجتہاد وقد کان یفتی فی زمان الصحابۃ و ما کان یفتی فی ذلک الزمان الا فقیہ مجتہد ام کشف الاسرار شرح اصول بردوی ص ۳۰۴ طبع مصر

ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ حضرت ابوہریرہؓ فقیہ نہ تھے بلکہ وہ فقیہ تھے اور اسباب اجتہاد میں سے کوئی چیز ان میں معدوم نہ تھی اور وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں فتویٰ صادر فرماتے تھے اور اُس زمانہ میں صرف فقیہ اور مجتہد ہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔

یہ عبارت بالکل واضح ہے جس کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ امام ابو محمد عبد القادر القرشی الحنفی (المتوفی ۶۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ امام عبد العزیزؒ نے تحقیق میں فرمایا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فقیہ تھے اور اسباب اجتہاد میں سے کوئی چیز ان میں مفقود نہ تھی اور وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور اُس زمانہ میں صرف فقیہ اور مجتہد ہی فتوے دیتے تھے، ان کی بات ختم ہوئی میں (قرشیؒ) کہتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہؓ فقہار صحابہ کرامؓ نہیں تھے علامہ ابن حزمؒ نے فقہار صحابہ کرامؓ میں ان کا تذکرہ کیا ہے

اور ہمارے استاد محترم شیخ الاسلام تقی الدین سبکیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کے فتویٰ کی ایک جہزہ جمع کی ہے وہ جہزہ میں نے خود اُن کے سنی ہے (الجواہر المضمیۃ ص ۱۸۴)

حافظ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام الحنفیؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ

والصائفة الالفت الذین توفی عنہم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
لا یبلغ عدۃ المجتہدین الفقہاء
منہم اکثر من عشرين کالخلفاء
والعبادۃ وزید بن ثابت ومعاذ
بن جبل وانس وابی ہریرۃ و
قلیل والباقون یرجع الیہم
و یتفتون منہم الخ
(فتح القدیر ص ۱۴۱ طبع مصر)

انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت
(تقریباً) ایک لاکھ حضرات صحابہ کرامؓ تھے ان میں مجتہدین
اور فقہاء کی تعداد بیس سے زیادہ نہ تھی مثلاً حضرات
خلفاء راشدینؓ عبادہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت
عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت
عبداللہ بن الزبیرؓ حضرت زید بن ثابتؓ —
— حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت انسؓ حضرت
ابوہریرہؓ اور ان کے علاوہ اور تھوڑے سے حضرات باقی
سب ان کی طرف رجوع کرتے اور ان سے فتویٰ لیتے تھے

اس عبارت میں بھی حضرت ابوہریرہؓ کا مجتہد اور فقیہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ فقیہ اور مفتی تھے۔

(مقدمہ ہدایہ آخرین ص ۱۱۱ والمصنف ص ۱۱۱) اور مولانا عبدالحلیم لکھنوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۳ھ) فرماتے ہیں کہ ابوہریرہؓ
وان کان فقیہاً لا قرا الا قمار حاشیہ نور الانوار ص ۱۸۳) ابوہریرہؓ فقیہ تھے اور حضرت مولانا عثمانیؒ فتح الملکم
ص ۱۱ میں زور دار الفاظ میں تصریح فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ فقیہ تھے۔ غرضیکہ جس طرح دوسرے
حضرات۔ حضرت ابوہریرہؓ کے مجتہد اور فقیہ ہونے کے قائل ہیں اسی طرح محققین احناف بھی قائل ہیں۔
بجز چند حضرات کے جو غلط فہمی کا شکار ہیں لہذا اس حدیث کے ترک کی بنیاد اس امر پر رکھنی کہ یہ قیاس کے
خلاف ہے یا حضرت ابوہریرہؓ فقیہ نہ تھے بالکل غلط ہے۔ المصراۃ کی حدیث پر کشف الاسرار (ص ۳۲)

فتح القدیر ص ۱۴۱) حجة اللہ البالغہ (ص ۱۶۱ و ص ۱۶۲) اور سیرت النخاع از مولانا شبلی نعمانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ)
(ص ۱۱) اور نور التوارق للتحفانیؒ میں قدسے تفصیل سے بحث موجود ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ
صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اہم کمرہؒ اور ان کی پیروی میں علماء کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ راوی کی حدیث

شرط نہیں کیونکہ حدیث قیاس پر مقدم ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فقہ ہست راوی کی شرط ہمارے اصحاب کے منقول نہیں بل المنقول عنہم ان خبر الواحد مقدم علی القیاس۔
 (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۶۱ طبع مصر) بلکہ ان کے یہ منقول ہے کہ خبر واحد بہر حال قیاس پر مقدم ہے۔
 اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ

یہ جواب در کہ یہ حدیث محض قیاس کے خلاف ہے
 یا حضرت ابو ہریرہؓ (غیر فقیہ ہیں) باطل ہے اس کی طرف
 التفات ہی مناسب نہیں اور مخالفین کے نزدیک
 قدیم زمانہ سے یہ جواب سبب طعن بنا ہوا ہے اور
 اسی لیے مشہور ہو گیا ہے کہ احناف رائے کو حدیث
 پر مقدم رکھتے ہیں حالانکہ ان کا دامن اس سے بالکل
 پاک ہے کہ وہ ایسی بات کہیں یہ مسئلہ نہ تو حضرت
 امام ابو حنیفہؒ کے منقول ہے اور نہ ان کے اصحاب
 و تلامذہ سے ہاں اس مسئلہ کی نسبت امام عیسیٰ بن ابانؒ
 کی طرف کی گئی ہے جو حضرت امام شافعیؒ کے معاصر تھے
 اور میرے نزدیک اس نسبت میں بھی تردد ہے۔
 حضرت امام ابو حنیفہؒ بجلالہ کب کہہ سکتے ہیں جب کہ
 امام مزنی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ امام محمدؒ اور
 امام ابو یوسفؒ سے حدیث کی زیادہ اتباع کرتے
 تھے (پھر آگے فرمایا) خلاصہ یہ ہے کہ یہ جواب
 کتابوں میں ذکر کرنے کے قابل ہی نہیں اگرچہ
 بعض نے اس کا ذکر کیا ہے اور کون یہ کہنے کی
 جرات کر سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فقیہ نہ
 تھے اور اگر ہم اس کو تسلیم بھی کر لیں تو سب صحابہ کرامؓ

وهذا الجواب باطل لا يلتفت اليه
 ولم يزل مطعناً للعصوم منذ قدیم
 زمن ولمثل هذا اشتهد ان
 الحنفية يقتضون الروای علی
 الحديث وحاشاهم ان يقولوا
 بمثله فان هذه المسئلة
 لم تصح نقله عن ابی حنیفة
 ولا عن احد من اصحابه نعم
 نسبت الی عیسی بن ابان المعاصی
 للشافعی وهی ایضاً محل ترد عندی
 کیف وقد قال المذنب ان
 ابی حنیفة اتبع للاثر من محمد
 والی یوسف الی ان قال وبالجملة
 هذا الجواب اولی ان لا یذكر فی
 الكتب وان ذکره بعضهم ومن
 یجتري علی ابی هريرة فیقول انه
 غیر فقیه؟ ولو سلمنا فقد
 یدویه افعههم اعنی ابن مسعود
 ایضاً فیعود المخذور واجاب عنه الطحاوی

بالمعارضۃ بحديث الخراج بالضم
والجواب عندی ان الحديث محمول
على الديانة دون القضاء لما في فتح
القديس في باب الاقالة ان الضرر
اما قولی او فعلى فان كان الضرر
قوليا فلا قالة واجبة بحكم القاضي
وان كان الثاني تجب عليه الاقالة
ديانته ولا يدخل في القضاء الخ
(فيض الباري ص ۲۳۳ و نحوه فی الویث التذنی ص ۲۳۶)

سے زیادہ فقیر حضرت ابن مسعود بھی اس روایت کو
نقل کرتے ہیں پھر وہی خرابی لوٹ آئے گی امام محمدیؒ
نے المصراۃ کی حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ الخراج باضمان
یعنی جتنا کسی کا قصبان ہوتا اس کو نفع بھی آئے گا۔
الغنی بالغرم کی حدیث کے معارض ہے اور میرے نزدیک
یہ حدیث دیانت پر محمول ہے نہ قضاء پر اس لیے کہ
فتح القدیر باب الاقالة میں ہے کہ دھوکہ یا قولی ہو گا یا
فعلی اگر قولی ہو تو اقامہ قاضی کے حکم سے واجب ہے اور فعلی ہو تو
اقامہ دیانۃ واجب ہے اور یہ داخل تحت القضاء نہیں۔

(حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی قیاس کا غیر فقیر راوی کی روایت پر مقدم ہونے کا مذہب امام عینیؒ
بن ابانؒ کا بتایا ہے (حجۃ اللہ ص ۱۶۱) اس تفصیلی عبارت میں دونوں باتوں کی ذکر رائے حدیث پر مقدم ہے اور
یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ فقیر تھے تو دید کھل کر سامنے آگئی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ
یہ عذر اور قاعدہ خود تراشیدہ ہے (محصلہ حجۃ اللہ ص ۱۶۱) جن حضرات فقہاء احنافؒ نے (جن میں میر فرست
الہم یوسفؒ ہیں ملاحظہ ہو کشف الاستار ص ۳۶۶) حدیث المصراۃ کو محمول پر قرار دیا ہے انہوں نے اس کو یا تو
دیانت اور حسن اخلاق پر محمول کیا ہے (دکھائے آغا) اور یا صلح اور مشورہ پر محمول کیا ہے (ابو ار النور ص ۱۶۱)
اور مصالحت و مشاورت اور دیانت شرعاً مرغوب ہے ان میں براہمی اور مساوات کے قیاسی اصول سے
بالائے ہو کر معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور جن حضرات نے اس حدیث پر عمل کرنے سے مذرت کی ہے تو اس لیے
نہیں کہ یہ صرف قیاس اور رائے کے خلاف ہے بلکہ اس لیے کہ یہ حدیث اُن کی تحقیق سے بظاہر نص
قرآنی اور دیگر احادیث اور اجماعی مسئلہ سے متعارض ہے اس طرز استدلال میں علمی طور پر ان سے بحث کرنے
کا ہر عالم کو حق حاصل ہے لیکن یہ کہنا کہ اس حدیث کو انہوں نے محض اس لیے ترک کیا ہے کہ یہ قیاس اور
رائے کے خلاف ہے درست نہیں ہے۔ ترک کرنے والے حضرات کے اعذار یہ ہیں۔

(۱) یہ حدیث فَأَعْتَدُوا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا أَعْتَدَیْ عَلَیْكُمْ کے قرآنی ضابطہ سے
متعارض ہے (فتح القدیر ص ۱۶۱) یعنی نفٹ شدہ چیز کا تاوان بالمثل ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ

مثل صوری ہو یا مثل معنوی یعنی قیمت اور صاع من تمر نہ مثل لبن ہے اور نہ قیمت لبن ہے۔

(۲) یہ حدیث الخراج بالضمآن کی حدیث کے خلاف ہے (یہ حدیث البراد وود ص ۱۳۹، طحاوی ص ۱۶۹ اور سنن الکبریٰ ص ۲۲۱ میں ہے۔) وفي رواية الغلة بالضمآن سنن الکبریٰ ص ۲۲۲ یعنی جو شخص کسی چیز کے نقصان کو برداشت کرتا ہے تو چیز کا نفع بھی اسی کا ہو گا چونکہ مشتری دودھ دینے والے جانور کا خرچہ اٹھاتا ہے اس لیے اس کے دودھ کا حقدار بھی وہی ہے جو عادیہ چارہ کی قیمت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے بدلہ میں اُسے بائع کو کچھ بھی نہیں دینا پڑتا جب کہ حدیث المصرة میں صاع من التمر دینا پڑتا ہے مثلاً اگر کسی شخص نے غلام خرید کر کام پر لگایا اور پھر وہ غلام میں کسی عیب پر مطلع ہوا اور عیب کی وجہ سے غلام کو واپس کر دیا تو اس غلام کی ان دلوں کی کھالی کو واپس نہیں کرے گا کیونکہ وہ غلام اس کے ضمان میں تھا اگر ہلاک ہو جاتا تو نقصان اسی کو برداشت کرنا پڑتا لہذا نفع بھی اسی کا ہو گا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ الغنم بالغنم ایک بنیادی اصول ہے جو شخص کسی چیز کا آواں برداشت کرتا ہے تو اسی کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے اس قاعدہ کلیہ کی اصلیت اور اس کا ماخذ انھیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے الخراج بالضمآن اھ (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۶۹ طبع مصر و مترجم اردو از مولانا عبد الرحیم صاحب ص ۶۷۶)

(۳) طعام کی طعام کے ساتھ نیت بیع جائز نہیں دودھ اور تمر کا طعام ہونا تو واضح ہے اور نیت بھی ظاہر ہے کہ دودھ دھوئے کا زمانہ کیا ہے؟ اور صاع من تمر ادا کرنے کا وقت کیسا ہے؟ اور حدیث المصرة اس کے خلاف ہے۔

(۴) جزاوت (تخمینہ والی چیز) کو مکمل موزوں کے مقابل میں بیچنا جائز نہیں ہے اور یہاں دودھ جزاوت ہے اور وہ مجہول ہے اور صاع من تمر معلوم ہے اور حدیث المصرة اس طے شدہ قاعدہ کے خلاف ہے۔ (۵) اہم طحاویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث المصرة پہلے کی ہے اور حرمت ربا کا حکم اس کے بعد کا ہے۔ اور چونکہ ربا کی حرمت نص قطعی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لہذا اس کا حکم مشورہ ہے۔

(شرح معانی الآثار ص ۱۶۸)

(۶) اہم طحاویؒ ہی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہی عن بیع الکائی بالکالی یعنی الدین بالدین کے خلاف ہے (طحاوی ص ۱۶۹) یعنی نہ تو ابھی تک مشتری نے پورا دودھ وصول کیا اور نہ بائع نے تمر کا صاع وصول

کیا تو یہ دین بالذین ہے جس سے نہی آئی ہے یہ روایت حضرت رافع بن خدیج سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔
 (نصب الرأیہ ص ۳۴ عن الطبرانی) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے ان کی روایت
 دارقطنی ص ۳۱۹ سنن الکبریٰ ص ۲۹، طحاوی ص ۱۶۹، مستقیٰ الاخبار مع النیل ص ۱۵۶، الجامع الصغیر للسیوطی
 ص ۱۹۲ والسرارج المنیر ص ۲۴ اور مستدرک ص ۵۴ میں مروی ہے امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ
 روایت صحیح علی شرط مسلم اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں صحیح۔ نصب الرأیہ ص ۳۴ تعلیق المغنی ص ۳۱۹ اور
 نیل الاوطار ص ۱۶۶ میں حضرت امام احمدؒ امام دارقطنیؒ اور امام ابن عدیؒ سے اس روایت کے ایک لڑی
 پر کلام بھی منقول ہے لیکن یہ صرف ایک فتی بات ہے استدلال کے لیے مقرر نہیں کیونکہ امام احمدؒ ہی
 فرماتے ہیں کہ

وَلَكِنْ أَجْمَاعُ النَّاسِ عَلَى أَنَّهُ لَا
 يَجُوزُ بَيْعُ دِينَ مَبْدِينَ (نیل الاوطار ص ۱۶۶)
 (اگرچہ حدیث میں ضعف ہے) لیکن سب لوگوں کا
 اتفاق ہے کہ بیع الدین بالذین جائز نہیں ہے۔

یعنی یہ حدیث مؤید بالاجماع ہے جس طرح حدیث لا وصیۃ لوارث ضعیف ہے لیکن
 امت کے تعامل سے وہ قابل احتجاج ہے اسی طرح اس کو بھی سمجھیے کہ اصل مسئلہ میں کسی کو اختلاف
 نہیں ہے۔

قارئین کرام! ہمارا یہ مقصد نہیں کہ ہم آپ کو حدیث المصراۃ کے ترک کی یہ توضیحات کلاً یا
 بعضاً سنوانا چاہتے ہیں، آپ کو علمی طور پر ان سے اختلاف کا کلی حق حاصل ہے۔ مقصد صرف اس قدر
 ہے کہ جن جن حضرات اخلاف نے حدیث المصراۃ کو ترک کیا ہے تو اس لیے نہیں ترک کیا کہ یہ رائے
 اور قیاس کے خلاف ہے بلکہ اس لیے ترک کیا ہے کہ بقول ان کے یہ نص قرآنی، اور احادیث اور اجماع
 سے متعارض ہے اس لیے ان کے ہاں یہ معمول بہ نہیں ہے تو ان حضرات پر یہ الزام کہ وہ رائے
 اور قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں جیسا کہ یہ حدیث انہوں نے دائے اور قیاس کے خلاف ہونے
 کی وجہ سے ترک کی ہے قطعاً باطل ہے ہاں جن بعض حضرات نے یہ غلطی کی ہے تو خود محققین علماء احناف
 نے ان کی واضح الفاظ میں تردید کر کے کسی کے لیے شکوکہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

۷۔ انداز بیاں اگرچہ بہت شوخ نہیں ہے شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

اہم ابو حنیفہ کا قول النکاح بالمحرمت کے سلسلہ میں قرآن وحدیث کی خلاف ورزی

اگر کوئی شخص اپنی ماں بہن بیٹی وغیرہ کسی محرم سے نکاح کرے اور اس سے ہمبستری بھی کرے تو اہم ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہاں عقوبت اور تعزیر ہے (ہابیہ وغیرہ) اور

ان کا یہ نظریہ قرآن وحدیث اور اصول دین اور عقل کے سراسر خلاف ہے اور یہ زنا کے جواز کے مترادف ہے۔
المجواب: اعتراض کرنے والے حضرات نے حضرت اہم ابو حنیفہ کے مسلک کو نہیں سمجھا اور نہ ہی مسئلہ کی

حقیقت پر غور کیا ہے ورنہ اس اعتراض کی نسبت ہی نہ آتی ہم اختصاراً عرض کرتے ہیں کہ یہاں دواصر ہیں۔

اسراوّل یہ کہ اگر کسی شخص نے اپنی کسی محرم عورت کے نکاح کیا تو اہم صاحب کے نزدیک ایسے شخص کے لیے عقوبت بیضہ (انتہائی سزا) اور تعزیر ہے جو قتل ہی کی صورت میں جادی کی جائے گی۔ دوم اگر کسی شخص نے اپنی کسی محرم عورت سے زنا کیا تو اس پر حد ہوگی محض اور شادی شدہ پر رجم ہے اور غیر محض اور غیر شادی شدہ پر سو کوڑے ہیں۔ چنانچہ اہم ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی الحنفی (المتوفی ۳۲۱ھ) یہ باب قائم کرتے

ہیں باب من تزوج امّہ او ذات محرم منہ قد خلد بہا (یعنی یہ باب اس مسئلہ کے بیان کے لیے ہے کہ جس شخص نے اپنی ماں یا کسی اور محرم عورت کے نکاح کیا پھر ہمبستری کی) پھر ایسی کارروائی کرنے والے کے قتل کرنے کے سلسلہ میں اپنی سند سے چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

علاء ابو عمر یوسف بن عبد البر المالکی (المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ اہم طحاویؒ سب لوگوں سے زیادہ قوم کی سیرت اور خبروں کو جانتے تھے اور وہ کوئی المذہب تھے۔

وكان عالماً بجميع مذاهب الفقهاء رحمہم اللہ تعالیٰ (راجع: بیان العلم ص ۳۰ طبع مصر) اور وہ تمام فقہاء کرام کے مذاہب کو جانتے تھے اور علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) محدث ابن یونس کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ ثبت فقہ اور تھمذ تھے لہذا بخلاف مثلاً (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۱۲) انہوں نے اپنے بعد اپنی کوئی نظیر نہیں چھوڑی اور حافظ ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) اشعار بدین کے مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ۔

وتبعين الرجوع الى ما قال الطحاوي فانہ اعلم من غيره باقوال اصحابه (فتح الباری ص ۲۹۲ طبع مصر) جو کچھ اہم طحاویؒ نے فرمایا کسی کی طرف رجوع کرنا ہی صحیح ہے کیونکہ وہ اپنے اصحاب و احفاد کے اقوال کو دیگر کسی زیادہ مہتر سے جانچتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت اہم ابو حنیفہؒ وغیرہ علما و احفاد کے اقوال کو جس طرح اہم طحاویؒ جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ

فذهب قوم الى ان من تزوج ذات
محرم منه وهو عالم بحرمتها
عليه قد دخل بها ان حكمه حكم
الزانی وان له يقيم عليه حد الزنا
الرجم او الجلد واحتجوا في ذلك
بهذه الآثار وممن قال بهذا
القول ابو يوسف ومحمد رحمهما
الله تعالى وخالفهم في ذلك آخرون
فقالوا لا يجب في هذا حد الزنا
ولكن يجب فيه التذير
والعقوبة البليغة وممن قال
بذلك ابو حنيفة وسفيان
الثوري رحمهما الله تعالى۔

(شرح معانی الآثار ص ۳۲)

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ جس شخص نے اپنی کسی محرم
عورت سے نکاح کیا اور وہ اُس کی حرمت کو جاننا بھی تھا
پھر اس سے بہتری کی تو اس کا حکم زانی کا ہے اس پر
زنا کی حد قائم کی جائے گی (شادی شدہ ہے تو) رجم اور
(غیر شادی شدہ ہے تو) کوڑے اور ان حضرات نے
اس سلسلہ میں ان (مذکورہ) احادیث سے استدلال کیا
ہے اور جو حضرات اس کے قائل ہیں ان میں امام
ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی ہیں اور دوسرے حضرات نے
اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے چنانچہ وہ فرماتے
ہیں کہ اس صورت میں زنا کی حد واجب نہیں ہے
بلکہ اس میں تعزیر اور انتہائی سزا واجب ہے اور
جو حضرات اس کے قائل ہیں ان میں امام ابو حنیفہؒ
اور امام سفیانؒ ثوریؒ بھی ہیں۔

اس عبارت میں امام طحاویؒ نے حضرات فقہاء کرام کے دو فریقوں کا ذکر کیا ہے ایک فریق اس
صورت میں حد زنا رجم اور کوڑوں کا قائل ہے جب کہ دوسرے فریق جن میں امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیانؒ ثوریؒ
بھی ہیں انتہائی سزا اور تعزیر کا قائل ہے اور یہ حضرات اپنے استدلال میں وہ حدیث پیش کرتے
ہیں جو حضرت براءؓ بن عازبؓ (المتوفی ۴۲ھ) سے یوں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
سلم نے ان کے ماموں حضرت البرہہؓ بن نیار کو اور مصنف عبد الرزاق صلی اللہ علیہ وسلم میں چچا کا ذکر ہے ممکن
ہے کہ وہ نسبی ماموں اور رضاعی چچا ہوں یا بالعکس اور ہشیمؓ کی روایت میں ہے کہ الحارث بن عمر کو
ابن ماجہ ص ۱۹۰) بھنڈا دیکھ

ایک شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی وفات
ان کی رجل تزوج امرأة ابیه من

کے بعد اسی پر سے نکاح کر لیا تھا کہ اس کی گردن اڑا دیں یا یہ فرمایا کہ اس کو قتل کر دیں۔

بعده ان اضرب عنقه اوقتلہ -
 (ابوداؤد ص ۲۵۶ و ترمذی ص ۱۶۲ و نسائی ص ۲۲ و ابن ماجہ ص ۱۹۹ و موارد الطحاوی ص ۳۶۲ و مستقی الاخبار مع النيل ص ۱۲۲،
 و قال رواہ الخمسة والطحاوی ص ۳۶۲ و کتاب الکبائر للذہبی ص ۲۷۱ و مصنف عبدالرزاق ص ۲۷۱)

قاضی شاکانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی بہت سی اسانید ہیں (اسانید کثیرہ) ان میں سے بعض سندوں کے راوی صحیح سندوں کے راوی ہیں (ریل الاوطار ص ۱۲۲) اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔

من وقع علی ذات محرم فاقتلوه
 (ابن ماجہ ص ۱۸۶ و ترمذی ص ۲۵۶ قال الحاکم «صحیح اللان» و مجمع الزوائد ص ۲۶۹ و کتاب الکبائر ص ۵۲)

کہ جس شخص نے اپنی کسی محرم عورت کے بغلی کی تو اس کو قتل کر دو۔

اہم طحاویؒ حضرت براءؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وفي الحديث ايضاً انه بعثه الى رجل تزوج امرأة ابسه وليس فيه انه دخل بها فاذا كانت هذه العقوبة وهي القتل مقصوداً بها الى المتزوج للتزوج دل ذلك انها عقوبة وجبت بنفس العقد لا بالدخول ولا يكون ذلك الا والعقد مستحل لذلك امر

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قاصد کو ایک شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا تھا اور اس حدیث میں ہمتری کا ذکر نہیں سو جب یہ منہر جو قتل کی تھی اس شخص سے مقصود تھی جس نے اپنی ماں سے صرف نکاح ہی کیا تھا تو اس میں یہ دلالت ہے کہ یہ منہر نفس عقد نکاح پر ہوئی۔ نہ کہ ہم بھرتی کی وجہ سے اور یہ اسی صورت میں ہوگا جب کہ نکاح کرنے والا اس کو حلال سمجھے۔

(۲۶ ص ۳ و ص ۴)

یعنی اپنی محرم عورت سے ہم بھرتی تو کیا نفس عقد نکاح ہی موجب قتل ہے اس کے بعد اہم طحاویؒ اپنی سند سے مجرم کی گردن اڑانے اور اس کے مال سے خمس نکالنے کی دو حدیثیں نقل کرتے ہیں پھر قتل

اور تخمیس کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ
 قلما امر رسول صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم فی ہذین الحدیثین
 باخذ مال المتزوج وتخمسہ ول
 ذلک ان المتزوج کان
 بتزوجہ مرتۃً محاربا
 فوجب ان یقتل لودتہ وکان
 مالہ کمال الحربیین لا

(رج ۲ ص ۴۷)

جب ان دو حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم نے اپنی تحریرات سے نکاح کرنے والے کا مال لینے
 اور اس سے خمس نکالنے کا ارشاد فرمایا تو یہ اس بات کی
 دلیل ہے کہ وہ شخص محض نکاح کرنے ہی سے مرتد
 اور لڑائی کے قابل ہو گیا تو واجب ہے کہ اس کے مرتد
 ہونے کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا
 کمال حرمیوں کے مال کی طرح ہے۔

اس ساری بحث کو ملحوظ رکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کسی محرم عورت کے
 ساتھ نکاح کرنے کے سلسلہ میں حضرت اہم ابو حنیفہؒ کا مسلک دیگر تمام حضرات ائمہ کرامؒ کے مسلک
 سے زیادہ سخت ہے۔ اولاً اس لیے کہ امام صاحبؒ اس شخص کو مرتد قرار دیتے ہیں جب کہ دوسرے
 حضرات ائمہ کرامؒ اسے مشکمان سمجھ کر اس پر حد زنا جاری کرتے ہیں وثانیاً اس لیے کہ حضرت امام صاحبؒ
 ایسے شخص پر محض (شادی شدہ) ہو یا غیر محض (غیر شادی شدہ) ہو بہر حال قتل کی سزا جاری کرتے ہیں۔
 جب کہ دوسرے حضرات محض ہونے کی صورت میں رجم اور غیر محض ہونے کی صورت میں سونگوڑوں
 کا حکم دیتے ہیں اور شرعی کوڑوں سے عادتاً بہت کم موت واقع ہوتی ہے بخلاف آجکل کے رائج وقت
 فوجی کوڑوں کے کہ یہ چند کوڑے بھی جان لیوا ثابت ہو سکے ہیں وثالثاً اس لیے کہ حضرت امام صاحبؒ
 کسی محرم عورت کے ساتھ نکاح کے بعد بہتری اور دخول کی شرط اور قید بھی نہیں لگاتے محض نکاح
 ہی سے اس بد بخت کے لیے قتل کی مصیبت لے آتے ہیں جب کہ دوسرے حضرات کے ہاں زنا
 کے لیے دخول اور بہتری شرط ہے وہ بغیر بہتری اور دخول کے حد زنا جاری نہیں کرتے۔

قاریین کرام! خود ہی اب انصاف سے یہ فیصلہ کریں کہ یہ سب کچھ کہ چکنے کے بعد بھی امام صاحبؒ
 مطعون ہیں آخر کیوں؟

جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظریہ

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں میںی

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

واما من زنى باخته مع علمه بتحريره
ذلك وجب قتله والحجة في ذلك
ما رواه البراء بن عازب قال مررت
على ابو بردة رضى الله تعالى عنهما (۲۲۶)

بہر حال جس نے اپنی بہن سے حرام جانتے ہوئے زنا کیا
تو اس کا قتل کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث
ہے جو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ
میرے پاس سے میرے امول حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہما سے

اس کے بعد انہوں نے وہی وجہ پیش کی ہے جو پہلے باحوالہ عرض کی جا چکی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔
کہ حافظ ابن تیمیہ بھی ایسے شخص پر بجائے حد زنا جاری کرنے کے قتل کا حکم سرزد کرتے ہیں۔

اور مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانیؒ حضرت براءؓ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
ولكنه لا بد من حمل الحديث
على ان ذلك الرجل الذي امر
صلى الله تعالى عليه وآله وسلم
بقتله عالم بتحريره وفعله
مستحلاً وذلك من موجبات
الكفر والمردة يقتل للائتيه

لیکن ضروری ہے کہ اس حدیث کو اس پر عمل کیا جائے
کہ جس شخص کے قتل کا حکم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم نے دیا تھا وہ اس فعل کی حرمت کو جاننا تھا
اور اُسے حلال سمجھ کر کیا اور یہ کفر کے موجبات میں سے
ہے اور مرتد کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ دلیلیں آگے آ
رہی ہیں۔

(نیل الاوطار ص ۱۲۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی تحقیق سے بھی وہ شخص اس کا روائی کو حلال سمجھنے کی وجہ سے مرتد تھا اور مرتد کی سزا
قتل ہے حافظ ابن الہمامؒ نے بھی جہاں اس شخص کے قتل کی وجہ تعزیر اور سیاست لکھی ہے۔ وہاں اس کے قتل کی وجہ
انذار بھی لکھی ہے رفتح التقدير ص ۱۴۸ یعنی اگر حلال سمجھ کر یہ کاروائی کرتا ہے تو مرتد اور واجب القتل ہے۔
اور اگر حرام سمجھ کر کرتا ہے تو سزا تو بہر حال قتل ہی ہے مگر یہ قتل سیاست و تعزیر ہے۔ اور غیر مقلد عالم بلکہ ان
کے مجتہد مولانا وحید الزمان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

ويحد حد الزنا من نكح بجمعه ووطئ
مع العلم بالتحريم او يقتل تعزيراً
قتل کر دیا جائے گا۔

(نزل اللابرار ص ۲۹۸)

اب سوال یہ ہے کہ یہ کاروائی جب ان کے نزدیک زنا ہے تو زنا کی سزا، رجم یا کوڑے تو قرآن وحدیث میں مخصوص ہے پھر قتل تعزیر کی سزا کہاں سے؟ اور کیوں اس پر آگئی؟ معلوم ہوا کہ حضرت امام صاحب کا فتویٰ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں قابلِ اقتدا ہے اور قتل تعزیر کے حکم میں ان کی دیگر حضرات سے بھی ہمنوائی ثابت ہو گئی۔ ع۔ یہ بھی لگا کے خونی شہیدوں میں مل گیا۔

اسٹروم امام طحاویؒ منظرانہ انداز میں فریق ثانی سے خطاب کرتے ہوئے اثناء کلام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ رجل زانی بذات محرم منہ فان قلت ذلک کان جوابا لث ان نقول علیہ الحد ام (صفحہ ۴۴) یہ ہو گا کہ اس پر حد ہے۔

اس سے صراحت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص نے اپنی ماں بس بیٹی وغیرہ کسی محرم سے زنا کیا تو اس پر باقاعدہ حد ہے شادی شدہ اور محسن ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا غیر شادی شدہ اور غیر محسن ہے تو اس کی حد نص قرآنی سے سو کوڑے ہیں۔ اور یہ ساری بحث کرنے کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ فہذا الذی ذکرنا فی هذا الباب هو النظر وهو قول ابی حنیفہ فقہی دلیل سے ثابت ہے اور یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام سفیان ثوریؒ کا قول ہے۔

(شرح معانی الآثار ص ۴۵)

اس سے بالکل یہ بات عیاں ہو گئی کہ اگر کسی شخص نے اپنی کسی محرم عورت سے نکاح کیا تو وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرتد اور واجب القتل ہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ بہتری کرے یا نہ کرے اور اگر یہ کاروائی نکاح کے عنوان سے نہیں ہوئی بلکہ زنا کی صورت میں ہوئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محرم سے زنا کرنے والے پر حد ہوگی اور یہ بات اعلم الناس بمذاہب الفقہاء اور اعلم الناس باقوال اصحاب امام طحاویؒ فرماتے ہیں لہذا امام ابوحنیفہؒ کا اس کے علاوہ کوئی اور مذہب تصور کرنا قطعاً غلط ہے جن حضرات فقہاء کرام نے محرم کے ساتھ نکاح کی صورت میں لاحد علیہ کہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ رجم اور جلد کی حد نہیں جو زانی کے لیے ہوتی ہے نہ یہ کہ اس پر قتل کی صورت میں تعزیر اور عقوبت طبعیہ بھی نہیں کیونکہ وہ تو بہر حال واجب ہے۔ الغرض حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ سب سے زیادہ سخت ہے۔ ع۔ کس کی مجال ہے یہاں ہم سے نظر ملا سکے۔

حدیث البیعان بالخیار لم یتفرقا کے مقابلہ میں امام صاحب کی تقلید

بعض غیر مقلدین حضرات کہتے ہیں

کہ مولانا محمود الحسن دیوبندی

حدیث البیعان بالخیار لم یتفرقا کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ

ورجح مولانا ولی اللہ المحدث الدہلوی
قدس سرہ فی بعض رسائلہ حدیث
الشافعی من جہتہ الاحادیث والنصوص
وکذا قال شیخنا مظلہ
بترجیح مذہبہ وقال الحق
والانصاف ان الترجیح للشافعی
فی ہذہ المسئلہ ونحن مقلدون
یحجب علینا تقلید اصامنا
الی حنیفۃ واللہ تعالیٰ اعلم

(تقریر الترمذی ص ۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ حنفی حدیث کے مقابلہ میں تقلید پر پھر ہیں اور کہنے والے بھی کوئی معمولی شخص
نہیں بلکہ شیخ السنہ اور استاد الکمل اور اپنے وقت میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس ہیں۔
الجواب: ترمذی کی تقریر کے مرتب حضرت مولانا نظام الدین صاحب کیرانویؒ ہیں اور اس عبارت میں
وکذا قال شیخنا مظلہ بترجیح مذہبہ وقال الحق والانصاف ان الترجیح للشافعی
فی ہذہ المسئلہ تک حضرت شیخ السنہ کے قول کا تذکرہ ہے آگے ونحن مقلدون
سے ممکن ہے کہ مرتب کا اپنا بیان ہو قطع نظر اس سے اگر یہ مقولہ حضرت شیخ السنہؒ کا بھی ہو تب بھی کوئی
اشکال و مضائقہ نہیں حضرت شیخ السنہؒ اپنی علمی کتاب ایضاح الادلۃ میں مشورہ غیر مقلد عالم مولانا سید محمد
احسن صاحب امر وہوی کی کتاب مصباح الادلۃ لرفع الادلۃ الاذلۃ کی ذیل کی عبارت پر مناظرانہ انداز میں
مناقشہ کرتے ہیں۔

قوله مقدمہ غامسہ اجل کے بعض معصوب جو بعض احادیث میں تاویل سے باعث اور دعویٰ

نسخ اور ضعف کا بے دلیل بلکہ بھڑپا بندی قول اہم کی سہ کر کے حدیث کو ترک کرتے ہیں وہ ویسے نہیں جیسے کہ ائمہ اس لیے کہ ائمہ سے دعوئے نسخ و ضعف اور تاویل کا خالص تحقیق دین اللہ اور جمیع الدلالت تھا اور آجکل کے لوگوں کو تاویل کرنا مراعات بقول اہم مقابل رسول کی ہے انتہی بلفظ
(بحوالہ ایضاح الادلۃ ص ۱۲۶ و ص ۱۲۷)

(یہ ساری عبارت اسردہوی صاحب نے اپنے شیخ الکل کی کتاب معیار الحق ص ۱۱۷ سے لی ہے) اس کے جواب میں حضرت شیخ الہند تحریر فرماتے ہیں کہ کیا عجب بات ہے کہ مقلد کے دعویٰ نسخ و ضعف وغیرہ کو خود ہی تو بے دلیل فرماتے ہیں اور آپ ہی یہ ارشاد کرتے ہیں کہ بلکہ بھڑپا بندی قول اہم ہے کوئی رئیس المجتہدین سے پوچھے کہ مقلد محض کیلئے اس سے زیادہ اور کیا دلیل قوی ہوگی کہ خود اس کے اہم کا قول اُس کے مؤید ہے باقی رہا قول اہم اُس کو خود آپ فرماتے ہیں کہ وہ خالص تحقیق دین اللہ و جمیع الدلالت ہے سو جو مقلد کسی اہم کی تقلید بوجہ اعتقاد قہم و دیانت کرے گا وہ بھی بوجہ اتباع اہم ہو کہے گا خالص تحقیق دین اللہ ہو گا لا (ایضاح الادلۃ ص ۱۲۷)

حدیث البیعان بالخیار کو نہ تو حضرت اہم ابو حنیفہؒ نے منسوخ کیا ہے اور نہ ضعیف قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کو اپنا یا ہے ہاں اس کی تشریح میں ضرور اختلاف کیا ہے کہ حضرت اہم ابو حنیفہؒ ما لہو متفسر قاسم سے تصدیق عن المجلس یا تفرق بالاقوال مراد لیتے ہیں اور حضرت اہم شافعیؒ تفرق بالابدان مراد لیتے ہیں کیونکہ ظاہری الفاظ اور راوی حدیث حضرت ابن عمرؓ کا تعامل اسی پر تھا اور جو معنی حدیث کے حضرت اہم ابو حنیفہؒ نے تحقیق دین اللہ کے بیان کیے ہیں وہی ان کے مقلد لیتے ہیں جب اہم صاحبؒ یہ معنی لینے میں دیندار ہیں تو ان کے مقلد کیوں بے دین ہوں گے۔ کیونکہ جاہل کے لیے عالم کی تقلید غیر مقلدین کے نزدیک بھی واجب ہے کما مفضلہ تو یہاں حدیث کے مقابلہ میں اہم صاحبؒ کے قول کی تقلید نہیں جیسا کہ بعض غیر مقلدین نے سمجھا ہے بلکہ حدیث کو مانتے ہوئے اس کے معنی اور تفسیر میں اہم صاحبؒ کی تقلید ہے جس طرح لفظ قزویر میں قزو کا معنی اہم صاحبؒ حیض اور اہم شافعیؒ طہر لیتے ہیں اور حیض کا معنی لینے سے نہ تو قرآن کریم کا انکار اور مقابلہ لازم آتا ہے اور نہ ترک اسی طرح حدیث مذکور کے بارے سمجھئے۔
مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

اقول ما اراد ابو حنیفہ معارضۃ میں کہنا ہوں کہ حضرت اہم ابو حنیفہؒ نے حدیث کا

الحديث بقياسه والعياذ بالله بل
مراده ان شرح الحديث مشددا
قال ابو يوسف وعنه (اللعن الشذی) ۳۹۳
اور اس سے قبل فرماتے ہیں کہ

واما شرح ابی یوسف فهو ان التفرق
هو تفرق الابدان كما قال الشافعی
واحمد والغرض من الحديث ان
المجلس جامع المتفرقات فيضم القبول
بالايجاب ويكون المراد ان المشتري
له ان يقبل اولاً يقبل وللبيع
قبل القبول ان يرجع عن
ايجابه فالتحتمار هو ما ذكره
الطحاوی (ای فی ۱۶۵) وشرح محمد
کما فی موطأ ۳۳۸ مالم يتفرقا
عن منطلق البيع الخ (اللعن الشذی) ۳۹۱
وراجع فیض الباری ۲/۲۱۱

معارض قیاس سے نہیں کیا العیاذ باللہ تعالیٰ بلکہ ان کی مراد
یہ ہے کہ اس حدیث کی تفسیر اسی طرح ہے جس طرح
ام ابو یوسف وغیرہ نے کی ہے۔

ام یوسف کی تفسیر یہ ہے کہ تفرق سے تفرق بالابدان
ہی مراد ہے جیسا کہ حضرت ام شافعی اور حضرت ام احمد
فرماتے ہیں اور غرض اس حدیث سے یہ ہے کہ مجلس
جامع المتفرقات ہے سو قبول کو ایک جگہ رکھ دیا جائے
گا اور مقصد یہ ہے کہ مجلس میں مشتری کو قبول یا نہ قبول کرنے
کا حق ہے اور بائع کو بھی مشتری کے قبول کرنے سے پہلے
رکجا بیع رجوع کرنے کا حق ہے اور اس اختیار سے
وہی اختیار مراد ہے جو ام طحاوی نے بیان کیا ہے اور
ام محمد نے اس کی شرح موطا میں مالم
یتفرقا عن منطلق البيع سے کی
ہے۔

یعنی حضرت ام محمد تفرق سے تفرق بالاقوال لیتے ہیں اور حضرت ام ابو یوسف تفرق بالابدان لیتے
ہیں لیکن ان کی تفسیر تفرق بالابدان کی حضرت ام شافعی اور حضرت ام احمد کی تفسیر سے الگ ہے یہ دونوں
بزرگ یہ فرماتے ہیں کہ ایجاب و قبول کے بعد بھی جب تک بائع و مشتری مجلس میں موجود ہوں تو انہیں بیع
کے رد اور فسخ کرنے کا حق ہے ہاں مجلس سے متفرق ہو جائیں اور بکھر جائیں تو رد کا حق ختم ہو جاتا ہے
اور حضرت ام ابو یوسف وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب تک خرید و فروخت کرنے والے مجلس میں موجود ہوں
تو انہیں ایجاب و قبول کا اور ایجاب و قبول سے قبل قیمت کی کمی بیشی کا حق ہے کیونکہ مجلس جامع
المتفرقات ہے لیکن ایجاب اگر مجلس میں ہوا اور قبول نہ ہوا اور تفرق بالابدان ہو گیا تو بعد کا قبول اس ایجاب

لاحق نہ ہوگا بلکہ نئے سرے سے ایجاب و قبول کی ضرورت ہوگی اور تفرق بالا قول کا معنی بھی تصریح سے ثابت ہے جیسے **وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** الیہ اور **وَإِنْ يَنْفَرِ مِنْكُمْ فَرَقٌ فَلَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ لَهُمْ وَلَا ذَلَّةَ فِي سَعَاتِهِ** الیہ میں تفرق بالا قول ہی مراد ہے کما لا یخفی۔ غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہاں بھی حدیث کو رد کر کے رائے کو ترجیح نہیں دی اور نہ احناف نے ان کی رائے کی تقلید کی ہے بلکہ حدیث کو تسلیم کر کے اس میں لفظ تفرق کی فقہی تفسیر اور تشریح کی ہے اور یہ مجتہد کا کام ہے۔ اور احتیاط رائے سے حدیث کے رد کرنے کا الزام غلط۔

فرقی ثانی کا کہنا ہے کہ مقلدین رائے اور قیاس کے حضرات صحابہ کرامؓ سے رائے اور قیاس کی تردید قابل ہیں اور یہی چیز ان کی تقلید کا موجب ہے حالانکہ

حضرات صحابہ کرامؓ سے رائے اور قیاس کی سختی سے تردید کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اہل اللہ نے اعداء السنن یعنی رائے و قیاس پر چلنے والے احادیث کے دشمن ہیں (جامع بیان العلم ص ۱۳۴)

(۲) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایماکم والاستنان بالرجال (جامع بیان العلم ص ۱۳۴)

یعنی لوگوں کی آراء اور قیاسات سے بچو اور ذور بجاگو۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دینی مسائل میں قیاس و رائے لیں گے اور وہ لوگ اسلام کو ڈھانے والے اور اس میں رخنہ پیدا کرنے والے ہوں گے (جامع بیان العلم ص ۱۳۵)

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے ہوتے ہوئے کسی بڑے سے بڑے آدمی حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رائے کو مانتے ہیں تو ان کو ڈرنا چاہیے کہ آسمان سے ان پر پھرنے برسیں اور وہ کہیں عذاب میں ہلاک نہ ہو جائیں (مسند دارمی ص ۱۶)

اور اسی قسم کے دیگر اقوال مسند دارمی، جامع بیان العلم و فضلہ اور الاعتصام للشاطبی وغیرہ کتابوں میں شرح و بسط سے مذکور ہیں۔

الجواب: ان اقوال سے ایسی آراء و قیاسات کا بطلان ثابت ہے جو نص کے مقابلہ میں ہوں جن سے نصوص کا رد اور بدعات کی ترویج و اشاعت لازم آتی ہو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کے اپنے الفاظ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

ان عمر بن الخطاب قال اصبح اهل الوأی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اصحاب الراء احادیث کے

اعداء السنن اعیتہم الاحادیث ان
 یعومها وقفلت منهم ان یرووها
 فاشتقوا الرائی الی قولہ ان عمر بن
 الخطاب قال اقتوا الرائی فی دینکم
 قال سحنون یعنی البدع (جامع بیان العلم ۱۲/۱۲۴)

اور نیز

ان عمر بن الخطاب کان یقول ان
 اصحاب الرائی اعداء السنن اعیتہم
 ان یحفظوها وقفلت منهم ان
 یعومها واستحبوا حین سئلوا
 ان یقولوا لا نعلم فعارضوا السنن
 سئل یہم فایاکم وایاہم
 (ایضاً ص ۱۳۵)

دشمن نہیں احادیث کے یاد کرنے نے ان کو تھکا دیا اور
 احادیث کا روایت کرنا ان سے چھوڑ گیا تو انہوں نے
 رائے گھڑ لی (پھر آگے ہے کہ) بے شک حضرت عمرؓ نے
 فرمایا کہ دین کے سلسلہ میں رائے سے بچو امام سحنونؒ فرماتے
 ہیں یعنی بدعت کی آراء سے بچو

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اصحاب الرائی احادیث
 کے دشمن ہیں احادیث کے یاد کرنے نے انہیں تھکا دیا
 اور ان کی حفاظت ان سے چھوڑ گئی اور جب ان سے
 مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے یہ کہنے سے شرم محسوس
 کی کہ ہم نہیں جانتے تو انہوں نے احادیث کا اپنی
 رائے سے مقابلہ کیا سو تم ان سے بچو اور ان کو اپنے
 قریب نہ آنے دو۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ ایسی آراء کی تردید کر رہے ہیں جو احادیث کے مقابلہ
 میں ہوں اور احادیث سے بے پرواہی کر کے اختیار کی گئی ہوں اور جن سے بدعت کی تردید ہو رہی ہو
 اور ایسی آراء اور قیاسات کے باطل ہونے میں کیا شک ہے؟ ورنہ حضرت عمرؓ وہی بزرگ ہیں جنہوں
 مصلحت وقت کے پیش نظر قرآن کریم کی تالیف پر حضرت ابو بکرؓ کو اپنی رائے پر مجبور کیا تھا۔ اور
 رفتار زمانہ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر خلافت کے سلسلہ میں قوم کی قسمت کا فیصلہ اپنی رائے سے یوں کیا کہ
 خلافت کا بوجھ چھ بزرگوں پر ڈال دیا کہ وہ اپنے میں سے جس کو خلیفہ نامزد کریں وہی خلیفہ ہوگا۔ حالانکہ آنحضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ کا عمل اس سے جدا گانہ تھا الحاصل حضرت عمرؓ نص
 کی غیر موجودگی میں رائے پر عمل بھی کرتے تھے اور ایسے موقع پر رائے پر عمل کرنے کا حکم بھی دیتے تھے چنانچہ
 دارمی میں سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے قاضی شریحؒ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون
 یہ ہے کہ جب تیرے پاس کوئی مسئلہ پیش ہو تو سب سے پہلے رائے قرآن کریم سے حل کرو اور قرآن کریم کے

ہوتے ہوئے لوگوں کی آراء کی کوئی پرواہ نہ کرنا اور اس کا حل قرآن کریم میں نہ ملے تو پھر حدیث شریف سے حل کرنا اور اگر حدیث شریف میں بھی نہ ملے تو جس چیز پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہو اس کو لینا اور اگر اس میں نہ ملے تو پھر دو باتوں میں سے جو بھی تمہیں پسند آئے کرنا ایک ہے کہ تم خاموش رہنا اور خاموشی میں بھی کوئی حرج نہیں یہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور دوسری یہ کہ

ان شئت ان تجتهد بحدیثکم
اگر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرنا چاہو تو اس میں تم جتنی
تقدم فقط دم (مندی ہی طبع ہندو کے لفظ اللہ والہا نہیں ہے) بھی مسابقت کر سکتے ہو کہ وہ

غور فرمائیں کہ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے اس روایت میں اولہ اربعہ کا ذکر بھی فرمادیا جن کو علماء اصول کتاب سنت، اجتماع اور قیاس سے تعبیر کرتے ہیں ایسی واضح تصریحات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ کیلئے رائے اور قیاس کے منکر تھے قطعاً بے بنیاد اور غلط ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کا یہ حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی رائے کو رشد سے تعبیر کرتے ہیں یعنی حضرت عمرؓ کی رائے درست اور صحیح ہے۔

اور یہ حوالہ بھی گزر چکا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عمل اور رائے کو سنت فرمایا ہے اور حضرت علیؓ یہ حدیث بھی روایت کرتے ہیں کہ

قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم عن العزم؟ فقال
مشاورة اهل الراي ثم اتباعهم
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ عزم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اصحاب الراي سے مشورہ کرنا پھر ان کی (بات کی) پیروی کرنا۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۰)

اگر شرعی طور پر بغیر مخصوص مسائل میں رائے کا کوئی دخل اور اعتبار نہ ہو تو اہل الراي سے مشورہ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کو قاضی اور جج منتخب کیا جائے تو اس کو پہلے قرآن کریم پر پھر حدیث شریف پر پھر نیک لوگوں کے فیصلہ (یعنی اجماع) پر اپنے فیصلہ اور حکم کی بنیاد رکھنی چاہیے اور اگر اس کو قرآن و حدیث اور نیک لوگوں کے فیصلہ سے کچھ نہ مل سکے تو فلیجتہد رأیہ۔ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اگر وہ صاحب اجتہاد نہیں تو شرم نہ کرے اپنے عجز کا اقرار کرے (مسند کبیر ص ۹۵) قال الحاکم والذہبی صحیح الاسناد وندروی حدیث ۲۲۰ والنسائی ص ۲۲۰

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب اُن سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ قرآن کریم میں اس کا حل تلاش کرتے اگر کامیاب نہ ہوتے تو حدیث شریف میں جستجو کرتے اور اگر حدیث میں بھی جواب نہ ملتا تو پھر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال دیکھتے اگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوتی تو قال فیہ میرا یہ دست برد رکھیے ۱۲۷۔ قال الحاکم والذہبی و صحیح علی شریطا منہ دارمی ص ۲۳ پھر اپنی رائے سے جواب دیتے حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے خلیفہ منتخب ہونے سے قبل حضرات شیخینؓ کے اقوال تلاش کرتے اور جب حضرت علیؓ خلیفہ بن گئے تو ان کے فتوے اور اقوال بہ نسبت پہلے بزرگوں کے زیادہ جامع اور قدسے مدون تھے تو اس موقع پر حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے اقوال سے بہرہ بھی تجاوز نہ کرتے تھے۔ کما تر

قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیا کہ وہی حضرات اکابر صحابہ کرامؓ جن سے فریق ثانی رائے اور قیاس کے بطلان پر استدلال کرتا ہے۔ وہی اکابر رائے صحیح کے قائل اور اس پر عامل تھے۔ اور اسی کے مقلدین بھی قائل ہیں۔

ماں سریم ناز کا پایہ بلند ہے لے جائے گا اچھال کر در در گرجے
حضرات! آپ نے تقلید کے اثبات کے دلائل تو ملاحظہ کر لیے۔ اب فریق ثانی کا ایک اور دائرہ بھی ملاحظہ کر لیجئے وہ چند اکابر کا نام پیش کر کے کہا کرتا ہے کہ دیکھو یہ یہ حضرات غیر مقلد تھے۔ جیسا کہ ہم نے بعض کے نام باحوالہ پہلے عرض کر دیے ہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام لوگ بھی غیر مقلد ہی ہوں گے بلکہ ان میں سے بعض تو یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ واقعی تمام لوگ غیر مقلد تھے اور عوام تو کیا بعض خواص بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چوتھی صدی سے قبل تقلید تو بالکل وجود ہی نہ تھا لیکن ہم وضاحت کے ساتھ باحوالہ اس ممبر پریم کی قلعی کھول آئے ہیں۔ اور ثابت کر آئے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعین عظامؓ میں بھی تقلید شخصی رائج تھی اور چوتھی صدی سے قبل تقلید کا وجود و ثبوت بھی فریق ثانی کو آڑے وقت کام آنے والے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے بھی صاف طور پر بیان کر چکے ہیں۔ کما تر اور دیگر عبارتیں بھی پہلے مفصل بیان ہو چکی ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔
فریق ثانی یا تو بعض علماء مقلدین کو جہالت یا خیانت سے غیر مقلد سمجھ کر پیش کر دیا کرتا ہے اور یا واقعی بعض غیر مقلدین کا ذکر کر کے دھوکہ دیا کرتا ہے لیکن معذورے چند علماء کے غیر مقلد

ہونے سے ساری دنیا کیسے غیر مقلد ہو گئی؟ یا ہو سکتی ہے؟ یہ واضح علمی آثیاں بھی کسی کو نظر نہ آئے تو اس میں مقلدین کا کیا قصور ہے؟ -

نہ لپوچھو بھڑکے گا گزری ہے میری شوقِ حشر سے
مولاؑ نتائجِ تقلید لکھتے ہیں کہ

خود فریبی

سوائے چند گنتی کے حضرات کے جو کہ حضراتِ اہم ابو حنیفہؒ کے بعض اساتذہ و شاگرد ہیں۔ جنہیں اس عہد کے علماء اسلام اہل الرائے کے نام سے یاد کرتے تھے۔ باقی پوری اسلامی دنیا اہل حدیث چلی آتی ہے (بلفظ صحت)

یعنی بقول ان کے ساری دنیا غیر مقلد تھی۔ اور ہے۔ نہ تو کوئی حنفی دہائی ہو نہ شافعی و حنبلی وغیرہ۔ لیکن ہم باحوالہ بعض مقلدین کے نام بطور نمونہ عرض کر چکے ہیں۔ اور اب یہ عرض کرتے ہیں کہ پہلی صدی سے لے کر آج تک غیر مقلدین کا وجود اتنا بھی نہیں رہا جتنا آٹے میں نمک۔

اور اگر بالفرض وہ کتب تاریخ و رجال چھان چھان کر بھی پچاس یا نہایت سترہ مشہور اور جدید علماء کا ہوالہ غیر مقلد ہونا ثابت بھی کر دیں۔ تب بھی یہ نسبت جمہور کے مقابلہ میں کوئی درجہ نہیں رکھتی۔

اصل مغالطہ ان کو لفظ اہل حدیث سے ہے کہ وہ جس کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ فلاں اہل حدیث تھا تو اس سے جھٹ اسے وہ غیر مقلد سمجھنے لگتے ہیں۔ ہم نے طائفہ منصورہ میں اس کی باحوالہ بحث کر دی ہے کہ علماء اسلام کی اصطلاح میں اہل حدیث محدثین کے معنی میں ہے عام اس سے کہ وہ حنفی دہائی

ہوں یا شافعی و حنبلی وغیرہ۔ فرق ثانی یہ اعتراض بھی کیا کرتا ہے کہ بعض حنفی بادشاہوں اور قاضیوں نے مذہب حنفی کو رائج کیا ہے۔ مگر یہ بھی ان کی کوتاہی ہے۔ کیا تمام روئے زمین پر اخاف کے بادشاہ اور قضاۃ ہی مقرر تھے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اخاف کی اکثریت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اور حدیث صحیح کے ماتحت

اتبعوا سواد الاعظم (مشکوٰۃ ص ۲) بڑی (اسلامی) جماعت کا ساتھ دو۔ انہی اقتدا ہی کرنا ہوگی۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو فرمائیے کہ اب جہاں اخاف کی تو کیا بلکہ مسلمانوں کے کسی فرقہ کی بھی

بادشاہی اور اقتدار نہیں (مثلاً روس اور چین وغیرہ) وہاں کیوں حنفی مقلدین بکثرت اور زیادہ ہیں؟

حضرات! بات یہ نہ تھی اور نہ ہے۔ بلکہ مشہور مثال کے مطابق
عطر آہستہ کہ خود ہوید نہ کہ عطار بگوید

بفضلہ تعالیٰ ہم نے فقہ حنفی کی قبولیت کی وجہ اس پریش نظر کتاب میں بھی اور "مقام ابی حنیفہ" میں
 میں بھی عرض کر دی ہے کہ چونکہ مقلدین کے دلائل اٹل بھٹوس۔ صحیح اور دوزنی ہیں۔ اس لیے دنیا میں ان
 کی کثرت ہے۔

اور فقہ حنفی ہی سے اکثر پریش آمدہ مسائل میں ان کی رہنمائی ہوتی ہے اس لیے وہ اس کے گردیدہ اور
 شیدائی ہیں اور اکثریت اسی پر مجتمع ہے اور جو قوت اجماعیت میں ہے وہ انفرادیت میں نہیں ہے۔
 فرد قائم ربط ملت سے تھا کچھ نہیں معج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

باب سیزدہم

فریق ثانی کے قرآنی دلائل اور ان کے جوابات

قارئین کرام! تصویر کا ایک سُخ تو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب تصویر کا دوسرا سُخ بھی دیکھتے جائیے مہم آسانی کے لیے فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ اُصولی باتوں کو چند ابواب میں پیش کرنا زیادہ مناسب اور بہتر سمجھتے ہیں۔

فریق ثانی نے جہاں بزمِ خویش تقلید اور خصوصاً تقلیدِ مخفی کے رد میں اور بہت سے دلائل پیش کیے اور استدلال کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہاں اُس نے قرآنِ کریم سے بھی احتجاج کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مائے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل تقلید کی تردید میں چار دلیلیں پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

پہلی دلیل قول اللہ تعالیٰ کا مَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا جو مجھے تم کو رسول سے لے لو۔ اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔ اور قول اللہ تعالیٰ اسْتَبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ۔ چلو اسی پر جو انزال تم کو تمہارے رب سے۔ جو استدلال کی پیچھے بیان ہوگی۔ پہلے چند مقدمات کی تمہید چاہیئے الخ۔ بلفظ (معیار الحق ص ۱۵)

اس کے بعد انہوں نے چھ مقدمات بیان کیے ہیں۔ اور چھٹے مقدمہ کے اثبات کے لیے علامہ شامیؒ علامہ طحاویؒ اور حضرت ملا علیؒ نہ القاریؒ کی عبارتیں پیش کی ہیں اور پھر ان مقدمات کے سوائے تقلید شخصی کی تردید کی تقریر کرتے ہوئے استدلال کیا ہے۔

انجواب: اس طرز استدلال اور ان آیات سے اہل اسلام میں مجہود تقلید شخصی کی تردید ضیاع وقت

کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

اولاً، اس لیے کہ اگر ان آیات سے تقلید کی تردید واضح ہوتی تو استدلال کو چھ مقدمات کی سیرٹھی لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ وثانیاً، اس لیے کہ لاعلمی کے وقت علماء اور اہل الذکر سے سوال خود قرآن و حدیث سے ثابت ہے بلکہ بنقل شیخ الکمل واجب ہے تو پھر بطلانِ ما اُتیکم الرسول الایۃ اور اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ الْاٰیۃ کے کیوں خلاف ہو گا۔ وثالثاً، اس لیے کہ خود شیخ الکمل صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

اور جو مقلد تخصیص مذہب معین کی بطور قسم ثانی کے اختیار کرے وہ حقیقتہً تارک بعض مآثی بہ الرسول کا نہیں ہے بلکہ عامل بمقتضائے عموم نص کے ہے اس لیے کہ تخصیص اس کی یا بنظر عدم استطاعت کے ہوگی کہ نص سے عموماً اتباع مآثی بہ الرسول کا ثابت ہوتا ہے پھر اگر حنفی مذہب کے مسئلہ کے ضمن میں اخذ مآثی بہ الرسول کر لیا تو بھی کافی ہے تو اسی نظر سے ترک بعض کا نہ ہوا الخ (معیار الحق ص ۱۵۵)

اور نیز لکھتے ہیں کہ

جیسا کہ مقلد تقلید قسم ثالث باوجود علم ایک مسئلہ کے بموجب مذہب دوسرے اہم کے اس نظر سے کہ ہم کو سوائے اتباع اپنے اہم کے کسی کی پیروی درست نہیں۔ اس مسئلہ کو عمل میں نہیں لانا تو بے شک ترک کیا اس نے بعض مآثی بہ الرسول کو۔ بخلاف مقلد تخصص تقلید قسم ثانی کے کہ تخصیص اس کی بنظر کفایت یا عدم استطاعت و عملاً بعموم النص ہے تو ثابت ہوا کہ ایسے مقلدین تارک بعض مآثی بہ الرسول کے نہیں اور ان پر تقلید ہر مذہب سے ہر مسئلہ کی واجب نہیں فاقہم انتہی بلقطہ (معیار الحق ص ۱۵۶)

خط کشیدہ الفاظ کو بغور ملاحظہ کیجئے کہ غیر مقلدین کے شیخ الکمل نے کیا فرمایا ہے؟ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس پر ہمارا صادر ہے اور لاعلمی کے وقت مقلدین کا ایک ہی اہم کی تقلید میں یہی عمل اور یہی وتیرہ ہے اور شیخ الکمل نے بجا فرمایا کہ ایسے مقلدین پر تقلید ہر مذہب سے ہر مسئلہ کی واجب نہیں کیونکہ جب ایک ہی اہم کی تقلید کفایت کرتی ہے اور تقلید کا کھاتا بھی پورا ہو جاتا ہے اور عموم نص پر عمل بھی ہو جاتا ہے تو پھر سب کی تقلید کیوں واجب ہو؟

دوسری آیت: فریق ثانی نے تقلید شخصی کے شرک و کفر ہونے پر اس آیت کریمہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكُمْ
فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا
مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(پ ۵۔ النصار)

دہم نے یہ ترجمہ غیر مقلد عالم مولانا ابوالاحمد محمد لوئس دہلوی سے بلفظ نقل کیا ہے۔ اب انہی کی زبان اور
الفاظ میں اس کی مزید تفسیر تشریح اور استدلال بھی ملاحظہ فرمائیے۔ سمجھتے ہیں کہ
اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے ہوتے ہوئے دوسرے
کسی بڑے سے بڑے متقی پرہیزگار۔ اہم یا عالم کی بات کی طرف جھکن حدیث نبوی پر کسی
قول کو مقدم کرنا ایمان سے خارج ہونا ہے۔ یہ آیت دراصل اس منافق کے بارے میں
نازل ہوئی تھی جس کا ایک یہودی سے کچھ جھگڑا تھا۔ یہ دونوں اپنا جھگڑا حضور علیہ السلام کی
خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ دربار نبوی سے فیصلہ یہودی کے حق میں ہوا۔ مگر
منافق نے اس فیصلہ پر اکتفا نہ کیا۔ اور حضرت عمرؓ سے فیصلہ چاہا۔ حضرت عمرؓ نے یہ
معلوم کر کے کہ یہ شخص دربار محمدی سے فیصلہ لینے اور حدیث نبوی سن لینے کے بعد میرے
پاس آیا ہے۔ اس کو قتل کر ڈالا۔ اور فرمایا

هَكَذَا أَقْضَىٰ بَيْنَ لِسُو يَرْضُ

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی
نہ ہو میں تو اسی طرح کا فیصلہ اس کے بارے میں
کرتا ہوں۔

بقضاء اللہ ورسولہ۔

(تفسیر درمنثور ص ۱۶۹ وغیرہ)

یعنی جو شخص رسول خدا کے فیصلہ سے راضی نہ ہو آپ کی حدیث کے ہوتے ہوئے امتیوں
کے اقوال تلاش کرے اس کا فیصلہ بس قتل کر دینا ہے۔ اس وقت اللہ عزوجل نے حضرت عمرؓ
کی تائید کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی کہ بیشک ایسا شخص مسلمان ہی نہیں۔

مسلمان نہ غور کرو۔ فرمان نبوی فیصلہ محمدی۔ حدیث مصطفوی کے ہوتے ہوئے جو شخص
حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر بزرگ خلیفہ رسول کے قول کو تلاش کرے وہ بے ایمان

اور واجب القتل ہو۔ پھر جو شخص حدیث نبوی کی موجودگی میں اہم ابو حنیفہؒ، اہم شافعیؒ، اہم مالکؒ، اہم احمدؒ کے اقوال کو نہ صرف تلاش کرے بلکہ ان کی تقلید فرض واجب سمجھے کیا وہ مسلمان رہ

سکتا ہے؟ انتہی (طریق محمدی ص ۲۱ طبع مکتبہ محمدیہ کراچی)

الجواب ہا اس آیت کریمہ سے اس منوعوم خیال پر اس سے بہتر الفاظ میں استدلال نہیں ہو سکتا۔ مگر قارئین مندرجہ ذیل امور پر عمیق نظر اور ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔

(۱) اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم۔ حدیث صحیح۔ اٹل اور غیر محلل بخلت فیصلہ پر راضی نہ ہونے والا بلکہ بغیر کی طرف جھکنے والا خواہ وہ آپ کا خلیفہ ہی کیوں نہ ہو۔ کافر۔ مرتد۔ منافق اور واجب القتل ہے۔ اب یہ چیز فریق ثانی کے ذمہ ہے کہ وہ یہ ثابت کئے کہ مقلدین ائمہ کہ ائمہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محکم اٹل اور صحیح فیصلہ پر راضی نہیں ہوا کرتے؟ بلکہ وہ ایسے صحیح اٹل اور محکم فیصلہ کے ہوتے ہوئے کسی اہم کی تقلید کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔

(۲) اس آیت سے قرہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہونے والا شخص کافر اور واجب القتل ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ کہ جو شخص خدا اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہیں ہونا اس کا فیصلہ میں تلوار ہی سے کیا کرتا ہوں اس پر صراحت سے دلالت کرتی ہیں کہ اس آیت سے یہ کہی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ جس مسئلہ میں قرآن کریم اور حدیث شریف سے روشنی نہ پڑتی ہو تو اس بغیر مخصوص مسئلہ میں کسی اہم کی تقلید شخصی کفر اور شرک ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمرؓ دربار نبوت کے راز دان یہ فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی اور کی تقلید کرنا کفر ہے۔ اس لیے میں تمہارا فیصلہ تلوار ہی سے کر دوں گا۔ مگر وہ یہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہونے والے کا میں یہی فیصلہ کرتا ہوں کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ الغرض جو چیز اس آیت سے ثابت ہے مقلدین اس کا انکار نہیں کرتے۔ اور جس چیز کے مقلدین قابل ہیں اس آیت سے اس کی تردید ثابت نہیں ہوتی۔

(۳) مولوی صاحب موصوف نے یہ کہا تھا کہ ”پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے ہوتے ہوئے دوسرے کسی بڑے سے بڑے متقی پر ہیزگار اہم یا عالم کی بات کی طرف جھکنا حدیث نبوی پر کلمی کے قول کو مقدم کرنا ایمان سے خارج ہونا چاہیے۔ ہمارا بھی اس پر صواب ہے کہ حدیث صحیح کے ہوتے

ہوئے غیر کے قول کو مقدم سمجھنا ایمان سے خارج ہوتا ہے۔

مگر قارئین کرام! مولوی صاحب کے اس فتویٰ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل واقعات پر نظر دوڑائیے۔ اور پھر مولوی صاحب کے فتویٰ کی داد دیجئے۔

(۱) ہم باحوالہ (بخاری و مسلم ص ۱۲ کے حوالے سے) پہلے نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلافت کے لیے نامزد کروں تو پھر بھی میرے لیے گنجائش ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے ایسا کیا تھا۔ اور اگر میں کسی کو نامزد نہ کروں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ کسی کو نامزد نہیں کیا تھا۔ یہ فرمانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے عمل کو آپؐ نے پسند کیا اور چھ آدمیوں کو خلافت کے لیے آپؐ نے نامزد کر دیا۔ کہ یہ اپنے میں سے ایک کو منتخب کر لیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل حدیث نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو حضرت عمرؓ نے جب غیر رسول متقی یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عمل کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کے مقابلے میں ٹھکڑا کیا۔ اور پھر اس کو ترجیح بھی دی۔ تو ارشاد فرمائیے کہ کیا حضرت عمرؓ مسلمان ہے یا نہیں؟

(۲) بلکہ ایسے واقعات بھی موجود ہیں جن میں بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کی مخالفت بھی کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض الموت کے دوران ارشاد فرمایا کہ (قلم دعاست لاؤ) میں تمہیں کچھ لکھوا دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ تو حضرت عمرؓ فاروقؓ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے (بخاری ص ۲۲ و مسلم ص ۱۳ و مشکوٰۃ ص ۵۸)۔

دیکھیے آپؐ نے حکم دیا ہے مگر حضرت عمرؓ بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کو ماننے میں اور فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ آپؐ کے ٹکھوانے کی ضرورت نہیں۔ فرمائیے! کہ بقول آپؐ حضرات کے حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر اپنی رائے کو ترجیح دینے کی وجہ سے مسلمان ہے یا نہ؟

(۳) حرمیہ کے مقام پر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کے سفیر کے ساتھ معاہدہ کی شرطیں طے کر لیں تو یہ الفاظ لکھوائے۔

هَذَا مَا قاضی علیہ محمد رسول اللہ۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ صلح کر لی ہے۔

تو مشرکین کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے کہا کہ ہمارا کو آپ سے جھگڑا ہی اس بات پر ہے کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں مانتے۔ آپ رسول اللہ کے الفاظ (اور جملہ کو) مٹا دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو جو شرطیں رکھتے تھے فرمایا کہ اچھا تم یہ مٹا دو۔ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا۔
لا واللہ لا احماھا
خدا کی قسم میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔

(بخاری ص ۲۴۱ اور مسلم ص ۲۰۵۔ واللفظ لا وشکاۃ ص ۲۵۵)

دیکھئے آپؐ فرماتے ہیں مٹا دو۔ مگر حضرت علیؑ حلف اٹھا کر کہتے ہیں کہ میں نہیں مٹاؤں گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صریح فرمان کا بھری مجلس میں فریقِ مقابل کے نمائندہ اور سفیر کے رو بہ و انکار کرتے ہیں۔ ان پر فتویٰ لگانے کی ہمت ہمارے اندر تو نہیں۔ البتہ فریقِ ثانی ہی اس کی جرات کر سکتا ہے اور کہے گا ہمارے ہاں حضرت علیؑ کا نہ مٹانا محبت پر مبنی تھا (ملاحظہ کیجئے مقام ابی حنیفہ)

(۴) ہم باحوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرابی کی سزا چالیس کوڑے ثابت ہے۔ مگر حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس صریح عمل کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شرابی سے متعلق اسی کوڑے سزا اور حد کو بھی سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فریقِ ثانی ہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل حضرت علیؑ کے نزدیک سنت کیسے بن گیا؟ اور یہ کفر سے کیسے اور کیونکر بچ نکلے؟ کہ حضور کے عمل کے مقابلہ میں امتیوں کے فعل کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں؟ فریقِ ثانی کے نزدیک تو یہ گردن زدنی کے قابل ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(۵) منقوس شاہ مصر نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حسبِ تاریخِ قطیفہ کو بطور تحفہ ارسال کیا تو ان کے ساتھ ان کا ایک چچا زاد بھائی (جس کا نام بابوڑ تھا) بھی خدمتِ اقدس میں بھیجا۔ چونکہ سابقہ تعارف کے علاوہ یہ حضرت ماریہؓ کے چھیرے بھائی بھی تھے۔ اور لونڈیوں کا پردہ بھی مشرعا نہیں ہوتا۔ اس لیے ان دونوں کے آپس میں زیادہ میل ملاپ پر منافقوں نے ان کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ متحمم کر دیا۔ یہ بات مدینہ میں اتنی مشہور ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی سن کر اس پر یقین آگیا۔ اور غیرت میں آکر آپؐ نے حضرت علیؑ کو تلوار دی اور فرمایا کہ جا کر بابوڑ کو جہاں بھی ملے قتل کر دینا۔ حضرت علیؑ

نے اس کو تلاش کیا۔ قتل کرنے پر ہی تھے کہ تقدیراً اس کا کپڑا جب ہٹا تو دیکھا کہ۔

لَوْ يَخْلُقُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ مَا
لِلرِّجَالِ - (متذکرہ ص ۳۹۹ و تیسرے ص ۱۳۷)
اللہ تعالیٰ نے اس کا وہ مخصوص پیراؤں کے لیے ہوتا
ہے پیدا ہی نہیں کیا۔

حضرت علیؑ کے اس کو قتل نہ کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

الشَّاهِدُ يَزِي مَالًا يَزِي النَّاسُ يَعْنِي

(مسند احمد ص ۱) وقال ابن كثير اسنادوه رجال ثقاة (البدایۃ ص ۳۱۲) علیؑ سنیہ کے بورماند دیدہ

دیکھئے اس شخص کے قتل کا حکم دربار نبویؐ سے صادر ہو چکا ہے۔ مگر حضرت علیؑ اس کو قتل نہیں کرتے۔ کیوں؟ کیونکہ وہ نامرد ثابت ہوا اور اس کے قتل کی علت نہ پائی جا سکی اس لیے اس کو چھوڑ دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے قتل کا حکم دیتے ہیں مگر حضرت علیؑ آپؐ کے اس ارشاد کے مقابلہ میں اپنی دید اور رائے کو ترجیح دیتے ہوئے قتل سے باز آتے ہیں۔

(۶) حضرت علیؑ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک خادمہ سے زنا کا ایک فعل صادر ہو گیا۔ آپؐ مجھے حکم دیا کہ ان اجلہ ہمارے اس کو کوڑے لگا دوں مگر میں نے جا کر دیکھا کہ وہ زمانہ نفاس میں ہے۔ میں نے اس خوف سے کہ کہیں کوڑے مارنے سے وہ مری نہ جائے، اس کو تازیانے نہ لگائے۔ اور میں نے آپؐ سے یہ قصہ کہہ سنایا۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

احسنت (مسلم ص ۱۶۱) تم نے اچھا کیا (کہ اس کو اس حالت میں سزا نہ دی) یہاں بھی آپؐ کے ظاہری حکم کو فوراً اس لیے نہیں پورا کیا گیا کہ مصلحت وقت اور حالت مجرمہ اس کی متقاضی نہ تھی۔ اس سے مصلحت وقت کا بھی ثبوت ہوا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ آپؐ کے ظاہری الفاظ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے باعث ملامت نہ ٹھہرے۔ بلکہ آپؐ نے ان کی ٹاڈی۔ اور ان کے اس فعل کی تحسین فرمائی۔

حضرات! ہم نے باب ہفتم میں مصلحت وقت کا لحاظ کرنے کی متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور مسلم وغیرہ کی وہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہٹ کر امیر کو اپنے حکم پر پناہ دینے کا حکم ہے اس بحث کو اور جو کچھ ابھی ابھی عرض کیا گیا ہے۔ ان کو آپس میں ملا کر نتیجہ نکال لیں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس حکم اور رائے کا انکار کفر ہے جو اٹل، محکم اور صحیح غیر معلول اجلت ہو؟ یا ہر اس حدیث اور رائے کا جو نہ سنداً صحیح ہو اور نہ اٹل اور محکم ہو؟ اور خواہ اس حدیث میں فعل اور نفی کی علت ہو یا نہ ہو؟

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ۔

امام احمد بن حنبلؒ فتاویٰ حضرات صحابہ کرامؓ کو حدیث مرسل پر مقدم سمجھتے تھے۔ (الجنة قسٹ)

نسبت تو دیکھئے کہ حدیث اور اقوال صحابہؓ؛ لیکن چونکہ حدیث مرسل ان کے نزدیک قابل اعتبار نہ تھی اس لیے اس حدیث پر وہ اقوال صحابہؓ کو ترجیح دیتے تھے۔ مرسل حدیث وہ ہوتی ہے جس میں صحابی کا ذکر نہ ہو۔ اور اہل اسلام کے نزدیک الصحابة کلمہ عدول ہیں۔ اس لیے دوسری صدی تک مرسل حدیث کو حجت سمجھا جاتا تھا۔ (تدریب الراوی ص ۱۲)

اگر ہر حکم اور رائے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلافت وزری کفر ہے تو ان اکابر حضرات صحابہؓ کرامؓ پر فتویٰ لگائیے۔ اور ہم بابستم و جہام میں باحوالہ جمہور حضرات محدثین کرامؓ کا مقلد ہونا ثابت کر آئے ہیں۔ کیا وہ سب گردن زونی کے لائق تھے؟ اور کیا سائے کے سائے مشرک تھے؟

سے لاکھوں تم لیکن نہ کی آہ و فغاں اب تک
زباں لکھتے ہوئے بھی ہم ہے میں نے زباں اب تک

تیسری آیت:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ
اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا آتَيْنَا عَلَيْنَا
آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَقُولُونَ
شَيْئًا وَلَا يَسْتَدُونَ

(پ ۲۔ البقرة - ۲۱)

اور نہ جہانتے ہوں سیدی راہ۔

یعنی حق تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے باپ و لوہا کا اتباع کرتے ہیں اور یہ بھی شرک ہے چنانچہ بعض قبائل مسلمان بھی ترک نکاح بیوگان وغیرہ رسوم باطلہ میں ایسی بات کہ گزرتے ہیں اور بعض زبان سے گونہ کہیں مگر عملہ آمد سے ان کے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے سو یہ بات اسلام کے خلاف ہے (بلفظہ یہ ترجمہ اور اس کی تشریح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندؒ کی ہے) اس کے ساتھ اسی مضمون کی دو آیتیں اور بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ بات خوب واضح ہو جائے۔

(۱) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ

اور جب کہا جاتا ہے ان کو اؤ اس کی طرف جو کہ

اللَّهُ وَالِىَ الرَّسُولِ قَالُوا أَحَبُّنَا مَا
وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ
آبَاءُهُمْ لَا يَسْلَمُونَ شَيْئًا وَ
يَهْتَدُونَ (پ - المائدہ - ۱۴)

نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں ہم کو کافی ہے
وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر ان
کے باپ دادے نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانستے
ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے۔

جاہلوں کی سب سے بڑی محبت یہ ہوتی ہے کہ جو کام باپ دادے سے ہوتا آیا ہے اس کے خلاف
کیسے کریں ان کو بتلایا گیا کہ اگر تمہارے اسلاف بے عقلی یا بے راہی سے قہر بلاکت میں جا گرے ہوں
تو کیا پھر بھی تم ان کی راہ چلو گے حضرت شاہ (عبد القادر) صاحب لکھتے ہیں: باپ کا حال معلوم ہو کہ
حق کا تابع اور صاحب علم تھا تو اس کی راہ پکڑے نہیں تو عبت ہے، یعنی کیفیت، التفتق ہر کسی کی کورانہ
تقلید جائز نہیں (ترجمہ از شیخ الحدیث اور تشریح از مولانا عثمانی)

(۲) وَلَقَدْ قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا
أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا
عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ
إِلَّا عَذَابَ السَّعِيرِ

اور جب ان کو کہے چلو اس حکم پر جو آمارا اللہ نے
کیں نہیں ہم تو پیلیں گے اس پر جس پر پایا ہم نے اپنے
باپ دادوں کو بھلا اور جو شیطان بلاتا ہو ان کو
دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی۔

(پ ۲۱ - لقمن - ۳)

یعنی اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لے جا رہا ہو تب بھی تم اس کے پیچھے
چلو گے؟ اور جہاں وہ گریں گے وہیں کرو گے؟ (ترجمہ از شیخ الحدیث اور تشریح از مولانا عثمانی)

الجواب: ان آیات کریمات میں جس تقلید کی تردید کی گئی ہے وہ ایسی تقلید ہے جو اللہ تعالیٰ
اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مقابل ہو ایسی تقلید کے حرام شرک، مذموم اور قبیح
ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اہل اسلام اور اہل علم میں کون ایسی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے؟ اور ایسے مقلدوں کو
کون مسلمان کہتا اور حق پر سمجھتا ہے جو خدا تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کی تعلیم اور ان کے حکم کے خلاف کہتے
اور کرتے ہیں؟ الغرض ان آیات سے جس تقلید کی تردید ثابت ہے اس کا کوئی بھی مسلمان قائل نہیں اور جس
تقلید کے اہل اسلام قائل ہیں اس کی تردید ان آیات سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اگر باپ دادے
علم عقل اور ہدایت پر ہوں تو انہی آیات سے ان کی اتباع اور پیروی کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ کسی بھی

عقل سے یہ حقیقی نہیں اور خود قرآن کریم سے اہل حق آباء و اجداد کی پیروی کرنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے

قَالُوا نَعْبُدُ اللَّهَ وَاللَّهُ أَبَاكَ وَأَبَاكَ ابْنُ أَبِيهِمْ
وَأَبُوهُمْ سَلُّوا سَلَاةَ اللَّهِ وَابْنُ سَلَاةٍ وَابْنُ سَلَاةٍ
کی جو کہ ابراہیم اسمعیل اور اسحاق ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام
وہی ایک مجہود ہے۔ (پ ۱۰ - البقرة - ۱۶)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اگر باپ دادے حق پر ہوں تو ان کے طریقہ پر چلنا اور ان کی اتباع و پیروی کرنا پیغمبرانہ وصیت میں داخل ہے تو اس کے جائز اور پسندیدہ ہونے میں کیا کلام ہے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چل میں قیدیوں کو تبلیغ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي ابْنِ أَبِيهِمْ وَابْنِ سَلَاةٍ
وَابْنِ سَلَاةٍ ابْنِ سَلَاةٍ (پ ۱۱ - یوسف - ۵)

اگر دین حق میں باپ دادوں کی پیروی مذموم اور بُری چیز ہوتی تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پیروی کا کبھی تذکرہ نہ فرماتے اور نہ اللہ تعالیٰ اس کو مقامِ مدح میں بیان فرماتے، قرآن کریم کی ان نصوص کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق انبیاء کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے مقابلہ میں آباء و اجداد کی تقلید حرام اور مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کی اتباع میں اہل حق آباء و اجداد کی پیروی جائز اور محمود ہے اور اس صریح فرق کو نظر انداز کرنا کسی عاقل اور متدین کا کام نہیں ہو سکتا الغرض حرام اور مذموم تقلید کی حرمت سے جائز اور مطلوب تقلید کا عدم جواز ثابت کرنا ایک طرفہ کاروائی اور نزاعِ تماشہ ہے۔

صان و شقائق تھی پانی کی طرح نیتِ دل کی
دیکھنے والوں نے دیکھا اسے گدلا کر کے
ہم بعض معتبر اور مشہور مفسرین کے کلام کے چند حوالے بھی عرض کیے جیتے ہیں تاکہ معاملہ بالکل واضح ہو جائے۔ امام قرطبی (محمد بن احمد ابو عبد اللہ الانصاری الاندلسی القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ) قالوا بطل نستبج
مَا أَفْضَيْتَ عَلَيْهِ آبَاءُكَ الْآيَةِ کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
تعلق قوم بہذہ الْآيَةِ فِ ذِمَّہ اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے تقلید کی مذمت

التقليد لزم الله تعالى السكتار
بانتباعهم لا بأههم في الباطل
واقترادهم في الكفر والمعصية
وهذا في الباطل صحيح واما
التقليد في الحق فخاصل من
اصول الدين وعصمة من عصم
المسلمين يلجأ اليها الجاهل
المقصود عن ذلك النظر -

تفسير قطبي ص ۱۹۴ طبع مصر

مطلب بالکل واضح ہے کہ اگر اس آیت کریمہ سے اُس تقلید کی تردید مقصود ہے جو باطل اور کفر و
معصیت میں اپنے آثار کی کی جاتی ہے تو استدلال بجا اور درست ہے اور اگر اس سے اُس تقلید کا ابطال
مراد ہے جو اہل حق میں آثار و اسلاف کی تقلید کرتے ہیں تو وہ تو دین کے اصول میں سے ایک اصل ہے
اور قرآن کریم اصول دین کی تردید تو نہیں کرتا۔ قاضی بیضاوی (ابوالخیر عبداللہ بن عمر شیرازی المتوفی ۶۸۵ھ)
فرماتے ہیں کہ

اما اتباع الغير في الدين بعد علم
انه محقق كالانبياء والمجاهدين في
الاحكام فهو في الحقيقة ليس بتقليد
بل اشباع لما انزل الله تعالى اه
(تفسير بیضاوی ص ۱۱۱)

بہر حال احکام دین میں غیر کی اتباع یہ جاننے کے بعد
کہ وہ حق پر ہے جیسا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام اور حضرات مجتہدین توہید در حقیقت (مذہب)
تقلید نہیں ہے بلکہ یہ اس حکم کی جو اللہ تعالیٰ نے نازل
کیا ہے اتباع ہے۔

اسی پیش نظر کتاب میں اپنے مقام میں قدسے تفصیل سے یہ بات مذکور ہے کہ لاعلمی کے وقت
جاہل کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ تو اس میں تو اللہ تعالیٰ
کے حکم کی اتباع ہے نہ کہ مخالفت علامہ آلوسی (رشاب الدین محمود المتوفی ۱۲۶۰ھ) اس کی تفسیر
میں لکھتے ہیں کہ۔

اما اتباع الغير في الدين بعد العلم بدليل انه محقق فاتباع في الحقيقة لما انزل الله تعالى وليس من التقليد المذموم في شيء وقد قال الله تعالى فاسئلو اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (روح المعاني ص ۳۴)

بہر حال دین میں غیر کی اتباع دلیل کے ساتھ یہ جاننے کے بعد کہ وہ حق پر ہے تو درحقیقت یہ اس حکم کی پیروی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور اس کا مذموم عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اہل علم سے سوال کرو اگر تم خود نہیں جانتے۔

اس عبارت سے بھی صراحت یہ بات ثابت ہو گئی کہ اہل حق کی جائزہ عقیدہ کا مذموم عقیدہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں کیونکہ اہل حق اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں عقیدہ اتباع اور پیروی کرتے ہیں، جیسا کہ فاسئلوا الایۃ سے ثابت ہے۔

اعترض اس عبارت میں بعد العلم بدلیل از محقق کا جملہ ہے اور جاہل اور عامی آدمی تو دلیل قائم کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا تو پھر وہ کس دلیل سے یہ سمجھے گا کہ فلاں مجتہد اور فلاں امام اہل حق میں سے ہے اور اس کی بات قابل اعتماد ہے؟ اور اگر وہ دلیل قائم کر سکتا ہے تو وہ جاہل اور عامی کیسے رہے گا؟
الجواب :- امام محمد بن محمد الغزالی (المتوفی ۵۰۵ھ) نے یہ اعتراض نقل کر کے اس کا قدسے تفصیل سے جواب دیا ہے کہ جس طرح جاہل اور عامی آدمی علاج کے سلسلہ میں کسی قابل حکم اور ڈاکٹر کا تواتر اخبار اور غلبہ ظن کی مفید علامات سے انتخاب کرتا ہے اسی طرح وہ علماء اور مجتہدین میں سے کسی پر اعتماد کے سلسلہ میں تواتر کے ساتھ کسی کی علمی اور اجتہادی شہرت پر اعتبار اور غلبہ ظن سے کام لینے کا اہل ہے اس کے لیے کوئی اور علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے (محصلہ المستصفیٰ ص ۱۲۶ طبع مصر) اور تواتر کے ساتھ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ضروری اور بدیہی ہوتا ہے حتیٰ کہ بچوں کو بھی وہ حاصل ہوتا ہے جو دلیل قائم کرنے کی سرے سے اہلیت ہی نہیں رکھتے (ملاحظہ ہو شرح العقائد ص ۱۳ ونبیر اس ص ۷۷ وغیرہ)

یہ بات شک و شبہ سے بالکل بالاتر ہے کہ قرآن وحدیث کی تصریح اور حضرات خلفاء راشدین (علیکم جملہ حضرات صحابہ کرام) کے صحیح اور صریح اقوال کی موجودگی میں کسی مجتہد اور امام کے کسی قیاس اور رائے کی قطعاً کوئی وقت نہیں اور اس سلسلہ میں قدیم و جدید علماء اخاف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی واضح ترین الفاظ میں تصریحات موجود ہیں استیعاب

مذکور ہمارا مقصد ہے اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے ہم صرف بات کو مدلل اور مبہن کرنے کے لیے چند مشہور علماء کرام کی عبارات اختصاراً عرض کرتے ہیں۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جائز تقلید کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اس تقلید کی نشانی یہ ہے کہ مقلد کا عمل مجتہد کے قول پر اس شرط پر ہے کہ وہ سنت کے مطابق ہے اور بقدر الامکان وہ سنت کی پیروی کرتا ہے اور کوئی حدیث ایسی سامنے آجائے جو مجتہد کے قول کے خلاف ہے تو حدیث ہی کو لے اور اسی کی طرف حضرات ائمہ کرامؒ نے اشارہ کیا۔ (بلکہ تصریح فرمائی صفر) ہے (ترجمہ عقیدۃ الجدید ص ۸۲ طبع لاہور) اور حرام اور مذہبوم تقلید کے بارے فرماتے ہیں۔

فان بلفہ حدیث واستیقن بصحة
ولم یقبلہ لکون ذمتہ مشغولة
بالتقلید فہذا اعتقاد فاسد
وقول کاسد یس فیہ شائبة
من النقل والعقل وما کان احد
من القرون السابقة یفعل
ذلک (عقیدۃ الجدید ص ۸۵)

اگر مقلد کو کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اس کی صحت کا یقین بھی کر لیا اور پھر بھی اس نے حدیث کو اس لیے قبول نہ کیا کہ اس کا ذہن تقلید سے مشغول ہے تو یہ فاسد اعتقاد اور ردی قول ہے اس میں نقل و عقل کا کوئی شائبہ نہیں اور قرون سابقہ میں کوئی ایک شخص بھی ایسی تقلید نہیں کرتا تھا۔

عبارات بالکل واضح ہے مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

اور نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ

فان شئت ان تدری النصوص فی البہرہ
فانظر الی علماء السوء من الذین
یطلبون الدنیا وقد اعتمدوا
تقلید السلف واعرضوا عن
فصوص الکتاب والسنة وتمسکوا
بتعمق عالم وفتشہ واستقصاہ
فاعرضوا عن کلام الشارح المصوم

اگر تو چاہتا ہے کہ یہود کا نمونہ دیکھنے تو قرآنِ عظیم اور علماءِ سواد کو دیکھ جو طالبِ دنیا ہیں اور سلف کی تقلید کے خوگر ہیں اور کتاب و سنت کی نصوص سے اعراض کرتے ہیں اور کسی عالم کی روش۔ اس کے تشدد اور اس کے استحسان کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور شارحِ مصوم کے کلام سے اعراض کرتے ہیں اور جعلی احادیث اور فاسد تاویلات سے استدلال کرتے ہیں جو ان کی ہلاکت

وتمسکوا بالحديث موضوعه وآوايته
فاسدة كانت سبب هلاككم (الفوز البكر ص ۹)

اس عبارت میں بھی باطل اور حرام تقلید کی واضح علامت اور نشانی کتاب و سنت کی نصوص سے اعراض بتایا ہے۔

(۲) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ایسی مذہب و موم تقلید کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔
 در فی الحقیقت اگر مقلدان مذہب نقص کنند یا بند
 کہ ایں بلائے تقلید ایشانرا بجای کشید کہ ہر یکے از احاد
 فقہار را در مقابل حدیث سے آرند و ترجیح می دهند
 ایں ازاں قییل است کہ علماء را بپیغمبری رسانید
 شود بلکه بخدا
 (فتاویٰ عزیزی ص ۶۱ طبع مجتہائی دہلی)
 اگر حقیقتہً مقلدان مذہب غرور و فخر کریں تو محسوس کریں
 گئے کہ اس تقلید کی بلانے انہیں یہاں تک اور اس حد
 تک پہنچا دیا ہے کہ وہ فقہار میں سے کسی ایک کو حدیث
 کے مقابل لے آتے ہیں اور اس کے قول کو حدیث
 پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ اسی قییل سے ہے کہ علماء کو پیغمبر
 کے درجہ تک پہنچا دیا گیا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے درجہ تک۔

(معاذ اللہ تعالیٰ)

چونکہ مخلوق کو حکم دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے (أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ) اور اس حکم کو بلا حکم و کاست
 معصوم انداز سے پہنچانا پیغمبر کا کام ہے تو اگر کسی دروگر کو یہ مقام دیا جائے تو نبی اور خدا بنانے کے مترادف
 ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) بقول مولانا حالیؒ۔

اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
 نبی کو جو چاہیں خدا کو دکھائیں
 (۳) حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شیعہ (المتوفی شیعہ ۱۲۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ۔

ولیت شعری کیف یحوز التزام
 تقلید معین مع امکان الرجوع
 الی الروایات المنقولہ عن النبی
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 الصیحة الدالة خلاف قول الامام
 المقلد فان لم یسئل قطعا امامہ
 اور کاش کہ میں یہ جان لیتا کہ جب ممکن ہے کہ ان
 صریح روایات کی طرف رجوع کیا جاسکے جو انحضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صراحتہً منقول ہیں اور
 جس امام کے قول کی تقلید کی گئی ہے وہ اُن روایات
 کے خلاف ہے تو پھر کیسے اُس معین امام کی تقلید
 کا التزام جائز ہے؟ پس اگر اس نے اپنے امام کا قول

فقیہہ شافعیہ من الشریک لما
یدخل علیہ حدیث الترمذی
عن عدی بن حاتم انه سئل
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم عن قولہ تعالیٰ
اتَّخِذُوا احْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ
ارْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَكُلَّيْهِمْ ابْنُ
مَرْيَمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَنَا لَمْ
نَتَّخِذْ احْبَارَنَا وَرُهَبَانَنَا اَرْبَابًا
فَقَالَ اَنْتُمْ حَلَلْتُمْ مَا احْلَوْا
وَحَرَّمْتُمْ مَا حَرَّمَوا وَلَيْسَ
الْمُرَادُ بِهِ رِقَّةُ النُّصُوصِ وَالنَّكَارُهَا
فِي مَقَابِلَةِ قَوْلِ اٰثَمْتَهُمْ بِلِلْمُرَادِ
هُوَ تَاْوِيلُ الدَّلَائِلِ الشَّرْعِيَّةِ
اِلَى قَوْلِ اٰثَمْتَهُمْ فَعَلِمَ مِنْ هَذَا
اَنْ اِتِّبَاعَ شَخْصٍ مَّعِيْنٍ بِحَيْثُ
يَتَمَسَّكُ بِقَوْلِهِ وَاِنْ ثَبَتَ عَلَيْهِ
خِلَافُهُ دَلَائِلُ مِنَ الْكِتَابِ
وَالسُّنَّةِ وَيَأْوِلُ اِلَى قَوْلِهِ شُوبُ
مِنَ النُّصْرَانِيَّةِ وَحُظَّ مِنَ الشَّرْكِ لَمْ

(توضیح العین ص ۲ طبع لاہور)

نہ ترک کیا تو اس میں شرک کی ملاوٹ ہے جس پر
ترمذی شریف کی وہ حدیث جو حضرت عدی بن حاتم
سے مروی ہے دلالت کرتی ہے انہوں نے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد
کے واسطے پوچھا کہ انہوں (یعنی اہل کتاب) نے اپنے
مولویوں اور پیروں کو اور حضرت مسیح بن مریم علیہما الصلوٰۃ
والسلام کو اللہ تعالیٰ کے درے رب بنا لیا ہے تو
کہنے لگے کہ حضرت! ہم نے تو مولویوں اور پیروں کو
رب نہیں بنایا تو اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے
فرمایا کہ جو چیزیں انہوں نے تمہارے لیے حلال کیں وہ
تم نے حلال بھیجیں اور جو انہوں نے حرام کیں وہ تم نے حرام بھیجیں یہی رب
بنانا ہے اور اس آئمہ کے قول کے مقابلہ میں مخصوص کارر
اور انکار میں نہیں بلکہ دلائل شرعیہ کو آئمہ کے قول کی طرف پھیرنا
مراوہ ہے اس کے معلوم ہوا کہ شخص معین کی اس طرح
پیروی کرنا کہ اسی کے قول کو تھامے رکھے اگرچہ اس
کے خلاف کتاب و سنت کے دلائل موجود ہوں
اور ان کو وہ اہم کے قول کی طرف پھیرتا ہو تو اس
میں نصرت کا ثبوت اور شرک کا حصہ ہے۔

اس طویل اور صحیح عبارت میں جس تقلید کو شرک اور شائبہ نصرت قرار دیا گیا ہے۔ وہ ایسی تقلید
جس میں کتاب و سنت کے احکام کو اپنے اہم کے قول کے تابع بنا دیا گیا ہو اور ان کو تاویل کے ساتھ

کھینچ کر اپنے اہم کے قول اور قیاس پر فرٹ کر لیا گیا ہو ایسی کاروائی مسلمان کی شان سے بالکل بعید ہے۔
حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۲۲۳ھ) فرماتے ہیں۔ الغرض بعد ثبوت اس امر
کے یہ مسئلہ اپنے اہم کا خلاف کتاب و سنت کے ہے ترک کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے اور کوئی بعد وصوح
اس امر کے اس کا منکر نہیں الخ (سبیل الرشاد منہج طبع دہلی) اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود الحسن صاحب
(المتوفی ۱۲۳۹ھ) غیر مقلدین حضرات سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

آپ حضرات وہ آیات جو تقلید کفار کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں جمع مقلدین کی شان میں تحریر فرماتے
ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب تقلید ائمہ بزرگ جناب ہمنگ تقلید کفار ہوئی تو پھر اس کے جواز
کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اور آیات قرآنی مثل اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرَبَّهُمْ أَرْبَابًا مِّثْلَ
دُونِ اللَّهِ وغیرہا کا جواب حضرات اذکیا نے مطلب سمجھا ہے وہ اگر ٹھیک ہو تو پھر مطلق تقلید ائمہ
باطل ہونی چاہیے کیونکہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں خواہ کوئی ایک کی تقلید کرے یا ہزار کی اس کے بطلان میں
کس کو کلام ہے الخ (ایضاح الادلۃ ص ۱۱۳ طبع مراد آباد)

حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی (المتوفی ۱۲۶۳ھ) یاجوج ماجوج کی تفسیر کرتے ہوئے
اشارہ کلام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ

اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ خود دین کے خلاف ہے (تفسیر بیان القرآن ص ۱۲۴ طبع دہلی)
اور نیز فرماتے ہیں قرآن و حدیث کے ظاہری معنی کا انکار کرنا کفر ہے البتہ ظاہر کو تسلیم کرنا اور اس کے باطن کی طرف
عبور کرنا محققین کا مسلک ہے الخ (تعلیم الدین ص ۱۱۳ طبع بدلتی پریس دہلی)

اور نیز حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ بعض مقلدین نے اپنے اہم کو معصوم عن الخطأ و مضیّب دجواً مفروض
الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول اہم کے ہو اور سند قول اہم کا بجز
قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث
کو رد کر دیں گے ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ الْآیت اور خلاف
وصیت ائمہ مرحومین ہے الخ (فتاویٰ امداویہ ص ۸۸) یہ اس بزرگ کی تحریر ہے جو مقلدین اور غیر منصوص
مسائل میں تقلید اور اجتہاد پر انہوں نے کتاب لکھی ہے جس کا نام الاقتصاد فی التقیید والاجتہاد ہے۔
اور وہ نصوص کو اپنے ظاہر پر حمل کرنے کے بائیں لکھتے ہیں۔ نصوص کا اپنے ظاہر پر حمل کیا جانا اجامی

منقول مسکد ہے اور معقول بھی در نہ تمام نصوص (اور تمام قوانین سے امن مرتفع ہو جاتا ہے البتہ اگر کوئی عقلی یا نقلی صارت ہو تو بغیر درست غیر ظاہر پر محمول کیا جائے گا مگر صارت کا محض خیالی یا ذوقی ہونا کافی نہیں در نہ ہر فرقہ قرآن و حدیث کا تحریف کرنے والا ایسے خیال یا ذوق کا مدعی ہو سکتا ہے الخ بلفظ (رواۃ الزوائد ۳۲) اور نیز تحریر فرماتے ہیں :-

البتہ جو شخص عقائد یا اجماعیات میں مخالفت کرے یا سلف صالحین کو بُرا کہے وہ اہل سنت و الجماعت سے خارج ہے کیونکہ اہل سنت و الجماعت وہ ہیں جو عقائد میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے پر ہوں اور یہ اُمور اُن عقائد کے خلاف ہیں لہذا ایسا شخص اہل سنت کے خارج اور اہل بدعت و صوفی میں داخل ہے اسی طرح جو شخص تقلید میں غلو کرے کہ قرآن و حدیث کو رد کرنے لگے ان دونوں قسم کے (یعنی حضرات سلف پر طعن اور سب و شتم کرنے والا غیر مقلد اور غالی مقلد جو صریح تقلید کا مرتکب ہے۔ صفحہ ۱۷) شخصوں سے حتیٰ الامکان اجتناب و احتراز لازم سمجھیں الخ بلفظ (الاقصاؤ فی التقلید والاجتهاد صفحہ ۱۷)

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) یا جموں و مہاجر کی بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے (فوائد عثمانیہ صفحہ ۳۹۲)

جس مذہب تقلید کی تردید قرآن و حدیث سے ثابت ہے علماء مقلدین اور

قرآن و حدیث کی تاویل

تہدید کرتے ہیں جیسا کہ بعض حضرات کی صریح عبارات آپ پڑھ چکے ہیں اور باقی بے شمار حضرات کی عبارات اور اقوال میں بھی یہی کچھ ہے کوئی اہل حق مقلد (اہل بدعت کا معاملہ جدا ہے) قرآن و حدیث کی نصوص کا نہ تو انکار کرتا ہے اور نہ اُن کی قصداً تاویل کر کے اپنے اہم کے قول پر فٹ کرتا ہے۔ خطائے اجتہادی کا قصہ ہی جدا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ (تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم المتوفی ۷۲۸ھ) نے اپنی کتاب رفع الملام عن ائمتہ الاعلام میں اُن اعذار کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے بعض فقہاء کرامؒ سے ناوائفہ اور اجتہادی طور پر

بظاہر نصوص و احادیث کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور مشور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب (المتوفی ۱۲۰۷ھ) اپنی کتاب البقاء المنن بالقاء المحن میں فرماتے ہیں کہ ایک سنت (احسان) خدا تعالیٰ کی مجھ پر ہے کہ میں فقط جماعت اہل سنت کو ذرہ ناجیہ جانتا ہوں حنفی ہوں یا شافعی مالکی ہوں یا حنبلی یا

ظاہری یا اہل حدیث یا اہل سلوک (مثلاً چشتی، قادری، سہروردی اور نقشبندی وغیرہ۔ صغیر) اور کسی کے حق میں ایسے گمان یہ نہیں رکھتا اگرچہ مجھ کو یہ بات معلوم ہے کہ ہر گروہ کے اندران میں سے کچھ مسائل خلاف دلائل بھی ہیں اور بعض موافق نصوص۔ بعض فتاویٰ اُن کے صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں اس لیے حکم اکثر کو ہے نہ اقل کو اور ائمہ سلف سے جو عمل بعض احادیث میں متروک ہو گیا ہے اُن کے پیشِ عذر ہیں۔ جو کتاب جلب المنفعت میں لکھے گئے ہیں ائمہ سلف پر طعن مخالف سنت کا کرنا انصاف کا خون بہانا ہے ہاں جو مقلد ان کے بعد وضوح دلیل کتاب و سنت کے تقلیدائے بحت (خالص) پر جامد ہیں ان کو غلطی سمجھتا ہوں لیکن گمراہ بحت نہیں جانتا زان اُن کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتا ہوں شعاذ اللہ تعالیٰ ان کو کافر کہوں الخ (ماخوذ از تقلید کی شرعی حیثیت از مولانا محمد تقی عثمانی ص ۱۵۹) ماخوذ از ماہنامہ فاران مئی ۱۹۶۳ء) اور نواب صاحب کا ایک اور حوالہ جو کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ روئے زمین پر کوئی بھی مسلمان بغیر کسی صحیح اور صریح عذر کے اس قسم کی جرأت کرے کہ پہلے قرآن و حدیث کو بغیر کسی سبب کے بخاند اور جھکڑے کے طور پر پس پشت ڈال دے اور مجردائے اور سادہ عقل پر ہاتھ مارے اور پھر اسلام و ایمان کا دھوکہ کرے اور اسی سلسلے میں شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب رفع الملام عن ائمة الاعلام میں حضرات سلف کی طرف سے اولہ کے قولاً و فعلاً ترک کرنے کے سلسلے میں بیہوشی کے قریب غریب بیان کیے ہیں۔ اور بالفرض اگر عام لوگوں میں سے یا بزرگ فقیہ بننے والے بیوقوفوں میں سے یا جاہل مقلدوں میں سے کوئی شخص اس قسم کا حرف زبان پر لائے تو اُس کے کفر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

دگمان غیر وہ کہ میلانے در روئے زمین اس جنس جرأت بلا عذر صحیح صریح سے تو انہ کہ وہ اولاً قرآن و حدیث را بلا سبب بطور عناد و لہو در پس پشت افکندہ دست بردارے مجرد و خسر و سازج زند و بازہ دعوائے اسلام و ادعائی ایمان نماید و ازیں جا است کہ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ الحرانی در کتاب رفع الملام عن ائمة الاعلام قریب بسنت عذر از طرف سلف در ترک قول و فعل بموجب اولہ بیان کردہ و فرضاً اگر یکے از عامہ یا سفہاء متفقہ یا جاہل مقلدہ اس جنس حرف بر زبان آورد کفرش هیچ شک و شبہ نیست الخ

(بدور الاصلہ ص ۴۲ طبع بھوپال ۱۲۹۸ھ)

اس عبارت میں نواب صاحب نے بات بالکل کھول کر اور واضح طور پر بیان کر دی ہے کہ روئے
 زمین پر قصداً کسی مسلمان نے قرآن و حدیث کو نظر انداز کرنے کی کوشش اور حرأت نہیں کی اور اگر ایسی حرأت
 کرے تو پھر وہ مومن اور مسلمان رہتا بھی کب ہے؟ ہاں کسی صحیح اور صریح عذر کی وجہ سے ایسا ہو بلکہ بقول
 حافظ ابن تیمیہ ایسا ہوا ہے تو ایسے عذر کی گنتی تقریباً بیس ہے جو انہوں نے رفع الملام میں اور نواب
 صاحب نے جلیب المنفعت میں تحریر کیے ہیں اور ایسی اجتہادی غلطیوں کا شمار صرف حضرات فقہاء کرام
 ہی نہیں بلکہ حضرات محدثین عظام بھی ہیں مثلاً حضرت امام بخاریؒ اور امام ابو یوسفؒ العربیؒ حسن حدیث کو محبت
 قرار نہیں دیتے اور ان کے اس قاعدہ اور ضابطہ سے سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں مترک العمل
 ہو جاتی ہیں جو بڑی غلطی ہے۔ چنانچہ قاضی شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کے
 نزدیک حسن حدیث پر عمل جائز ہے حضرت امام بخاریؒ اور امام ابو یوسفؒ عربیؒ ایسے اختلاف کرتے ہیں اور حق جمہور کے ساتھ ہے (نیل الاوطار ص ۲۱۱ و ۲۱۲)

غیر ضروری بحث | آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ جس مذہب کی تقلید کی تردید اور قباحیت قرآن و حدیث سے
 ثابت ہے حضرات مقلدین بھی اس کی صاف الفاظ میں تردید اور قباحیت
 ہی بیان کرتے ہیں فریق ثانی کے شیخ الکملؒ نے اپنی کتاب معیار الحق میں متعدد صفحات علم اور مذہب
 تقلید کی قباحیت اور بڑائی کے لیے وقف کیے ہیں اور خاصے حوالے درج کیے ہیں مگر بے سود ہے کیونکہ
 ایسی تقلید کے ناجائز ہونے پر حضرات مقلدین کیا سلف اور کیا خلف سمجھتی ہیں اور ہمارا بھی اس پر صاف
 ہے اور یہ نزاع سے بالکل خارج ہے لہذا ان کو نقل کرنا پھر ان کی تردید کے لیے وقت صرف کرنا
 نرا اسراف ہے۔

لازم نہیں کہ حضر کی ہسم پیروی کریں ہاں اگر اک بزرگ ہیں ہم سفر ملے
 فریق ثانی کے شیخ الکملؒ مذہب اور علم تقلید کے بارے میں سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکے جو کچھ حضرت
 شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ مقلدین نے فرمایا ہے چنانچہ وہ تقلید کی چار قسمیں کرتے ہوئے چوتھی قسم یہ سمجھتے
 ہیں کہ قسم رابع شرک ہے اور وہ ایسی تقلید ہے کہ وقت لاعلمی کے مقلد نے ایک مجتہد کا اتباع کیا پھر
 اس کو حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معارض مخالف مذہب اس مجتہد کے مثلاً معلوم ہو گئی تو اب وہ مقلد
 پرستار و تیرا ان عذرات کے جن سے سابقاً بخوبی جواب دیا گیا ہے یا تو حدیث کو تسلیم ہی نہیں کرتا
 اور یا اس میں بدوین سبب کے تاویل و تحریف کر کے اس حدیث کو طرف قول امام کی لے جاتا ہے

غرضیکہ وہ مقلد مذہب اپنے اہم کو نہیں چھوڑتا الخ بلفظہ (معیار الحق ص ۷ و ص ۸)

اور نیز فرماتے ہیں کہ۔ اور ہاں واضح ہے کہ بعض مقلدین کی تقلید مُنفِضِی الی الشِّرک (شُرکِ تَمَسُّسِ پُہِچانے والی) ہوتی ہے سو ایسے مقلدین کے پیچھے نماز جائزہ نہیں اور تقلید مُنفِضِی الی الشِّرک یہ ہے کہ کسی ایک خاص مجتہد کی اس طرح پر تقلید کرے کہ جب کوئی صحیح حدیث غیر مفسوخ اپنے مذہب کے خلاف پاوے تو اس کو قبول نہ کرے اور یہ سمجھے بیٹھا ہو کہ ہمارے اہم سے خطا اور غلطی ناممکن ہے اور اس کا ہر قول حق اور صواب ہے اور اپنے دل میں یہ بات چمار کھسی ہو کہ ہم اپنے اہم کی تقلید ہرگز نہ چھوڑیں گے اگرچہ ہمارے مذہب کے خلاف قرآن و حدیث سے دلیل قائم ہو پس جس مقلد کی ایسی تقلید ہو وہ مشرک ہے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں لکھتے ہیں۔

وفیمین یکون عامیاً ویقلد رجلاً من الفقہار بعینہ میری یمتنع من مثله الخطأ وان ما قاله هو الصواب البتہ وخمر فی قلبہ ان لا یترک تقلیدہ وان ظہر الدین علی خلافہ وذلک مارواه الترمذی عن عدی بن حاتم الخ

کہ جو شخص عامی اور جاہل ہو اور حضرات فقہاء کرام میں سے کسی کی معین طور پر تقلید کرتا ہو اور یہ خیال کرتا ہو کہ اس سے خطا متنع ہے اور جو کچھ اس نے کہاہے وہی قطعی طور پر حق ہے اور دل میں یہ بات مخفی رکھتا ہو کہ اپنے اہم کی تقلید نہیں چھوڑے گا اگرچہ دین اس کے خلاف ہی ظاہر ہو جیسا کہ ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم سے روایت کی ہے الخ

(فتاویٰ ندویہ ص ۱۶۸)

اور پھر آگے اس سوال کے جواب میں کہ تقلید اہم اعظم کی کرنا شرک ہے یا نہیں؟ (ص ۱۶۸) لکھا ہے۔

(۲) اہم اعظم صاحبِ حج کی تقلید اگر مُنفِضِی الی الشِّرک ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو بے شک اہم اعظم کی یہ تقلید شرک ہے والا فلا (اور اگر ایسا نہیں تو پھر شرک نہیں۔ حنفیہ)

المحبیب محمد عبداللہ طحانی ماہ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

(فتاویٰ ندویہ ص ۱۶۹)

(سید محمد نذیر حسین)

اس عبارت سے ذیل کے فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اگر کسی مقلد کی تقلید مفضی الی الشکر ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ ہمارا بھی اس پر صواب ہے۔
 (۲) کسی ایک خاص مجتہد کی ایسی تقلید کہ اس کے قول کو حق اور صواب سمجھا جائے اور اس سے خطا اور غلطی کو ناممکن تصور کیا جائے اور حدیث صحیح غیر منسوخ کو بھی اس کے قول کے خلاف قبول نہ کرے تو ایسی تقلید مفضی الی الشکر ہے۔ اہل اسلام میں کوئی ایسا مقلد نہیں مل سکتا جو قصداً و عمدہ اپنے اہم کو معصوم عن الخطا سمجھتا ہو اور اس کے ہر قول کو صواب ہی کہتا ہو مقلد تو یہی کہتا ہے کہ المجتہد بخلافی و یصیب اور یہ جانتے اور جانتے ہوئے کہ حدیث صحیح اور غیر منسوخ ہے کوئی عاقل مقلد اس کو اپنے اہم کے قول کے مقابلہ میں نہیں ٹھکراتا اس شق میں بھی مقلدین کو کوئی اختلاف نہیں البتہ اس عبارت میں ایک جملہ فہم سے بالاتر ہے۔ وہ یہ کہ کسی ایک خاص مجتہد کی الہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایسی تقلید کسی مجتہدین کی غیر شخصی ہو تو پھر وہ مفضی الی الشکر نہ ہوگی جو چیز شرک ہے وہ شخصی ہو یا غیر شخصی ہو وہ تو بہر حال اور بہر کیف شرک ہے اس میں کسی ایک خاص مجتہد کی قید لگانا بالکل لالچی اور سراسر باطل ہے لیکن غیر مقلدین حضرات پر تقلید شخصی کا خوف اور ہول ایسا طاری ہے کہ وہ جہاں اس سے کوئی ڈر نہیں وہاں بھی پھرتے ہیں الغرض کتاب و سنت کے خلاف ایسی تقلید کسی ایک خاص مجتہد کی ہو یا کسی اور متعدد مجتہدین کی ہو مفضی الی الشکر ہی ہے۔
 (۳) اگر تقلید مفضی الی الشکر حضرت ام عظم صاحب کی بھی ہو تو وہ بھی شرک ہے اگر ایسی نہ ہو تو فلاں شرک نہیں ہے۔

(۴) کوئی بدعت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھکانے کہ میرے اہم کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ شرک ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ لاشک فیہ لیکن ہوش و ہوا اس صحیح رکھتے ہوئے کون نامراد قصداً و عمدہ ایا کر آہے یا کرے گا؟ کسی غلط فہمی کا شکار ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے اور نواب صاحب کی سابق عبارت اس کی واضح دلیل ہے جو مجھوتہ کے قابل نہیں مگر ۔

جسے دیکھو وہ کہتا ہے کہ ان کو بھول جائیں ہم ہمارا غم بڑھانے کو ہمارے علم گار آئے
 قدیمین کرام انصاف سے ملاحظہ فرمائیں کہ کیا یہ وہی کچھ نہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
 حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت
 شیخ الحدیث حضرت مولانا تھانوی اور مولانا عثمانی وغیرہ مقلد بزرگوں نے فرمایا ہے ایسی مذہب اور علم تقلید

محل نزاع سے بالکل خارج ہے اس میں اگر فرق ثانی کو لکھنا ہے تو اہل بدعت سے انھیں نہ کہ اہل حق اور اہل سنت و الجماعت سے معیار الحق کے پڑھنے سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جملہ مقلدین اور خصوصاً علماء اخصاف ایسی ہی تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں جو حرام ہے۔ حالانکہ یہ بات حق اور انصاف سے گوریل دور ہے کوئی ان کی اپنی عبارات اس سلسلہ میں بالکل عیاں ہیں۔ جن میں سے بعض عبارات قارئین کرام باحوالہ پڑھ چکے ہیں۔

بدعت کو سامنے رکھ کر تقلید کا رد کرنا | بعض غیر مقلدین حضرات بدعات کو سامنے رکھ کر مقلدین اخصاف کو کہتے ہیں کہ مقلد بننے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی بدعتی ہو جاتا ہے

ہے بجائے اس کے کہ ہم اپنے الفاظ میں اس کا رد کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن شیراز حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب (المتوفی ۱۲۷۱ھ) کے الفاظ پر اکتفا کریں چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب عرض کرنے سے پہلے یہ گزارش کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی عرض کیا یا عرض کریں گے وہ انہیں مقلدین کی طرف سے عرض کریں گے جو فقہ کی روایات معتبرہ پر عمل کرتے ہیں اور اصولاً و فروغاً حنفی ہیں۔ اہل نام کے حنفی گو رہے ہست۔ تعزیر پرست۔ کنکر شاہ، روڈے شاہ، برباد شاہ وغیرہ وغیرہ کے ماننے والے ہم ان کو بھی غیر مقلد ہی جانتے ہیں ان سے آپ خود نمٹیں ولی راوی سے شناسد۔ بدعات پر جس قدر اعتراضات ہیں ان کو فقہ حنفی کب جائز کہتا ہے؟ بدعات کے رد میں ہم بفضلہ تعالیٰ دنیا میں سب آگے ہیں جو لوگ تقلید کو شرک، کفر، فسق، حرام مکروہ تحریمی فرماتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین پر اعتراض کرتے ہیں ہمیں تو صرف انہیں کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے اور جو واقعی اہل بدعت ہیں۔ خدیش پر عمل کرنے کی خدا تعالیٰ نے انہیں قابلیت عطا فرمائی ہے وہ نہ تقلید کو جبراً کہتے ہیں نہ مقلدین ائمہ مجتہدین کو جبراً سمجھتے ہیں ان سے ہمیں کوئی تعرض نہیں نہ وہ ہمارے مخاطب ہیں۔ بلقظہ (تفتیح التفتیہ ص ۷)

اور منصف مزاج غیر مقلدین حضرات کو اس کا کھلے لفظوں میں اقرار ہے کہ حضرات ائمہ کرام پر طعن و تشنیع ہوتی ہے اور ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

(۱) نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ۔ اس زمانہ کی آفات میں سے ایک آفت یہ بھی ہے کہ تقلید کے رد و قدح میں حضرات ائمہ عظام تک طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے یہ ایک بد بختی اور صریح گمراہی ہے۔ چند بدنام لوگ سلف صالحین کے رسوا کرنے میں اپنے

منہ کو پتے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کرتے ہیں و نفوذ باللہ من الخذلان اگر کوئی متبع کسی اہم یا عالم پر یا بالیقین طعن و قدح کرتا ہے تو وہ مقاب ہے اور غیبت زمانہ سے بھی بدتر ہے جب احادیث کی غیبت کرنا حرام ہے تو پھر جو آئمہ و علماء آخرت ہیں جو شخص ان کی غیبت کرتا ہے ۔ تو اس کا لعن و طعن اس مقاب پر ٹوٹتا ہے (ماثر صدیقی ص ۲۲۲) ترک تقلید کے بھیاں تک نتائج ص ۶۷ از مولانا بشیر احمد صاحب قادری ۔

(۲) مولانا محمد داؤد غزنوی فرماتے ہیں کہ ۔ دوسرے لوگوں (مقلدین) کی یہ شکایت کہ ائمہ بیت حضرت آئمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں ۔ بلا وجہ نہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے علاقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور آئمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کر جاتے ہیں یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے اور ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔
(سوانح مولانا داؤد غزنوی ص ۸۷ و ص ۸۸ از ترک تقلید کے بھیاں تک نتائج ص ۶۸)

چوتھی آیت

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا
یہ اور اس قسم کی دوسری آیات جن میں لفظ ظن وارد ہے فریق ثانی اس سے تقلید کی برائی پر استدلال کرتا ہے ۔

جواب :- لفظ ظن اضداد میں سے ہے ۔ اس کا معنی یقین بھی ہے اور گمان بھی ۔ ص ۵۱ میں ہے ۔ ظن ۔ گمان الی قولہ وَظَنَّ دَاوُدُ اِیْ عَلَیْہِ وَاِیْقَنَ ۔ یعنی ظن کے معنی گمان اور یقین دونوں آتے ہیں ۔ اور لفظ ظن کے مواقع پر بھی وارد ہوا ہے جن میں مومنین کا ملین کی تعریف کی گئی ہے ۔ مثلاً
الَّذِينَ يَظُنُّونَ اَنَّهُمْ مُّسْلَمُونَ رَبَّهُمْ الْآیۃ کہ وہ ظن اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ رب کے سامنے ملے ہیں
اگر ہر جگہ ظن برا ہوتا تو مومنین کے اوصاف میں لفظ ظن استعمال نہ ہوتا ۔ نیز احادیث میں آتا ہے کہ کسی شخص کی ظاہری نیکی دیکھ کر یہ قطعی فیصلہ نہ کیا کرو کہ یہ نیک ہے یا بد ہے ۔ بلکہ اپنے علم و انست ۔ حبان اور ظن کو شامل کر لیا کرو ۔ اور حدیث میں مخلصو المؤمنین خیر (بحوالہ ترمذی بن الباقی فی تحفین الاشواق علی القاری)
خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن آیات میں ظن پر چلنے والوں کی بُرائی بیان کی گئی ہے ۔ اس سے ایسا ظن مراد ہے جو عقائدِ نصوص اور قطعیات کے خلاف ہو اور اس کے مذہب و موم ہونے میں کوئی

شک نہیں۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ظن فی نفسہ کوئی گناہ ہے یا اس سے بالکل اجتناب واجب ہے۔ بلکہ اس کا غشاء صرف یہ ہے کہ جو ظن دشمنیں وحی کے خلاف ہو۔ یا اس کو وحی سے بے نیاز اور بے پروا ہو کر اختیار کیا جائے۔ وہ گمراہی کا سبب ہے۔ اور ظن علم اور عقیدہ میں فائدہ نہیں دیتا۔
جلالین ص ۳۱ میں ہے۔

إِنَّ الظَّنَّ لَا يَفْتَنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا فِيمَا الْمَطْلُوبُ مِنْهُ الْعِلْمُ

یعنی جہاں قطعی علم کی ضرورت ہے (مثلاً عقیدہ) وہاں ظن مفید نہیں۔ جیسا کہ اخبار احاد جو موجب ظن ہیں۔ ان سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا (شرح عقائد ص ۲۸۰ و شرح المواقیف ص ۲۶۰ و ص ۲۶۱ و شرح فقہ اکبر ص ۶۸ علی بن القاری) اور جملہ مقلدین حضرات ائمہ کرام کی تقلید عقائد میں نہیں کرتے، صرف اجتہادی مسائل میں کہتے ہیں جو ظنی ہیں جن میں انہوں نے بڑی کوشش اور کاوش کر کے امت مرحومہ کے لیے سولت پیدا کی ہے۔

ہم خود تراشتے ہیں منازل کی سنگ راہ ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بت گیا
پانچویں آیت

مولانا شار اللہ صاحب حرمت تقلید کے سلسلہ میں یہ آیت کریمہ بھی پیش کرتے ہیں۔

وَاتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ
اس چیز کی اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اس کے بغیر اور

حامیتوں کی پیروی نہ کرو۔

اس سے انہوں نے حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید کی تردید پر استدلال کیا ہے۔

(محصلہ ملاحظہ ہواہل حدیث کا مذہب ص ۴۶)

الجواب۔ اس سے اہل اسلام کی تقلید کی تردید پر استدلال باطل ہے۔ اولاً۔ اس لیے کہ اس ممنوع اتباع سے وہ اتباع مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور اس کے بغیر اوروں کی کی جائے اور وہ اسی صورت میں ہوگی کہ (محافظ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں ان کی اتباع کی جائے اور اس کے حرام۔ ممنوع اور مذموم ہونے پر تمام مقلدین متفق ہیں۔ رہی ان کی تقلید تو وہ غیر منصوص مسائل میں قرآن و حدیث کے مطابق اہل علم کی طرف رجوع کرتے۔ ان سے سوال کرتے۔ اور ان کی اتباع

کرتے ہیں۔ وثائق خود مولانا شار اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اتباع سلف کے مامور ہیں مگر تقلید سلف کے مامور نہیں۔ (تقلید سلفی ص ۱۲)

سوال یہ ہے کہ بقول آپ کے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی اتباع ممنوع ہے تو آپ نے نص کے خلاف کرتے ہوئے اتباع سلف کے مامور ہونے کا اعتقاد کہاں سے تراش لیا ہے؟ جب کہ بقول آپ کے اتباع غیر اللہ کی نبی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ تو اس کے جواب پر آپ کا اعتقاد کیسے جم گیا؟ اور صراحت قرآن کریم میں تقلید کی نہی کا ایک حرف بھی موجود نہیں تو وہ کیسے ممنوع ٹھہری؟ وثائق اگر آپ اتباع سلف کے مامور ہیں تو ہم باحوالہ یہ عرض کر چکے ہیں کہ تقلید و اتباع ایک ہی چیز ہے۔ اس سے تقلید سلف کے مامور ہونے کا اعتقاد بھی ثابت ہو گیا کہ غیر منصوص مسائل میں ان کی بدوجہ سے امت مرحومہ کے لیے دین میں سہولت پیدا ہوئی۔ کیونکہ صریح اور منصوص مسائل میں تو اتنی دشواری پیش نہیں آتی جتنی کہ غیر منصوص احکام میں پیش آتی ہے جن کو حضرات فقہاء کرام نے حل کیا ہے۔ بہار کے موسم بہار ہی اُبھتی ہے مرزا تو جب ہے خزاں میں بہار پیدا کر۔

مولانا شار اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں کہ۔

قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے۔ اَنِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اُولَیْآءَ یعنی خدا فرماتا ہے مسلمانو! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم کو ملتا ہے اُسی کی تابعداری کرو اور اس کے سوا مذہبی امور میں اور کسی کی تابعداری نہ کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمُ اللّٰهُ یعنی اے ہمارے رسول تو ان سے کہہ دے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تم سے محبت کرے گا ان کے علاوہ سینکڑوں آیتیں اس مضمون کی ہیں جن میں صبر کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ بس پیغمبر علیہ السلام کے سوا کسی کی اطاعت مت کرو اور بلقلم (الحدیث کا مذہب ص ۵۹)

طبع لاہور)

الجواب: مولانا موصوف نے اس استدلال میں خالص مغالطہ دیا ہے جس سے ان کا مقصد کسی طرح بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اولاً اس لیے کہ قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں مذہبی امور میں کاجملہ داخل کر کے اسلام

میں پاپائیت ثابت کی ہے۔ جب کہ اسلام مذہب اور سیاست کو دو الگ الگ امر نہیں تصور کرتا
 کائنات۔ وثانیاً انجان اور لاعلم آدمی کے لیے قرآن کریم ہی میں فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ
 لَا تَعْلَمُونَ کا حکم نازل ہوا ہے لہذا جاہل کا عالم سے پوچھ کر اس کی تاجداری کرنا مکہ اُنْذِرْ آلِیْکُمْ
 مِّنْ رَبِّکُمْ الْآیٰتِ کے ہرگز مخالف نہیں بلکہ اسی کی تعمیل ہے اور اسی طرح وہ دیگر آیات و حکیمت
 جو ہم نے اثبات تقلید میں پیش کی ہیں اُن سے ثابت شدہ حکم بھی اِشْعُرُوا مَا اُنْذِرْکُمُ الْآیٰتِ
 کا مصداق ہے۔

خود مولانا موصوف لکھتے ہیں۔ یہ امر بالکل صاف اور ظاہر ہے کہ جو شخص علم نہ رکھتا ہو وہ علم و ار کی
 پیروی کرے قرآن شریف میں ارشاد ہے فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّکْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
 بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ۔ اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے دلیل کے ساتھ دریافت کر لیا کہ اس
 میں تو کسی کا اختلاف نہیں اور اجتہاد و تقلید کا طبع اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور
 موصوف نے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں دلیل کے ساتھ کا جملہ اپنی طرف سے داخل کر کے
 مقلدین کی کاری ضرب بچنے کے لیے اپنا دفاع کیا ہے۔

وثالثاً دوسری آیت کریمہ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ الْآیٰتِ سے بھی تقلید کی تردید باطل ہے۔ کیونکہ
 دیگر بے شمار احادیث کے علاوہ مقلد غیر منصوص مسائل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع
 ہی میں اِنَّمَا سَفَّاءُ الْعَمٰی السَّوَالِ پر عمل کرتا ہے اور اس صورت میں بھی آنحضرت صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی تاجداری ہے نہ کہ آپ کی مخالفت تبو کچھ ان آیتوں سے اور ان کے مفہوم اور
 تفسیر سے ثابت ہے وہ تقلید کا مثبت ہے نہ کہ نافی۔ وثابعاً خود مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ
 اہل حدیث کا مذہب ہے کہ دین کے اصول چار میں قرآن، حدیث، اجماع اُمت، قیاس مجتہد،
 سب سے مقدم قرآن شریف ہے پھر علی سبیل المراتب۔ قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے علم غلط
 قواعد صرف۔ نحو۔ علم معانی۔ بیان اصول فقہ وغیرہ ذریعہ ہیں جو مسئلہ قرآن و حدیث سے بطریق مذکورہ
 سمجھ ناقص میں نہ مل سکے تو جس مسئلہ پر تمام اُمت کا اجماع ہو گا وہ قابل عمل ہے اور جو مسئلہ اس
 طرح بھی نہ مل سکے اس میں کسی مجتہد کا قیاس (بشرط اصول فقہ جن کا ذکر آگے آتا ہے) قابل عمل
 ہو گا۔ بلطفہ (اہل حدیث کا مذہب ص ۵۵ و ص ۵۹)

فارسین کرام۔ انصاف سے فرمائیں کہ حضرات مقلدین اس کے سوا اور کیا کہتے ہیں؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ موصوف اجماع امت اور قیاس مجتہد کو دین کے اصول قرار دیتے ہیں اگر اپنی اصول دین کی حضرات مقلدین پیروی کرتے ہیں تو وہ کون سا جرم کرتے ہیں؟ اس عبادت میں مولانا موصوف نے اجماع امت اور قیاس مجتہد کا اثبات کر کے اپنے اس دعوئے کی خود تردید کر دی ہے کہ۔ بس پیغمبر علیہ السلام کے سوا کسی کی اطاعت امت کمرہ۔

غرضیکہ جو بات حضرات مقلدین کہتے ہیں وہی غیر مقلدین حضرات کو بھی کہنی پڑی اور کہنی پڑتی ہے مگر ساتھ ساتھ راہ فرار کے چور دروازے بھی تلاش کیے جاتے ہیں۔ بقول شاعر؎
 کہاں جائیں کہ صبر جائیں نہیں بنتی کہیں اپنی کبھی ہم دیر سے بھل گئے کبھی بھسے سے ہم نکلے

چہار دہم

جس طرح فریق ثانی نے اہل اسلام میں رائج تقلید کے ابطال پر بے غم خویش قرآن کریم کی بعض آیات کرمیات سے بے جا استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ قارئین کرام ٹپ پڑھ چکے ہیں اسی طرح انہوں نے بعض احادیث شریفہ سے بھی معهود تقلید کی تردید پر استدلال کیا ہے لیکن ان سے بھی ان کا استدلال نامتام اور سعی لاجصل رہتی ہے۔

پہلی حدیث

غیر مقلدین حضرات کے شیخ اہل تقلید کی تردید میں دوسری دلیل حضرت ابن مسعودؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ کوئی آدمی بعد نماز داییں طرف پھر کر بیٹھنے کو ضروری جان کر اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ مقرر کرے کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اکثر بائیں طرف بیٹھتے بھی دیکھا ہے۔ (محصلہ بخاری ص ۱۱۱) علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ضروری اور واجب جانتا ہے تو پھر شیطان کا حصہ ہو گا ورنہ دونوں امر برابر ہیں گو داییں طرف پھرنا اولیٰ ہے۔ اور علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امر مندوب پر اصرار کیا تو اس میں شیطان کا حصہ ہو جاتا ہے اور جس شخص نے بدعت پر اصرار کیا تو اس کا کیا حال ہو گا؟ درمختار میں ہے کہ سجدہ ٹکڑا مستحب ہے لیکن نماز کے بعد مکہ وہ ہے تاکہ انجان لوگ اس کو سنت اور واجب نہ ٹھہرائیں اور جو مباح اس درجہ کو پہنچ جائے تو وہ مکہ وہ تحریمی ہے (محصلہ) یہ حوالے نقل کرنے کے بعد شیخ اہل تحریر کہتے ہیں کہ تو اس حدیث کے فحوی سے مطابق تصریحات اُن محدثین اور فقہاء کے جب کسی امر مستحب کا التزام اور اس پر اصرار اور ہٹ کر نافعل شیطانی اور مکہ وہ تحریمی ہو تو التزام اور اصرار حتماً اور درجہً ایک مجتہد کے مذہب کا جو مخالف اجماع قرون ثلاثہ کے اور مخالف قرآن کے ہے کیونکہ بدعت نہ ہو گا؛ انتہی بلفظہ (معیار الحق ص ۱۵۷)

الجواب: شیخ الکل کا اس سے استدلال بھی نرا مغالطہ ہے۔ اولاً اس لیے کہ اگر تقلید کی تردید میں ان کے وسیع علم میں کوئی صریح اور صحیح حدیث ہوتی تو وہ مقام استدلال میں ضرور اُسے پیش کرتے اصل موضوع سے بالکل غیر متعلق روایت کو شرح حدیث اور حضرات فقہاء کے ائم کی تشریحات کو ساتھ جوڑ جوڑ کر اور ان سے سہارا لیتے ہوئے استدلال نہ کرتے یہ استدلال یقیناً صریح نہیں بلکہ خالص مغالطہ ہے۔

دو ثانیاً اس لیے کہ حدیث کے مفہوم اور اس کی تفسیر میں نقل کردہ الفاظ و عبارات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرعی اور فقہی طور پر جو چیز مباح یا مستحب ہے تو اس کے التزام سے وہ چیز واجب تصور ہوگی اور غیر واجب کو واجب اور غیر سنت کو سنت سمجھنا بدعت و مکروہ ہے لیکن لاعلمی کے وقت عالم سے سوال کرنا تو قرآن و حدیث سے اور باقرار شیخ الکل واجب ہے اور مکلف عمدہ تکلیف سے صرف ایک ہی مجتہد کی بات کو تسلیم کر کے فارغ الذمہ ہو سکتا ہے اور اس بیچا سے نفی تو واجب پر اصرار کیا ہے۔ نہ کہ مباح و مستحب اور واجب کے التزام شرعاً مطلوب ہے تو وہ مکروہ اور بدعت کیسے ہو گیا؟ ہاں اگر جاہل کے لیے لاعلمی کے وقت اہل الذکر سے سوال کرنا صرف مباح یا مستحب ہوتا اور پھر وہ تمام مجتہدین سے دریافت کرنے کا بھی مکلف ہوتا۔ تو پھر وہ ایک ہی مجتہد کی تقلید پر اصرار و التزام کر کے واقعی بدعت و کراہت کا مرتکب ہوتا۔ مگر معاملہ یوں نہیں ہے غور فرمائیں۔

شیخ الکل کے الفاظ یہ ہیں کہ جس آیت کے حکم سے تقلید ثابت ہے وہ اسی صورت میں ہے جب کہ لاعلمی ہو۔ قال اللہ تعالیٰ فاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر نہ جانتے ہو تم اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر کجا اشار الیہ المحقق ابن الحمام فی التحریر وغیرہ (معیار الحق ص ۱۷) اور خود تصریح کرتے ہیں کہ جب کہ امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتباع اہل کے ہو گا وہاں ہے جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عمدہ تکلیف فارغ ہو جائیگی اور یہی ثبوت بھی باقی باقی ہے (معیار الحق ص ۱۷) اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ لاعلمی کے لیے مجتہد کی اتباع اور تقلید واجب ہے اور صرف ایک ہی مجتہد کی اتباع سے مکلف عمدہ برا ہو سکتا ہے تو پھر اس تقلید کو قرآن اور قرآن ثلاثہ کے مخالفت کرنا اور بدعت قرار دینا قطعاً غلط ہے۔ الحاصل بالکل غیر متعلق حدیث اور غیر متعلق عبارت سے قرآن و حدیث اور خود اپنے اقرار سے ثابت شدہ تقلید کی تردید کرنا خالص تعصب تو ہے۔ مگر علمی خدمت نہیں ہے۔

وَتَأْتِ اس لیے کہ ترک تقلید کے قدمے مفصل مفسر آپ باقرار فریق ثانی پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ترک تقلید سے کفر-الحاد اور زندہ لازم آیا اور آتا ہے اگر کسی کے ایمان اور اسلام کو محفوظ رکھنے کے لیے امر مباح اور مستحب پر اصرار کیا جائے تو اس میں شرعاً کیا قباحت ہے جب کہ اس کا ایمان و اسلام اسی صورت ہی میں بچ سکا ہو؟ کون مسلمان نہیں جانتا کہ اسلام میں جھوٹ ایک بڑا گناہ ہے لَعَنَ اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ قرآن کریم میں وارد ہے، اور قرآن وحدیث کی تصریحات سے جھوٹ کی بُرائی عیاں اور ظاہر ہے مگر بعض اوقات جھوٹ بولنا بھی صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ

فَلَا خِلَافَ اِنَّهُ لَوْ قَصِدَ ظَالِمٌ قَتَلَ رَجُلًا هُوَ عِنْدَهُ مَخْتَفٌ وَجِبَ عَلَيْهِ الْكَذِبُ فَاِنَّهُ لَا يَعْلَمُ اَيْنَ هُوَ۔
 اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی ظالم کسی شخص کو جو کسی کے پاس چھپا ہوا ہے (مخفی) قتل کرنا چاہتا ہے تو جس کے پاس وہ چھپا ہے اس پر جھوٹ بولنا واجب ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟ (شرح مسلم ص ۲۲۵)

اور مشہور اصولی طالعجب اللہ بہاریؒ (المعنی ۱۱۰۹ھ) جن کی اصول فقہ کی کتاب مسلم الثبوت سے فریق ثانی تقلید کی تعریف نقل کر کے استدلال کیا کرتا ہے۔ اور معیار الحق میں ان کی عبارات سے باقاعدہ استدلال کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ

فَاِنَّ الْكَذِبَ مَثَلًا يَجِبُ لِعَصْمَةِ نَبِيٍّ وَانْقَاذِ بَرِيٍّ مِنْ سَمِّائِهِ (مسلم الثبوت ص ۱۵)
 بلاشبہ مثلاً نبی کے بچاؤ اور بری الذمہ آدمی کے کسی ظلم اور سفاک سے چھڑانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔

یعنی اگر کوئی ظالم معصوم نبی کی جان کے درپے ہے اور بغیر جھوٹ بولنے نبی کی جان نہیں بچ سکتی تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے تاکہ معصوم کی جان بچ جائے اسی طرح اگر کوئی ظالم اور سفاک کسی مظلوم مسلمان کو قتل کرنا چاہتا ہے اور اس بے گناہ کی جان جھوٹ بولنے کے بغیر نہیں بچ سکتی تو جھوٹ بولنا واجب ہے۔ قارئین کو اگر جھوٹ جیسی قطعی حرام چیز معصوم کی جان بچانے کے لیے واجب ہے تو مومن کے ایمان بچانے کے لیے مباح اور مستحب کیوں واجب

نہیں ہو سکتا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

وہ مجھے مشورۂ ترکِ وقت دیتے ہیں یہ محبت کی اداسی ہے مجھے معلوم نہ تھا
دوسری حدیث۔

غیر مقلد عالم مولانا محمد جو ناگڑھی صاحب اور مولانا محمد صادق صاحب یا کوئی لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ جلد اول مصری ص ۱۵ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے کہ آپؐ نے ایک (لبا) خط کھینچا اور پھر اس کے دائیں طرف دو خط کھینچے اور دو خط بائیں طرف کھینچے۔ اس طرح پھر آپؐ نے اپنا ہاتھ درمیانے خط پر (جولبا) تھا اور جس کو پہلے کھینچا تھا رکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ
عَنْ سَبِيلِهِ الْيَتْرُ (پ۔ الانعام)
یعنی یہ سیدھا راستہ ہے۔ اس پر چلو اور دوسرے
راستے جو تمہیں اس سے ہٹا دیں گے ان کی اتباع
نہ کرو۔

کہتے ہیں کہ خطوط اربعہ مذاہب اربعہ ہیں۔ اور درمیانہ خط اہل حدیث کا مذہب ہے اگر
خط متوسط پر چلو گے تو کامیاب ہو گے ورنہ گمراہ اور تباہ ہو جاؤ گے (محصلاً)
اور آخر میں لکھتے ہیں کہ وَأَنَّ هَذَا یعنی خدا کی سیدھی راہ یہی ایک ہے اسی پر چلو۔ اور
ادھر ادھر کی چاروں راہوں میں سے کسی راہ پر نہ چلو ورنہ راہ راست سے جھٹک جاؤ گے بلطف
(طریق محمدی ص ۹ طبع کراچی کو سبیل رسول ص ۳۱)

الجواب : اس حدیث سے استدلال نہ تو روایت درست ہے اور نہ درایت۔ روایت تو اس
لیے کہ اس کی نہ میں مجاہد بن سعیدؒ راوی ہے جمہور محدثین کرامؒ اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ چنانچہ
امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ قابلِ احتجاج نہیں ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ محض بیسج تھا۔ امام
نسائیؒ اور امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف اور کمزور تھا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعیدؒ
اس کی تضعیف کرتے تھے اور امام عبد الرحمن بن ہمدانیؒ اس سے روایت نہیں لیا کرتے تھے۔

(میزان الاعتدال ص ۸۱)

ان حضرات کے یہ جرحی کلمات حافظ بن حجرؒ نے (تہذیب التہذیب ص ۱۱۱) میں

بھی نقل کیے ہیں۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ وہ قابل احتجاج نہیں۔ اور حدیث میں قوی نہیں۔ اور امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ اور امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں ضعیف تھا (ایضاً) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ کمزور اور ضعیف تھا۔ آخر عمر میں اس کے حافظ میں نمایاں خرابی پیدا ہو چکی تھی (تقریب ص ۲۲۶) تو ایسی ضعیف روایت سے استدلال و احتجاج کا کیا معنی ہے؟

اور درایت اس لیے کہ نہ تو حضرات ائمہ اربعہؒ نے صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر اس کے مقابل کوئی اور راستہ اختیار کیا ہے اور نہ ان کے مقلدین نے۔ یہ سب کے سب حضرات صراطِ مستقیم پر ہی گامزن تھے اور ہیں۔ اور خود اس حدیث کے آخر میں قرآن کریم کے جس مضمون سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استدلال فرمایا ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے کہ صراطِ مستقیم اور اللہ تعالیٰ کے راستے کے مقابل دیگر راستوں کی پیروی نہ کرو۔ جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے دور کر دیں۔ اور خود دوسری حدیث اس کی تفسیر کرتی ہے کہ دوسرے راستے وہ ہیں جن میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے اور وہ اپنی طرف دعوت دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وائیں اور یائیں کے خطوط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

على كل سبيل منها شيطان يدعو اليه
ان راستوں میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو
اپنی طرف دعوت دیتا ہے۔

دعوت دہی ص ۲۸ طبع ہند و مشکوٰۃ ص ۲۱۶ ہند ص ۴۳۵

و نائی ص ۱

ظاہر امر ہے کہ حضرات ائمہ اربعہؒ نے خدا تعالیٰ اور رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث ہی کی طرف دعوت دی ہے۔ اور اسی کے لیے اپنی تمام زندگی صرف اور وقت کی ہے انہوں نے شیطانی راستوں کی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دی۔ اور نہ ان کے مقلدین نے کیا کیا یہ غیر مقلدین کی اخلاقی پستی کو تاہم نہیں اور نہ تعصب ہے کہ انہیں حضرات ائمہ اربعہؒ کے فقہی ممالک اور راستے گمراہی اور تباہی کے ٹیل نظر آئے ہیں۔ حالانکہ حضرات ائمہ اربعہؒ وغیرہم فقہاء کرامؒ اور صوفیاء عظامؒ کے (نقشبندی، قادری، چشتی اور سہروردی وغیرہ) راستے یقیناً ان سبیل اور راستوں میں

شامل اور داخل ہیں۔ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے۔

يَقْدِرُ بِهِ مَنْ اَتَى رِضْوَانَهُ سُبُلَ

السَّلَامِ (پ۔ المائدہ - ۳)

اور

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ

سُبُلَنَا (پ۔ الحجرات : ۷)

اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی ہمارے واسطے

ہم ضرور ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے۔

میں کیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے راستے ہیں جس میں رتی بھر شک نہیں البتہ تعصب و عناد لا علاج بیماری ہے۔

تیسری حدیث :- مولانا شار اللہ صاحب لکھتے ہیں ایک حدیث بخاری میں ارشاد ہے لو کان موصی حیاً

لما وسعه الا شیء یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام

زندہ ہوتے تو میری ہی تابعداری کرتے ایک حدیث میں ارشاد ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور تم

مجھے چھوڑ کر انکی تابعداری کرنے لگ جاؤ تو گمراہ ہو جاؤ۔ چونکہ اصل اطاعت اور تابعداری خدا نے

اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرض کی ہے اس لیے علماء کو اجماع اور قیاس کے محبت ماننے میں

شبہات پیدا ہوئے ہیں یہاں تک کہ بعض تو ان دونوں کی حجیت سے انکاری ہی ہو گئے (وہ

المحدیث نہیں ہوگی بلکہ منکرین حدیث ہوں گے کیونکہ مولانا موصوف المحدث کا مذہب یہ بیان کر چکے

ہیں کماثر کہ اجماع امت اور قیاس مجتہد اصول دین میں سے ہیں۔ صفحہ ۱ اور بعض جو قائل ہیں انہوں

نے اس کی وجہ بتلائی کہ اجماع بھی صحیح ہو گا جس کی بنا اور مدار کسی حدیث پر ہو (جب حدیث موجود ہے

تو پھر اجماع کی ضرورت ہی کیا ہے؟ صفحہ ۱) اور قیاس مجتہد بھی وہی صحیح ہو گا جو کسی آیت یا حدیث

کے مخالفت نہ ہو (اس میں اہل حق میں سے کس نے اختلاف کیا ہے؟ صفحہ ۱) بلکہ اسی سے مستنبط ہو

اس لیے کہ کل اصولی قاطبہ شرائط قیاس میں یہ بھی لکھا کرتے ہیں کہ اَنْ يَتَّعَدَّيَ الْكُفْرُ

الشَّرْعِي الثَّابِتُ بِالنَّصِّ بِعَيْنِهِ اِلَى فَرْجٍ هُوَ ظَيِّفٌ وَلَا نَصَّ فِيهِ اِم

بلفظ (المحدث کا مذہب ص ۵۹ ص ۱۶)

الجواب : یہ تقلید اہل اسلام کی تردید میں موصوف کا یہ استدلال بھی قطعاً مردود ہے اولاً اس لیے

کہ حدیث لو کان موسیٰ حبیباً لما وسعہ الا اتباعی بخاری میں نہیں ہے تقلید موعود کی تردید کے شوق میں بخاری شریف پر یہ زرافترار اور کم از کم خالص و محم ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ تورات کا ایک نسخہ کہیں سے لے آئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ کا چہرہ اقدس ناراضگی کی وجہ سے سرخ ہو گیا حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو توجہ دلائی کہ آپ کے چہرہ مبارک کو نہیں دیکھتا؟ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو واقعی انتہائی ناراضگی کے آثار نمایاں تھے حضرت عمرؓ نے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ (صلى الله تعالى عليه وسلم) نبيًا پڑھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خدا تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارے سامنے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آجائیں۔

فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكَتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ
عن سبيل السبيل ولو كان موسى حياً
وإدراك نبوتی لا تبعنی
رُشْحَوۃ ص ۲۲۸ واللفظ لا وسند احمد ص ۳۲۸
پس تم ان کی پیروی کرنے لگو اور مجھے چھوڑ دو تو تم
سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ گے اگر حضرت موسیٰ
علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہوتے اور میری نبوت
(کا دور) پالیتے تو وہ بھی میری ہی اطاعت کرتے۔
دواری ص ۲۲۸ طبع ہند

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيِّنَاتٍ
ولو كان موسى حياً لما وسعہ
الا اتباعی (منہ احمد ص ۲۲۸ و ص ۳۲۸
رُشْحَوۃ ص ۲۲۸)
بلاشبہ میں تمہارے پاس روشن اور صاف
تھری شریعت لایا ہوں اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام زندہ ہوتے تو ان کو میری ابتلا کے بغیر
کوئی چارہ نہ ہوتا۔

الحاصل یہ روایت بخاری شریف میں نہیں ہے جیسا کہ موصوف نے بے بنیاد دعویٰ کیا ہے
و ثانیاً اس لیے کہ ان دونوں روایتوں کی سند میں مجاہد بن سعید ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔
اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں اسنادہ لین (میزان الاعتدال ص ۲۱۳) تو ایسی ضعیف اور گھڑیہ روایتوں سے
اہل اسلام کی اس تقلید کا رد جس کا ثبوت قرآن کریم۔ حدیث شریف اور جمہور امت کے تعامل سے ہے۔

کیسے درست ہو سکتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ لیا گیا ہے۔

سے نازک خیالیاں میری توڑیں عدد کا دل میں وہ جواں بھول شیشے سے پتھر کو توڑ دو
 وراثتاً۔ اس لیے کہ اس حدیث کے معنی پر بھی غور نہیں کیا گیا۔ اور غیر مقلدین کو رو تو تقلید کے نشہ میں
 اگر غور کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ تم مجھے ترک کر دو۔ اور حضرت
 موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کر لو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس میں کس کو اختلاف ہے؟ یا ہو سکتا ہے
 کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام یا کسی اور بنی اور رسول کی پیروی کر دی
 ہے۔ کیونکہ آپ کی بعثت کے بعد نجات صرف آپ کے دین میں بند ہے۔ مگر یقین جانیئے کہ مقلدین
 میں سے کسی کے تصور میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ترک کر کے کسی اور کی پیروی کا سوال ہی پیدا
 نہیں ہوتا۔ وہ تو حضرات الہ کریم کی غیر منصوص مسائل میں اس لیے اتباع کرتے ہیں کہ وہ ان کو آنحضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کا شیعہ الی۔ متبع اور راز دان سمجھتے ہیں۔ اور وہ قرآن و حدیث کی رو سے
 لاعلمی کے وقت علماء کی طرف رجوع کرنے کے مکلف اور پابند ہیں۔ کائنات الغرض حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کی شریعت منسوخ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ناسخ ہے۔ اور حضرت
 فقہاء کرام کے متبیط مسائل جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں وہ شرعاً معمول بہا ہیں۔ منسوخ نہیں۔
 ان کو منسوخ شریعت قرار دینا یا اس سے تشبیہ دینا جہل مرکب کا پلندہ ہے۔ جو علمی دنیا میں ممنوع
 نہیں ہے اور جس انداز سے فریق ثانی مقلدین کی دل آزاری کے درپے ہیں ہم اس پر بھی دعا گو ہیں
 کہ اس سے بھی بے شمار مسائل کی حقیقت نمایاں ہو گئی ہے۔

خدا آباد رکھے ان کو اور ان کی جفاؤں کو رہیں وہ شاد یارب جو جہاں ناشاد کہتے ہیں
 چوتھی حدیث: حضرت عوف بن مالک (الموتی ۷۲ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں
 کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت ستر سے کچھ زاید فرقوں میں بٹ جائیگی۔
 اعظمہم فرقة قوم یقسیون الامور ان میں زیادہ افتراق والادہ فرقہ ہوگا۔ جو اپنی رائے
 میں آدھم فیحدون الحلال سے حلال چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال کر دیگا۔

و یجملون الحرام و مندکہ ص ۴۲ و قال خرم

و یجمع الامور ص ۹۱ و قال رواہ الطبرانی فی المعجم و الترمذی و رجال الصبیح

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ اس فرقہ سے مقلدین ہی مراد ہیں جو رائے اور قیاس کے قائل نہیں جس سے امت میں افتراق پیدا ہو گیا ہے (ملاحظہ ہو طریق محمدی ص ۱۵۸)

الجواب: اس سے بھی احتجاج درست نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں نعیم بن حماد راوی واقع ہے اگرچہ محدثین کہ امام کی ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے لیکن امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے مسلم بن قاسم فرماتے ہیں اگرچہ وہ سچے ہیں لیکن کثیر الخطا ہیں اور منکر روایات کے بیان کرنے میں متغیر ہیں امام ابن حبان ثقافت میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں ربما اخطا وقد سہو اور امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ حدیث میں محض سہج ہے اور امام ابو الفتح فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین کا بیان ہے کہ وہ سنت کی تقویت میں حلی حدیثیں گھڑا کرتے تھے اور وہ امام ابو حنیفہ کی تنقیص میں جھوٹی حکایتیں تراشا کرتے تھے جو سب جھوٹ کا پلندہ ہے اور امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ اہل الرأی کے ہائے میں بڑے سخت تھے اور پھر ان کی بعض منکر روایات کی نشاندہی بھی انہوں نے کی ہے۔ حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ اگرچہ ان کی عدالت اور صداقت ثابت ہے لیکن ان کی روایات میں اَوْھَاکُمْ مَعْرُوفًا اور امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ امام فی السنۃ کثیر الوهم (محصلہ تہذیب ص ۴۶۱ تا ۴۶۲) تو ایسے راوی کی روایت سے ایسا اہم مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے؟ و ثانیاً خود اسی روایت میں تصریح موجود ہے کہ جس رائے کی مذمت بیان کی گئی ہے وہ ایسی رائے ہے جس میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا گیا ہو اور اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

محرّمون بہ ما احلّ اللہ ویحلّون
بہ ما حرّم اللہ رجم الزوائد ص ۱۶۹
جامع بیان العلم ص ۱۳۴

کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے وہ اپنی رائے سے اسے حرام کریں گے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے وہ حلال کریں گے۔

تو ایسی رائے کے مذہب و مروج و مردود ہونے میں کیا کلام ہے؟ یا ہو سکتا ہے! مگر مقلدین میں کوئی بھی محدث ایسی رائے کا کبھی بھی مرتکب نہیں ہوا کہ اپنی رائے سے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرے یا ہو؟ حاشا! و کلاً کوئی مقلد نہ تو اس کا قائل ہے اور نہ ایسی رائے پر عامل ہے تو اس سے اس رائے کی جس کا ثبوت شریعت سے ہے۔ کیسے تردید ہوگی؟ و ثانیاً امام ابن عبد البر نے یہ اور اس قسم کی متعدد روایات و آثار آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ سے رائے کی ذمت کے کئی صفحات میں باسند نقل کئے ہیں آخر میں فرماتے ہیں کہ

اختلف العلماء في الرأي المقصود اليه بالذم والعيب في هذه الآثار المذكورة في هذا الباب عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وعن اصحابه رضى الله تعالى عنهم وعن التابعين لهم باحسان فقالت طائفة الرأي الذموم هو لبديع المخالفة للسنن في الاعتقاد كرائي جهم ومائل مذهب اهل الكلام لانهم قوم قياسيهم وآراؤهم في رد الاحاديث الخرجا مع بيان العلم ۱۳۸

پھر آگے ان باطل فرقوں کے چند اختراعی عقائد کی نشاندہی بھی کی ہے جو انہوں نے اپنی رائے سے اختیار کر رکھے ہیں اور احادیث متواترہ کو بھی رد کر دیا ہے چنانچہ ایک جملہ یہ بھی ہے۔
فرد والاحاديث المتواترة في عذاب القبر وفتحتم الخ (ص ۱۳۸)

اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ اس قسم کی حدیثوں میں جس باطل رائے کی تردید ہے وہ ایسی رائے ہے جس سے احادیث صحیحہ و متواترہ تک کو رد کرنے کی جبارت کی جائے اور مقلدین کا دامن اس سے پاک ہے۔

اور پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ
وقال جماعة من اهل العلم اهل علم کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ مذہب و معرب

انما الراى المذموم المعيب المجهور
الذى لا يحل النظر فيه ولا الاشتغال
بلم الراى المبتدع وشبهه من
ضروب البدع (ص ۱۳۸)

اور پھر آگے رقمطراز ہیں کہ

وقال آخرون وهم جمهور اهل
العلم الراى المذموم المذكور في
هذه الآثار عن النبي صلى الله تعالى
عليه وسلم وعن اصحابه والتابعين
هو القول في احكام شرائع الدين
بالاستحسان والظنون والاشتغال
بمحافظة المعصلات والاغلو طات
ورد الفسوع والمنازل بعضهم
على بعض قياساً دون رتبها
على اصولها والنظر في علمها واعتبارها
فاستعمل فيها الراى قبل ان تنزل
وفرعت وشققت قبل ان
تقع وتكلم فيها قبل ان تكون
بالراى المضارع للظن قالوا ففى الاشتغال
بهذا والاستغراق فيه تعطيل
للسنن والبعث على جهلها وترك
الوقوف على ما يلزم الوقوف عليها
منها ومن كتاب الله عز وجل

و متروک رہے جس کی طرف توجہ کرنا اور مشغول ہونا ہی
حلال نہیں وہ تراشیدہ رائے اور اس کی مانند
بدعات کی اقامت والواع ہیں۔

دوسرے حضرات جو جمهور اہل علم ہیں یہ فرماتے ہیں
کہ ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ سے جس مذموم رائے کا
ذکر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ دین کے بنیادی احکام میں تخلف
اور ظنون سے بات کی جائے اور پیچیدہ مسائل اور حقیقتوں
کی حفاظت کی جائے اور فروع اور پیش آمدہ مسائل
میں بعض کو بعض پر قیاس کیا جائے اور ان کو اصول
(کتاب و سنت و اجماع) کی طرف نہ لوٹایا جائے اور نہ
ان کی غلطی میں نظر و اعتبار کیا جائے اور ان کی تفریق
اور تحقیق قائم کی جائیں اور ایسے حراوت کے پیش آنے
سے پہلے ہی ظن کے مشابہ رائے سے ان میں کلام کیا
جائے جمهور علماء اسلام فرماتے ہیں کہ ایسی رائے میں مشغول
و مستغرق ہونے سے احادیث معطل ہو کر رہ جائیں گی
اور ایسی رائے ان سے جہالت کا باعث ہوگی اور جن
احادیث پر اطلاع پانا لازم اور کتاب اللہ اور اس کے
معانی پر آگاہ ہونا ضروری ہے تو ایسی رائے سے ان
سے آگاہی اور اطلاع بالکل ترک ہو جائے گی۔

(جو نہایت ہی مذموم ہے)

ومعاشیہ (۱۳۹)

اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ مذہب موم اور مصیوب وہ رائے ہے جس میں کتاب و سنت کو نظر انداز کر کے نئے ظن اور گمان پر اس رائے کی بنیاد قائم کی جائے اور ایسی رائے کی جتنی بھی تردید کی جائے بالکل کم ہے لیکن مقلدین ایسی رائے کے ہرگز قائل نہیں ہے۔

پانچویں حدیث

تقلید کے مذہب موم ہونے پر غیر مقلدین حضرات نے حضرت عدی بن حاتم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی حدیث بھی پیش کی ہے جو یوں مروی ہے۔

عن عدی بن حاتم قال اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفی عنقی صلیب من ذهب فقتل یا عدی ا طرح عنک هذا الوثن وسمعتہ یقرأ فی سورة براءۃ اتخذوا الحبارم و رہبافہم ارباباً من دون اللہ قال اما انہم لم یکنوا یعبدونہم ولکنہم کانوا اذا حلوا شیئاً استحلوه واذا حرموا علیہم شیئاً حرموه - ہذا حدیث حسن غریب لا یفردہ الا من حدیث عبد السلام بن حرب و عطیفت بن اعین لیس بمعروف فی الحدیث

اور جو چیز وہ ان کے لیے حرام کرتے تو وہ اُسے حرام سمجھتے تھے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اس کے راوی ہمارے علم میں صرف عبد السلام بن حرب ہیں اور عطیفت بن اعین حدیث میں مشہور نہیں ہیں۔

(ترمذی ص ۱۲۱ طبع مجتبیٰ دہلی)

غیر مقلدین حضرات کا اس سے استدلال یہ ہے کہ مقلدین کو قرآن و حدیث سے کوئی سروکار نہیں ان کے لیے جو کچھ ان کے ائمہ حلال یا حرام کر دیں وہی ان کا دین و مذہب ہے اور اس طریقہ سے

انہوں نے اپنے ائمہ کرام کو اربابا من دون اللہ بنا رکھا ہے جو صریح شرک ہے اور وہ تقلید کر کے شرک کے مرتکب ہیں (محصلاً ملاحظہ ہو انکشاف جدیدہ در تحقیق تعالید ص ۲ و نتائج التقلید ص ۲) الجواب :- غیر مقلدین حضرات کا دعویٰ بڑا سخت اور سنگین ہے کہ وہ مطلقاً تقلید کو شرک و بدعت اور گمراہی سے کم تصور نہیں کرتے اور ایسے بڑے دعوئے کے اثبات کے لیے جس طرح قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة دلیل درکار ہے یہ حدیث اس کا مصداق نہیں ہے خود حضرت امام ترمذی عظیم بن عیینہ پر ملکی شقیہ کا اشارہ فرما کر اس میں کلام کر رہے ہیں اور باوجودیکہ حضرات محدثین کرام کے نزدیک امام ترمذی حدیث کی تصحیح و تحسین میں بڑے متساہل ہیں۔ مگر وہ بھی اس حدیث کے بارے میں غریب سے زیادہ کچھ نہیں کر سکے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ۔

ذکرہ ابن حبان فی الثقات روی لہ الترمذی حدیثاً واحداً وقال لیس بمعروف فی الحدیث قلت وضعفہ الدارقطنی (تہذیب التہذیب ص ۲۵۱)

اس کا ذکر امام ابن حبان نے ثقات میں کیا ہے اور امام ترمذی نے اس سے صرف ایک ہی حدیث روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ حدیث میں معروف نہ تھا میں کہتا ہوں کہ امام دارقطنی نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قطع نظر اس کی روایتی اور سندی بحیث اس سے غیر مقلدین حضرات کا اہل اسلام کی جائز اور ثابت تقلید کے بطلان پر استدلال درست نہیں ہے اور اس لیے کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکمل۔ تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر کبیر، عقہ الجید۔ حجتہ اللہ البالغہ۔ تفسیر غرنبازی۔ تنویر العینین اور تفسیر مظہری وغیرہ کے حوالوں سے اہل کتاب کے اپنے احبار و رہبان کو اربابا من دون اللہ بنانے کی تشریح یوں نقل کرتے ہیں واللفظ للادول

قال الربیع قلت لابی العالیۃ کیف کانت الترویجیۃ فی بنی اسرائیل؟ فقال انہم ربوا وحدوا فی کتاب اللہ تعالیٰ صایحنا لمن قول الاحبار والرہبان فکانوا یأخذون باقوالہم وما کانوا یقبلون

حضرت ربیع نے کہا کہ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا کہ بنی اسرائیل کا علماء کو رب بٹھانا کیونکر تھا؟ انہوں نے کہا کہ اکثر کتاب اللہ میں وہ مسکے جو ان کے علماء کے مخالف ہوتا اس میں وہ اپنے علماء کے قول کو لیتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دیتے تھے۔

حکمہ اللہ تعالیٰ (معیار الحق ص ۷۸) وراجعہ مکہ الی ص ۸۱

اور ان کے شیخ اہل ہی اس مفہوم کو اپنے عالمانہ اور فاضلانہ الفاظ میں یوں ادا کرتے ہیں یہ مُراد نہیں کہ یہود اور نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو خدا ٹھہرایا تھا بلکہ مُراد یہ ہے کہ اطاعت انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کی برخلاف حکم خدا اور رسول کے کی تھی (بلفظہ معیار الحق ص ۷۷) اور ہم باحوالہ یہ بحث اسی پیش نظر کتاب میں درج کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برخلاف کسی کا کوئی حکم ماننا خالص کفر ہے ایسی تقلید کے کفر و شرک اور بدعت و ضلالت ہونے سے یہ کیونکر اور کیسے لازم آیا کہ غیر منصوص میں اہل علم آدمی کا علماء اور مجتہدین کی طرف رجوع کرنا ان سے مسائل دریافت کرنا، اور ان کو حجتہ تصور کرتے ہوئے انکی تقلید کرنا بھی شرک و بدعت ہے جیسا کہ ایسے موقع پر علماء کی طرف رجوع کرنا خود قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ کائنات و ثانیاً اہل کتاب نے جس معنی میں اپنے علماء اور درویشوں کو اربابِ اُمت دون اللہ بنا رکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ وہ ان کو شارعِ مقنن اور معصوم عن الخطأ سمجھتے ہیں جب کہ مقلدین حضرات کا کوئی بھی طبقہ اور فرقہ اس باطل نظریہ کا قائل نہیں ہے کہ حضراتِ ائمہ مجتہدین معصوم عن الخطأ ہیں کتبِ اصول میں وہ صراحت سے یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ المجتہد یخطئ ویصیب یعنی مجتہد کی رائے خطا بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی ہو سکتی ہے وہ معصوم نہیں امام ابو جعفر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی ۳۹۰ھ روافض کے اس نظریہ کی کہ اولوا الامر سے ائمہ معصومین مراد ہیں جن کے ہم قائل ہیں تردید کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ۔

والفقیہاء والامراء یجوز علیہم
الغلط والسهو والتبديل والتغییر
وقدامنا بطاعتهم وهذا
یسبطل اصل الامامة فان شوط
الامامة عندهم ان یکون
معصوماً لا یجوز علیہ الغلط
والخطأ والتبديل والتغییر

حضرات فقہاء اور امراء کے حق میں جائز ہے کہ ان
سے سو تبدیل اور تغیر واقع ہو یاں ہمہ ہم ان کی اُمت
کے ماکور ہیں اور یہ نظریہ امامت کے قاعدہ کو باطل
کر رہا ہے کیونکہ روافض کے نزدیک امامت کی شرط
یہ ہے کہ امام معصوم ہو اس سے غلطی ہو اور تبدیل
و تغیر کوئی چیز جائز نہیں ہے۔

(احکام القرآن ص ۲۱۱)

کُتب فقہ اور شرح حدیث میں اس کی صریح مثالیں موجود ہیں کہ حضراتِ ائمہ دین سے بعض مسائل

میں اجتہادی غلطی اور خطا ہوئی اور انہوں نے اپنی پہلی رائے کو ترک کر کے اور اس میں تبدل اور تغیر کر کے اس کے خلاف قول اور رائے اختیار کی اور قول قدیم سے قول جدید کی طرف رجوع کیا لیکن ردوافض کے نزدیک اگر غلطی اور خطا اور تبدل و تغیر سے بالکل معصوم اور مستزہ ہیں اُن کی رائے وحی کی طرح حرف آخر اور اٹل ہوتی ہے اور اسی لیے اہل حق کے تمام طبقے شیعہ اور ردوافض کے اس باطل نظریہ کی پُر زور تردید کرتے ہیں کہ حضرات ائمہ کرام معصوم ہیں کیونکہ اگر وہ معصوم ہوں تو پھر نبی اور امام کا کیا فرق رہا؟۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں احبار و رہبان کے متعلق جن کو اہل کتاب اپنی اصطلاح میں پوپ کہتے ہیں یہ لکھا ہے۔

لہذا پوپ عقائد کے معاملہ میں مقتدر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے اسی شخصیت اور اسی معصومیت کا حامل ہے جو پوپسے کلیسا کو مجموعی طور سے حاصل ہے (جیسا کہ جمہور اہل اسلام اجماع کی حیثیت کے قائل ہیں۔ صفحہ ۱۰) چنانچہ پوپ رافع قانون اور قاضی کی حیثیت میں وہ تمام اختیارات رکھتا ہے جو کلیسا کی اجماعی کونسل کو حاصل ہیں چنانچہ پوپ کے اقتدار اعلیٰ کے دو لازمی حقوق ہیں ایک عقائد وغیرہ کے معاملہ میں معصوم عن الخطا ہونا اور دوسرے تمام اہل عقیدہ پر ہر پہلو سے مکمل قانونی اختیار۔ (صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳) یہ طبعاً ۱۹۵۰ء مقالہ پوپ ماخوذ از تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵ از مولانا محمد تقی عثمانی

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لفظ پوپ کی معصومیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روئے کچھ تو لک چرچ پوپ کی جس معصومیت کا قائل ہے اس کا بنیادی مضمون یہ ہے کہ جب پوپ تمام اہل عقیدہ پر نافذ ہونے والا کوئی ایسا فرمان جاری کرے جو عقائد یا اخلاقیات سے متعلق ہو تو وہ غلطی نہیں کر سکتا (ج ۱۲ ص ۱۱۵) مقالہ معصومیت ماخوذ از تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵

ان حوالوں سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اختصاراً بقول مولانا محمد تقی عثمانی یہ ہیں جو بالکل بجا ہیں۔
(۱) پوپ ایک مستقل شخصیت ہے جب کہ مجتہد کے قول کا حجت شرعیہ نہ ہو نا خود تقلید کی تعریف میں داخل ہے (یعنی حجج اربعہ شرعیہ میں سے نہ ہونا کما مرّ بفضلہ تخلصاً) نیز یہ کہ عامی کے لیے اس کا قول حجت ہی نہیں (صفحہ ۱۰)

(۲) پوپ عقائد کے معاملے میں بھی با اختیار ہے اور مقلدین عقائد میں تقلید کے قائل نہیں۔

(۳) پوپ عقائد کے معاملے میں بھی با اختیار ہے اور مقلدین میں سے کوئی بھی مجتہد کو شارع یا واضع

قانون نہیں مانتا بلکہ ان کو قانون کے شارح اور مفسر جانتا اور مانتا ہے۔

- (۴) پوپ معصوم عن الخطا ہے اور مقلدین اپنے ائمہ مجتہدین کو معصوم عن الخطا تسلیم نہیں کرتے۔
- (۵) پوپ کو اپنے اہل عقیدہ پر مکمل طور سے قانونی اختیار حاصل ہوتا ہے اور کوئی بھی اہل عقیدہ اس کے حکم سے منحرف ہونے کا مجاز نہیں اس کے برعکس مقلدین حضرات ضرورت وقت اور ماحول کی مجبوریوں کی وجہ سے اپنے اہم کا قول چھوڑ کر دوسرے ائمہ کو ائمہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔ جیسا کہ متاخرین علماء اصفہان نے مفقود النجرا، نامہ اور متعنت وغیرہ کی بیوی کے بارے میں مالکی مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیا ہے۔ جس کی خاصی باحوالہ بحث حضرت مولانا تھانویؒ کی علمی کتاب الحیلة الناجزة للحیلة العاجزة میں موجود ہے۔ اندر میں حالات حضرت عدی بن حاتم کی اس حدیث کو مقلدین کی جائزہ اور ثابت تعلیق پر چپاں کھانسی جہالت اور خالص تعصب ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اِخْتَذُوا أَحْبَارَهُمُ الْآيَاتِ اور حضرت عدیؒ کی حدیث سے بلا تفصیل تعلیق کی تردید کی اور اسے شرک صلاحت اور بدعت کہا اور انہوں نے تعلیق جامد کا سد اور تعلیق مرغوب و مندوب کا فرق نہیں کیا وہ خود گمراہی کا شکار ہیں (غیث الغمام صفحہ ۵)

باب پنزدہم

ہم فریق ثانی کے اس نظریہ کے سمجھنے سے ناہیوز قاصر ہیں کہ ایک طرف تو وہ اجماع و قیاس کے متعلق متضاد نظریات رکھتا ہے ایک طبقہ ائمہ دین کا مذہب یہ بتلاتا ہے کہ اجماع و قیاس اصول دین میں سے ہیں اور دوسرا طبقہ حجت نہیں سمجھتا کھاتم اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ درموقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد اور دوسری طرف اقوال حضرات صحابہ کرامؓ اور اجماع و قیاس سے استدلال بھی کرتا ہے ایک طرف تو وہ خیر نبی کی بات اور قول کو ماننے کی وجہ سے مشرک و بدعت کا فتویٰ صادر کرتا ہے اور دوسری طرف آڑے وقت ان کے اقوال سے اُسر بھی پکڑتا ہے مگر تحلیل بحث کے لیے ہم اس باب میں اس کے وہ استدلالات بھی عرض کرتے ہیں جو اجماع اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال سے وہ کرتا ہے چنانچہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الشیخ اقلیدہ کی تردید میں چار دلیلوں میں سے تیسری دلیل یہ بیان کرتے ہیں۔

تیسری دلیل اجماع صحابہؓ کا جو قرآنی نقل کیا ہے ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں صخرہ اور جمع ہو گئے ہیں صحابہؓ اس پر کہ جو شخص البرکۃ صدیقؓ اور عمر فاروقؓ سے فتویٰ پوچھے کہ ان کے قول پر عمل کرے اسے روا ہے کہ فتویٰ پوچھ لے ابوہریرہؓ اور معاذ بن جبلؓ سے آگے جن کتابوں میں یہ حوالہ آیا ہے ان کا نام ذکر کیا ہے اور پھر آگے کتب اصول کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قوی تراجم اجماع صحابہؓ کا ہے خلاف اس کا مقبول نہیں بلکہ مردود ہے اور اجماع تمام مسلمین کا قرون اولیٰ میں چنانچہ روایت (یعنی حوالہ اور دلیل نہ کہ حدیث - صفحہ ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲ سے بوجہ بسط پہلے معلوم ہوا پس جب کہ کل صحابہؓ اور تمام مومنین کا قرون اولیٰ میں اس پر اجماع ثابت ہوا اگر کبھی ایک مجتہد کی تقلید کرتے اور کبھی دوسرے مجتہد کی پھر اب ایک ہی مذہب کا التزام کرنا اور اس کو واجب

جانتا اور تارک اس التزام کو گمراہ جانتا اور لاندہیب نام رکھتا اور لائق تعزیر کے جان کر تعزیر دینی اور مردود الشہادۃ کہنا پھر بہ نسبت ایسے عقیدہ والے کی بدعت ضلالہ اور حرام نہیں تو کیا ہے؟ اور محقق ایسے عقیدہ اور عمل کا مصداق اس آیت کریمہ **وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ** کا کیونکہ نہ ہوگا؟ اور مصداق من شد شد فی ان رکا اس حدیث سے **اتبعوا السواد الاعظم ومن شذ شذ فی السواد کس طرح نہ ہوگا؟** (معیار الحق ص ۱۵۷ و ۱۵۸)

الجواب :- اس دلیل سے بھی تقلید کی تردید واضح نہیں ہے صرف دفع الوقتی ہے۔ اولاً اس لیے کہ مولف مدار الحق ص ۲۱ سے ص ۳۳ تک اس کا مفصل جواب دیتے ہیں جس میں ایک دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ صلاح زمانہ اور فساد زمانہ کا حکم الگ ہے مثلاً صلاح زمانہ کے دور میں ایک حدیث میں آتا ہے **لا تمنعوا نساءکم المساجد** (مسلم ص ۱۸۳) اور فساد زمانہ کے دور میں دوسری حدیث میں آتا ہے **لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعن من المسجد کما منعت نساء نبی اسرائیل** (بخاری ص ۱۲) و **مسند احمد ص ۱۹۳** و فی روایۃ احمد قالت عائشہ رضی اللہ عنہا **لو ادری ما من الیوم منعن مسند احمد ص ۶ و ۱۹۳** تو حضرات صحابہ کرامؓ کا زمانہ اچھا تھا اور وہ سب کے سب عدول تھے اور مضمون حدیث اصحابی کا لفظ **یمنع** اقتداء یم (مشکوٰۃ ص ۵۵۴) و قال رواہ **رویین حافظ ابن القیم** اعلام الموقعین ص ۲۳۶ میں اس حدیث کی اسانید پر بڑی بحث کرتے ہیں اور فرماتے ہیں **لا یشبت شیء منہا** اور اسی طرح امام ابن عبد البرؒ نے بھی اس کی صحت میں کلام نقل کیا ہے جامع بیان العلم ص ۶ و ص ۱۱ مگر اتنی بات انہوں نے بھی تسلیم کی ہے کہ **وانما کل واحد منہم نجم جائز ان یقتدی بہ العامی الجاہل بمعنی یمیحتاج الیہ من دینہم** و **کذا لک سائر العلماء مع العامة** ص ۶ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک ہدایت کا ستارہ ہے عامی جاہل کے لیے جائز ہے کہ وہ جس دینی مسئلہ میں ان کا محتاج ہو ان کی اقتدار کرے اور اسی طرح عام لوگ بھی علماء کی اقتدار کریں۔ مولانا شار اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت گو علماء محدثین نے سخت ضعف کا حکم لگایا ہے ملاحظہ ہو اعلام الموقعین وغیرہ مگر خاکسار راقم کے خیال میں یہ حدیث بلحاظ معنی بہت صحیح ہے کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ ستاروں میں روشنی اصلی نہیں کیونکہ ان کی روشنی کا منبع سورج ہے اور القمر مستفاد من نور الشمس الخ

اجتہاد و تقلید ص ۹۱ پھر آگے یہ تاویل کی ہے کہ حضرات صحابہ کرام کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مستفاد ہے۔ اور اس کا مصداق حضرات صحابہ کرام کی وہ روایتیں ہیں جو مرفوع ہوں ان میں انکی اقتداء ہے نہ کہ موقوفات میں محصلہ لیکن حضرات صحابہ کرام کی اقتداء میں ان کے موقوفات بھی یقیناً شامل ہیں۔ اور اس لیے کہ مرفوع احادیث کی حجیت تو اپنی جگہ صریح اور قطعی دلائل سے ثابت ہے پھر ان کی حجیت کے لیے حضرات صحابہ کرام کو نجوم قرار دینے اور ان کی اقتداء کی ترغیب دینے کا کیا مطلب ہے و ثانیاً حضرات خلفاء راشدینؓ بھی تو صحابی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سنت پر ان کی سنت کو عطف کر کے امت کو اس کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ علیہ کو بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدینؓ الحدیث اس سے صراحتہ معلوم ہوا کہ ان کے موقوفات بھی قابل اعتبار اور محبت ہیں۔ و نہ صرف عطف کے ساتھ ان کی سنت کو الگ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

ثالثاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناجی فرقہ کے باتے میں فرمایا ہے کہ وہ ما انا علیہ واصحابی (یعنی میرے اور میرے حضرات صحابہ کرامؓ کے طریقہ) پر کاربند ہو گا مرفوع احادیث کا اجمالاً ذکر تو صاف انا علیہ میں آگیا۔ اگر حضرات صحابہ کرامؓ کے موقوفات اور ان کے اقوال و افعال حجت نہیں ہیں تو وہ اصحابی کا پیوند ساتھ لگانے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وار عطف مغایرت کے لیے آتا ہے؟۔

ورابعا خود اسی روایت اصحابی کا لفظ بایسہم اقتدیتہم اھتدیتہم میں بایسہم میں ضمیر ہے اور ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کی ذات کی اقتداء میں ان کا قول و فعل یقیناً داخل ہے جیسا کہ امام ابن عبد البرؒ کی عبارت سے عیاں ہے۔ و فاشا حکماء کے مقولہ نور القمر مستفاد من نور الشمس سے بالکل واضح ہے کہ سورج کا بعینہ نور تو قمر اور ستاروں میں نہیں ہوتا بلکہ اس کا پرتہ ہوتا ہے اگر بعینہ وہی نور ہوتا تو اسی طرح کی نورانیت اور حرارت اس نور مستفاد میں بھی ہوتی جس طرح کہ سورج میں ہے۔ حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ قمر اور ستاروں میں جتنی روشنی ہے وہ سورج ہی سے مستفاد ہے لیکن ہے قمر اور ستاروں میں اور حسب ارشاد خداوندی وبالنجوہ ھو یھتدوون کوگ ستاروں سے بھی راہنمائی حاصل کرتے ہیں نہ کہ نجوم کے ضمن میں براہ راست سورج کی روشنی سے جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے جب سورج غائب ہو جاتا ہے تو پھر قمر اور نجوم سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے

حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع کی خلاف ورزی | فریق ثانی کے شیخ اکل تو تقلید کی نفی پر اجماع صحابہ کا حوالہ دیتے ہیں لیکن مشہور غیر مقلد عالم محمد بن ابراہیم وزیر الیہانیؒ ایک مضرع کے جواب میں لکھتے ہیں کہ۔

وهذا كله يؤدى الى تمكّن العاصي من عدم وجوب الرجوع الى العلماء لكن المعلوم وجوب ذلك على العوام من اجماع الصحابة فيبطل ما ادى الى مخالفة اجماعهم۔
پھر آگے لکھتے ہیں

واما اجماع الصحابة في تقديرات العوام على التقليد فلا نه اجماع فعلى لا لفظي الا (المرض البسم ص ۱۰۹)

اور (تمذاری) یہ سب بات یہاں تک پہنچاتی ہے کہ عامی کے لیے علماء کی طرف عدم وجوب رجوع کی بھی وسعت ہے لیکن حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع سے یہ معلوم ہے کہ عامی پر علماء کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور جو چیز حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع کے خلاف ہو تو وہ خود باطل ہے۔

اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع فعلی سے نہ کہ لفظی (اور نصی) سے یہ ثابت ہے کہ عوام کو تقلید پر بقرار رکھا جائے گا۔

یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کا اس امر پر فعلی اجماع ہے کہ لاعلم اور عامی کا علماء کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور عوام کے لیے تقلید کے بواز پر گو حضرات صحابہ کرامؓ کا لفظی (اور نصی) اجماع تو نہیں لیکن اجماع فعلی ضرور ہے اور فریق ثانی کے شیخ اکل کے بیان کے مطابق قوی تر اجماع حضرات صحابہ کرامؓ کا ہے اور اس کے خلاف کرنے والا گمراہ لازم سب لائق تعزیر اور مردود الشہادۃ اور عت صلاہ اور حرام کامر تک ہے اور عملاً مصداق اس آیت کریمہ وَیَتَّبِعْ عَلَی سَبِيلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور مصداق حدیث اتبعوا السواء الاعظم ومن شذّ شذّ فی ان رکابہ اب فیصلہ قارین کریم خود کہہ لیں۔

اور فریق ثانی کے حضور شیخ اکلؒ ہی کے حوالہ سے پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ تقلید مباح ہے حالانکہ بدعت حرام اور ناجائز چیز بھی مباح نہیں ہو سکتی اور یہ بات بھی اسنی کے حوالہ سے بیان ہو چکی ہے کہ جاہل آدمی لاعلمی کے وقت صرف ایک ہی عالم سے دریافت کر لے تو عمدہ تکلیف سے فارغ ہو جاتا ہے مگر یہاں اس کا روائی کو اجماع صحابہ کے خلاف قرار دے ہے یہ عجیب و غریب ہے

قیاسی دلیل

ساتی تیرے کرم پر بڑا اعتماد تھا ناکام جاسے ہیں تعجب کی بات ہے

غیر مقلدین حضرات کے حضرت شیخ الکلی تقلید شخصی کی تردید میں چوتھی قیاسی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ چوتھی دلیل قیاس مجتہد معین کا ائمہ اربعہ میں سے مجتہد معین پر خلفاء اربعہ میں سے تصویر اس کی یہ ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جن کے اجتہاد سے کسی کو انکار نہیں اور فضائل ان کے اظہار میں ہیں باجماع اہلسنت کے تقلید یا تخصیص ان کی واجب نہ ہوئی اور کوئی مذہب ان کا خاص کر التزام نہیں کرتا تھا تو اب مثلاً ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید یا تخصیص بطریق اولیٰ واجب اور لازم ہر مسئلہ میں نہ ہوگی۔ پس قول اس کے واجب ہونے کا حرام ہو گا بحکم آیت کریمہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَا قُضِيَ السِّنْتُ كُومُ
الْكَذِبَ هَذَا حَدَثٌ وَمَا
حَدَّثَنَا لَمْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

اور اس استدلال سے ہمارے کسی کو یہ شبہ نہ گزے کہ غیر مجتہد ہو کر قیاس کیوں کیا؟ اس لیے کہ یہ وہ قیاس نہیں جو کہ مستنبط علیہ سے ہو اور مختص ساتھ مجتہد کے ہوتا ہے بلکہ یہ دلالت النص ہے کما فی قولہ قالی وَلَا تَقُولُوا لِمَا قُضِيَ السِّنْتُ كُومُ اِنْ سَوْنَهُ كُومَا بَابِ كُوفٍ دِلَالَتِ عَلٰی نَسْبِ الضَّرْبِ اور دلالت النص کو عوام بھی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابن الہمام و تحریر میں فرماتے ہیں۔ دلالت النص قیاس سے جدا ہے اس بات میں کہ قیاس مجتہد کے ساتھ خاص ہے اور دلالت النص کو سب عام لوگ سمجھتے ہیں اور قیاس کہنا اس کو امام رازی کے مذہب پر مبنی ہے چنانچہ منکرم میں کہا ہے اور کفرہ حنفیوں اور شافعیوں کا اس پر ہے کہ دلالت النص قیاس نہیں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ قیاس جلی ہے اور اس کو امام رازی نے پسند کیا ہے و ہکذا فی صفتہ الحصول اشتی بلفظہ (معیار الحق ص ۱۵۸)

اجواب: غیر مقلدین حضرات کے حضرت شیخ الکلی عجیب الجہن میں بتلا ہیں کہ اپنی اس دلیل کو دلالت النص سے ثابت مانتے ہیں اور چونکہ عنوان قیاسی دلیل کا قائم کیا ہے اس لیے علمی حکم کاٹ کاٹ کر اسے قیاس بندنے اور کہنے پر بھی مجبور ہیں اور اس کے لیے حضرت امام رازی الشافعی کے دامن میں پناہ لیے بغیر چارہ بھی نہیں پاتے اور ان کی دلیل سے استفادہ پر مجبور ہیں۔

چمک جگنو کی برقی بجلیاں معلوم ہوتی ہے نقص میں رہ کے قدرائیاں معلوم ہوتی ہیں
 مگر یہ سب کچھ کرنے اور کہنے کے باوجود بھی ان کی یہ چوتھی دلیل بھی ناقص اور تقریباً تام نہیں ہے
 اولاً اس لیے دلالت النص کے قیاس اور غیر قیاس ہونے کا معاملہ اپنی جگہ پر ہے موصوف نے دلالت النص
 کے سمجھانے کے لیے جس طرح قرآن کی آیت کو پیش کی ہے اس مقام پر قرآن وحدیث کی کون سی
 نص ہے جس سے دلالت النص کے طور پر ان کا استدلال سمجھ آئے؟ اگر وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے
 تعامل کو بزعیم خویش نص قرار دیتے ہیں تب بھی ان کا استدلال ناقص ہے ایک تو اس لیے کہ پہلے مفصل
 بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں تقریباً اڑھائی سال حضرات صحابہ کرامؓ نہیں کی اتباع
 پیروی اور تقلید کرنے کے شرعاً مکلف تھے اگر وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے آخری دور تک زندہ رہتے تو
 تمام حضرات صحابہ کرامؓ (اور تابعینؓ) انہیں کی تقلید و اتباع میں وفات پاتے جب کہ حرام بدعت اور
 شرک و کفر ایک لمحہ کے لیے بھی جائز نہیں ہے اور دوسرے اس لیے کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے
 کسی نے ان کی اتباع اور تقلید سے گریز نہیں کیا لہذا دلالت النص سے یہ ثابت نہ ہوا کہ تقلید شخصی واجب
 اور جائز ہے ورنہ کبھی وہ حضرات اس کو اختیار نہ کرتے اور تیسرے اس لیے کہ جب عبادة النص اور
 اشارة النص کا تعارض ہو تو عبادة النص کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور اشارہ بالنص اور دلالت النص کا تعارض
 ہو تو اشارة النص کو ترجیح ہوتی ہے (دعاۃ النص و ص ۱۱) اور ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں۔ کہ مثلاً
 حضرت ابوسلمی الاشجریؓ کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حضرت علیؓ پر
 اور حضرت ابن مسعودؓ کا حضرت عمرؓ پر اعتماد عبادة النص سے تقلید شخصی ثابت کرتا ہے اور ان حضرات کا
 عبادة النص سے استدلال حضرت شیخ الکحلؒ کے دلالت النص کے استدلال بمرکب اور بہر حال
 ضیح اور مقدم ہے۔

و ثانیاً اس لیے کہ لاعلم کے لیے تقلید کا واضح ثبوت تو نصوص سے ثابت ہے۔ جن میں سے ایک
 نص فَاَسْئَلُوا هَکَ الذِّکْرِ الْاٰتِیَہِ کَاسْرَ۔ تو نص کے مقابلہ میں قیاس کا کیا مطلب؟
 اور وہ بھی پھر اقراری غیر مجتہد سے ؟
 صد شکر کہ دنیا میں بھٹکتے نہ پھرے ہم
 اللہ کے گھر پہنچے تیرے گھر سے نکل کر

وَمَثَلًا: اس لیے کہ مؤلف مدار الحق لکھتے ہیں کہ

اقول یہ قیاس مصنف معیار الحق کا قیاس مع الفارق ہے۔ بیان اس اجمال کا یہ ہے کہ صحابہ سے نہ قواعد اصول کے قرار پائے اور نہ کوئی مذہب جمع مسائل دین میں مدون ہوا۔ نہ ایک نہ دو۔ سوائے جمع کمر نے قرآن شریف کے الخ (مدار الحق ص ۲۲)

چونکہ حضرات صحابہ کرام کے دور میں نہ تو فقہی قواعد و اصول مرتب اور مدون ہوئے اور نہ فقہی کتابیں لکھی گئیں اور نہ نئے نئے حوادث و نوازل اس وقت پیش آئے۔ اور نہ باطل فرقوں کے عقائد باطلہ اور بدعات اس وقت رائج تھیں۔ اس لیے حضرات صحابہ کرام کے مبارک زمانہ پر بعد کے حالات کو قیاس کرنا ہی مع الفارق ہے۔ اور اسی قسم کا سوال وافضی کا بھی تھا کہ تم حنفی وشافعی تو کہلاتے ہو مگر ابو بکر ہی اور عمر ہی نہیں کہلاتے، جس کا جواب حافظ ابن تیمیہ کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور مؤرخ ابن ندیم کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے کہ شرقاً و غرباً۔ شمالاً و جنوباً علم حضرت ابوحنیفہؒ کا تدوین کردہ ہے تو ایسے حالات میں ان پر کیوں اعتماد نہ کیا جائے؟

جناب شیخ النکل کے اس جملہ پر کہ پس قول اس کے واجب ہونے کا حرام ہوگا۔ گرفت کرتے ہوئے مؤلف مدار الحق لکھتے ہیں کہ۔

نمود مصنف معیار بھی اس میں داخل ہے۔ کیونکہ فتویٰ مصنف معیار کا فہری موجود ہے۔ اور عبارت اس کی یہ ہے کہ جو شخص مذہب خاص کی پیروی کرنے والے کو مرتکب بدعت عنادیت کہتا ہے وہ مردود اور گمراہ ہے۔ (نذیر حسین) انتہی (ص ۲۹۵)

علامہ مولانا محمد شاہ صاحب ساکن پاک پٹن ضلع ساہیوال تلمیذ مولانا نواب قطب الدین خان صاحب دہلوی و تلمیذ حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب دہلوی نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تنویر العینین اور ایضاً الحق کے رد میں کتاب لکھی۔ جس کا نام تنویر الحق ہے۔ اس کے رد میں حضرت میاں صاحب نے معیار الحق لکھی ہے۔ پھر اس کے رد میں یکم جناب مولانا قطب الدین خان صاحب دہلویؒ حضرت مولانا محمد شاہ صاحب نے مدار الحق لکھی ہے۔ جو اپنے طرز میں انوکھی اور مفصل کتاب ہے۔ ۱۲ نہ

قطع نظر اس حوالہ کے پہلے باحوالہ گزر چکا ہے کہ لاعلم کے لیے اہل علم کی تقلید واجب ہے۔ اور ایک مجتہد کی تقلید سے بھی مکلف حکم خداوندی کی تعمیل سے عمدہ برا ہو سکتا ہے اور اس میں سہولت بھی ہے اور وجوب و التزام سے گریز کرنے میں خطرہ ضیاع ایمان ہے تو اس کو ناجائز اور حرام کتنا خود و لا تقولوا الاّٰیۃ کا صحیح مصداق ہے کہ حلال چیز کو حرام قرار دینا بھی افتراء علی اللہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر تو بہت کم نظر آتا ہے۔ اور دوسرے کی آنکھ میں تنکے پر بھی نگاہ پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسکمانوں کو حق اور اہل حق سے محبت نصیب فرمائے اور غلو فی الدین سے محفوظ رکھے اور اس حقیر تالیف کو راقم اشیم کی نجات اُخروی کا ذریعہ اور عامۃ المسلمین کے نفع کا باعث بنائے وَمَا ذَٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ مُّحْضَدٍ سے دل سے علمی طور پر معنوی اور لفظی اغلاط کی نشاندہی کرنے والے کی شرح صدر سے قدر کی جائیگی اور انشاء اللہ العزیز غلط بات کی اصلاح سے گریز نہیں کیا جائے گا۔ رَبَّنَا اِنَّا اَلْحَقُّ حَقًّا وَابَّا حِلًّا بِاطْلَافٍ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی وَتَبَارَكَ وَسَلَّم عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰی اَصْحَابِهِ وَاٰلِهِ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ وَجَمِيعِ اتِّبَاعِهِ اِلٰى يَوْمِ الدِّينِ اٰمِيْنَ يَا رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

احقر الناس

ابوالزہاد محمد سرفراز خان صفدر

خطیب جامع مسجد گچھڑ، صدر مدرس مدرسہ نصرة العلوم گوہر والاہ

۵ رجب ۱۴۰۲ھ

۸ اپریل ۱۹۸۴ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الکلام المفید فی اثبات التقلید پر دورِ حاضر کے بعض جمید اور محقق حضرات علماء کرام کی زرین اور قیمتی تصدیقات

حضرت الاستاذ محقق دورِ ان شیخ المنقول والمعقول مولانا عبد القدیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

بخدمت گرامی قدر شیخ الحدیث حضرت مولانا المحترم محمد سرفراز صاحب زاد اللہ مجدکم
از بندہ عبد القدیر بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ اہجناب کا والانا مع کتاب الکلام المفید فی اثبات التقلید
موصول ہوا۔ دیکھ کر نہایت ہی خوشی ہوئی۔ کتاب اپنی ظاہری زیبائش کے ساتھ باطنی موتیوں کا خزانہ نظر
آیا۔ کتاب صحیح معنوں میں حجتہ اللہ علی الاعدار اور شفاء المرضی ہے۔ الحمد للہ والمنۃ۔ صحیح المزاج، سلیم الدماغ
لوگوں کے لیے سرچشمہ ہدایت اور مفید بصیرت بصارت ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ جَزَاكَمُ اللّٰهُ تَعَالٰی خَيْرَ الْجَزَاءِ فِي الدَّارَيْنِ۔

کتاب کے پڑھنے اور اندازِ بیان کے دیکھنے سے مسرت ایسی حاصل ہوئی کہ بس کرنے کو جی نہ چاہتا
لیکن ضعفِ نگاہ کی وجہ سے کسی مقدار پر اکتفا کر لیتا۔ خیال ہوا کہ کثیر مقدار پڑھنے کے بعد آپ کو پیغام مبارک باد
لکھوں گا لیکن اس میں تاخیر ہوتی گئی۔ گھر کے عوارض ایسے درپیش آئے کہ ہر جمعہ کو گھر جانا پڑتا۔ پھر عموماً جمعہ کے
ساتھ ہفتہ کا ناغہ بھی ہو جاتا۔ اس میں کافی دیر گزر گئی۔ ناراضگی نہ فرمائیں۔ محدثت پیش خدمت ہے۔

کتاب نہایت ہی محققانہ اور منصفانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ کوئی بد نصیب محروم القسمت ہی
اخراف کرے گا۔ ضد و عناد کا علاج ہی نہیں۔ مزاج فاسد ہو جائے تو شیریں چیز ہیکل محسوس ہوتی ہے۔ حقیقت یہ
ہے کہ اہل حدیث کھلانے والے یا اہل قرآن کا نام رکھنے والے یا لعینِ قادیان کے ماننے والے ایک ہی باغ کی
بیدار ہیں۔ آپ نے صحیح تحریر فرمایا کہ انگریزی پشت پناہی سے ان درختوں کو چیل بچھول لگا۔ تفریق بین المسلمین
کا راستہ جس نے ایجاد کیا اس کو سرکارِ انگریز اور اس کے حواری خوب اپناتے رہے اور اہل حق کے بالمقابل
بجارتے رہے۔ لیگ کے دورِ حکومت میں بھی یہی راستہ چلا گیا۔ میں نے ایک ضدی اہل حدیث بننے والے

کو کہا کہ تم تو انگریزی دور کی پیداوار ہو جیسے قادیانی۔ اس نے کہا؟ کیسے؟ میں نے کہا کہ میں یہ کلمہ غنا اور ضد سے نہیں کہتا بلکہ دلیل سے کہتا ہوں وہ یہ کہ :

”جہاں انگریز کا منحوس قدم گیا وہاں تم ہو اور جہاں اس کا قدم نہیں پہنچا وہاں تم نہیں ہو۔ دیکھا کہ کابل کے ملک میں، عرب ترک میں انگریز نہیں جاسکا وہاں تم نہیں ہو۔ یہ دلیل ہے کہ تم انگریزی آثار کی پیداوار ہوئے“

وہ کہنے لگا کیسے ہم تو حجاز میں ہیں؟ میں نے کہا تم تو ایسے بد تمیز ہو کہ اپنے پرانے کو نہیں پہچانتے۔ وہاں جو لوگ تمہیں رفع یدین، آمین کہنے والے نظر آتے ہیں وہ اور لوگ ہیں تم نہیں ہو۔ وہ تو یا شافعی المذہب، یا امام احمد وغیرہ کے مذہب والے ہیں۔ تم لوگ کوئی یہاں کا گیا ہو یا ہو تو ممکن ہے ورنہ وہ لوگ ائمہ مذاہب کے پیروکار ہیں تمہارے لوگ لامذہب ہیں۔

بہر حال آپ کی کتاب اس باب میں کافی کافی ہے۔ انشاء اللہ منصف مزاج سمجھ لے گا کہ اہل حق کون ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشے کہ خدمت دین نصیب ہو۔ مولانا صوفی عبد الحمید صاحب مدظلہ کو السلام علیکم۔

والسلام

بندہ عبد القدیر عفا اللہ عنہ ازراولپنڈی

العالم الکامل پیر طریقت استاد العلامہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک

محرمی و محترم المقام حضرت العلامہ مولانا سرفراز خان صفدر صاحب شیخ الحدیث مدظلہ العالی سلام مسنون ! امید کہ مزاج بالخیر ہونگے۔ ”الکلام المفید فی اثبات التقليد“ موصول ہوئی۔ عزت افزائی کا بے حد ممنون ہوں، نظر کام نہیں کرتی، امراض و عوارض میں گھرا ہوا ہوں، تاہم آپ کی یہ تازہ گرافت تصنیف جگہ جگہ سے سنی، واقعہً آپ نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ پاک اجر عظیم سے نوازے میری دعا ہے کہ اللہ کریم اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر مقبول عند الناس بنائے۔

والسلام

عبد الحق غفرلہ۔ مستم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

۸، ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب دامت برکاتہم

حضرت والی مرتبت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب متع اللہ المسلمین بفیوضہم وبرکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہدیہ سنیہ ”الکلام المفید فی اثبات التقلید“ عرصہ ہوا جب وصول ہوا تھا۔ وصول کی اطلاع بہت پہلے دینی چاہیے تھی لیکن سستی ہوئی بروقت اطلاع نہ دے سکا معذرت خواہ ہوں پھر مسلسل حوادث کا شکار رہا میری سب سے چھوٹی لڑکی جو حافظہ قاریہ تھی کئی ماہ سخت بیمار رہی۔ آخر ہسپتال میں انتہائی شدید نگرانی کے شعبہ میں ۵۱ دن گزار کر اسی عالم بالا ہوئی۔ اس صدمہ نے نڈھال کر دیا ہے اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آخری بچہ اڑھائی تین سال کا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور ان بچوں کا والی وارث ہو اور سب کو ایمان و عمل سے آراستہ فرمائے۔ آمین۔ میری عمر اب ستر سے تجاوز کر گئی ہے۔ قربت کارکردگی خاصی متاثر ہے۔ حافظہ بھی کمزور ہو گیا صبح پڑھتا ہوں شام بھول جاتا ہوں۔ اس کتاب کو بھی تین مرتبہ شروع کیا لیکن فترات و حوادث کی بنا پر پھر ذہن میں پڑھا ہوا محفوظ نہ رہ سکا۔ مولانا صفا صاحب دامت برکاتہم کی سب سے ہی تصانیف علم و تحقیق کا منظر ہوتی ہیں۔ یہ بھی اسی منوال پر ہے آپ دونوں بھائیوں کی مساعی جلیلہ بڑی قابل قدر ہیں۔ حق تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے اور اپنے شایان شان جزا و خیر عطا فرمائے۔ آمین !

میں تو ایک طالب علم اور مستفید ہوں۔ جب معاصر اہل علم کی کوئی کتاب نظر سے گزرتی ہے اور نگاہ عیب جو میں اس کی کوئی بات کھٹکتی ہے تو جرأت کر کے عرض کر دیتا ہوں، شرمندہ ہوں کہ یہ معروضات بہت دیر سے پیش کر رہا ہوں۔ اس وقت ہدیہ کتاب کا جو ترقیمہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ کتاب ارسال کیے ایک سال گزر گیا۔ میری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ جب تک کیسوٹی نہ ہو قلم نہیں اٹھتا خطوط کے جواب میں اسی لیے دیر ہو جاتی ہے۔ یہ سال تو میرے لیے عام الحزن ثابت ہوا۔ اسی سال میں میرے گھر میں دو موتیں ہو گئی ہیں۔ بیماروں کی تیمارداری میں بڑی مصروفیت رہی خود بھی خاصا بیمار رہا۔ امید ہے آپ اپنے اخلاقی کریمانہ سے میری کوتاہی کو نظر انداز فرمائیں گے۔ دس کی مشغولیت

مطالعہ کا سلسلہ الگ رہا۔ خود بھی وقفہ وقفہ سے بیمار رہا۔

”الکلام المفید“ ما شاء اللہ خالوں سے بھر پور ہے اور بڑی محنت و تحقیق سے لکھی گئی ہے اس کو مطالعہ کیے ہوئے کئی ماہ ہو چکے۔ مولانا عبد الرزاق صاحب کا تقاضا بھی برابر جاری رہا مگر وہی بات کہ ہر شے خواہم کہ فردا ترک این سودا کمں باز چوں فردا شود امروز را فردا کمں روزانہ بات کل پڑھتی رہی۔ آج توفیق ملی تو لکھنے بیٹھ گیا۔ مولانا موصوف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عرصہ میں اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکل چکے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْ فِرْد۔ آگے مولانا موصوف نے چند اغلاط کی نشاندہی کی ہے جن کی اب اصلاح کر دی گئی ہے)

والسلام

ناکارہ محمد عبدالرشید نعمانی
۱۰ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

حضرت العلامة مولانا مفتی محمد عبدالستار صاحب دامت برکاتہم رئیس افتاء جامعہ خیر المدارس ملتان
بگرامی خدمت محمدنا المحرم حضرت علامہ صفدر صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی! ”الکلام المفید“... مع گرامی نامہ موصول ہوئی اسکے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ بے ساختہ جناب والا کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔

”الکلام المفید“... اپنے موضوع پر یا شاء اللہ منفرد اور یکانہ حیثیت کی حامل ہے۔ انسانی کوشش کی حد تک متعلقہ جمیع ماہ و ما علیہ کو پوری سنجیدگی اور دیانت کے ساتھ اس میں جمع کر دیا گیا ہے طرزانہ دل نہایت مضبوط و محکم اور طریق جواب، غایت صحیح اور حکیمانہ ہے۔

غیر مقلدیت (لانڈہ بیت) عالم اسلام کا خطرناک فتنہ ہے جو سلف صالحین پر بد اعتمادی اور دین کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں رفض و فتنہ استشرار کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اہل اسلام کی انفرادی و اجتماعی زندگی ان فتنوں کی زد میں ہے۔ دین میں بنام ”تحقیق“ تشکیک و تحریف اور الحاد کے دروازے کھولے جا رہے ہیں۔

حق جل شانہ، محمدنا المحرم حضرت علامہ صفدر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو بے حد حساب

جزائے خیر عنایت فرمادیں کہ آپ نے غیر مقلدیت کی تردید میں الکلام المفید جیسی لاجواب کتاب تصنیف فرما کر اُمت پر عظیم احسان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شرف قبول اور خلعت رضائے عالی سے نوازیں۔ آمین یا رب العالمین۔
مخدومابندہ نے فی الحال کتاب لہذا کا سرسری مطالعہ کیا ہے دوبارہ پڑھوں گا۔ اگر کوئی بات قابل مشورہ ہوئی تو عرض کر دوں گا

تکلیف رہ جاتی ہے شفا ئے کامل اور خاتمہ بالخیر کی دعا فرمائی جائے اور اللہ پاک کی رضا حاصل ہو۔ آمین !
فقط والسلام

۵ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ بندہ عبد المتار عفا اللہ عنہ

حضرت شیخ الحدیث علامہ فہامہ مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

بگامی خدمت موثر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر امد اللہ تعالیٰ فی حیاتہ ولفنا بعد لومہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

جناب کی تازہ تالیف لطیف ”الکلام المفید“ احقر کو عرصہ ہوا مل گئی تھی، آنجناب نے جس شفقتِ کریمانہ سے اس ناچیز کو اس ہدیہ سامیہ سے سرفراز فرمایا۔ اس پر حق شکر ادا نہیں کر سکتا اسے بغرض استفادہ اپنے سامنے کی الماری میں رکھ لیا تھا لیکن یہ پورا عرصہ متواتر اسفار طویلہ کی نذر ہوتا رہا۔ کراچی میں چند روز سے زیادہ ایک مرتبہ نہیں ملے اس لیے نہ استفادے کی خواہش کی تکمیل ہو سکی اور نہ آنجناب کی خدمت میں سپاس گزاری کا خط لکھ سکا۔ شرمندہ و معذرت خواہ ہوں۔

اب بفضلہ تعالیٰ اس کا ایک معتد بہ حصہ پڑھنے کا موقع ملا اور احقر کو بڑا فائدہ ہوا۔ آنجناب کی ہر تالیف ہم جیسے طالب علموں کے لیے علمی مواد کا گراں قدر ذخیرہ ہوتی ہے اس لیے احقر نے بڑے اہتمام سے آنجناب کی تقریباً تمام تالیفات جمع کی ہوئی ہیں اور وقتاً فوقتاً درس وغیرہ میں ان سے استفادہ کرتا رہتا ہوں۔ الحمد للہ یہ کتاب بھی حسبِ سابق ہم جیسے طالب علموں کے لیے نعمتِ بیش بہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر اس کا نفع عام اور تمام فرمائیں۔

آنجناب نے ایک مقام پر اس ناکارہ کے ایک رسالے کا حوالہ دے کر احقر کی عزت افزائی فرمائی ہے اپنے بڑوں کی شان ہمیشہ ہی دیکھی کہ چھوٹوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ

کتاب کے بارے میں اپنے تاثرات پر عمل چنیدہ طور پر لکھ کر ”البلاغ“ میں دے رہا ہوں۔
غالباً ربیع الاول کے شمارے میں شائع ہوں گی۔ انشاء اللہ۔

دعاؤں کا یہ حد محتاج اور خواست گار ہوں۔ والسلام

۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

البلاغ کی مکمل عبارت یہ ہے

کتاب: الکلام المفید فی اثبات التقلید ، مؤلف: شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی
ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم کوہِ نوالہ ، ضخامت: ۲۲ × ۲۰ سائز کے ۳۴۱ صفحات
کتابت و طباعت: متوسط ، قیمت: درج نہیں۔ (جلد کی پشت پر درج ہے)
حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی اپنے علم و فضل اور تحقیقی ذوق کے لحاظ
سے ہمارے ملک کی قیمتی متاع ہیں اللہ تعالیٰ ان کو تادیر بایں فیوض سلامت رکھیں انھوں نے اپنے
قلم سے دین کی جو خدمات انجام دی ہیں اور مسلک حق کے اثبات اور عہد حاضر کے مختلف مکاتب فکر
پر جو عالمانہ تنقیدیں فرمائی ہیں وہ ہمارے علمی اور دینی لٹریچر کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔

زیر نظر کتاب ان کی تازہ تالیف ہے جس میں انھوں نے تقلید کے مسئلے پر سیر حاصل بحث
فرمائی ہے جو لوگ تقلید کو کفر و شرک یا غیر شرعی سمجھتے ہیں ان کے دلائل و شبہات پر نہایت تفصیل اور
تحقیق و انصاف کے ساتھ گفتگو کر کے مسئلے کو منطقی فرما دیا ہے مولانا کا اسلوب یہ ہے کہ وہ جو
بات کہتے ہیں اس کی پشت پر مستند حوالوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے اور انکی کتاب کا ہر صفحہ ان
حوالوں سے سجا ہوا ہوتا ہے یہی اسلوب اس کتاب میں بھی پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔
حضرت مولانا نے اولاً تقلید کی حقیقت قرآن و حدیث اور صحابہ و بزرگان دین کے اقوال اور تعامل کی روشنی
میں واضح فرمائی ہے اور تقلید صحیح کے اثبات میں محکم دلائل پیش کیے ہیں پھر ان تمام شبہات کا جائزہ
لیا ہے جو تقلید کے خلاف بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں۔ نیز خاص طور پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ
اور آپکی فقہ کو جن اعتراضات کا نشانہ بنایا جاتا ہے انکو ایک ایک کر کے انکی حقیقت اس طرح واضح
فرمائی ہے کہ ایک طالب حق کے لیے مجال انکار باقی نہیں رہتی۔ امید ہے کہ مولانا مدظلہ العالی کی اس کتاب کی
اہل علم کا حقہ پندیرائی فرمائیں گے۔ (محمد تقی عثمانی)۔ (ماخوذ البلاغ ص ۳۳ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ)
(دسمبر ۱۹۸۷ء)

حضرت العلامة الحافظ مولانا عبد اللہ بن حبیب کلیم ضلّٰح اراکون دیوبند پرفیسر لٹریچر اور لائبریری

نحمدہ وفضلہ علی رسولہ الکریم اما بعد :

ہر تصنیف میں مصنف کی شخصیت کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے اگر مصنف اہل اللہ ہے تو ان کی تصنیف سے ایک روشنی اور روحانی سرور حاصل ہوتا ہے اور اگر اہل زلیغ ہے تو دل میں یک گونہ کدورت سی پیدا ہو جاتی ہے۔

”الکلام المفید فی اثبات التقلید“ کا مصنف چونکہ ولی اللہی قافلہ کے ایک فرد ہیں اور موجودہ دور میں دین اسلام کے صاف چہرے سے بدعت والحاد کے گرد و غبار جھاڑنے اور دین حق، قرآن و سنت کی روشنی دنیا میں پھیلانے والے علماء حق کے ترجمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کتاب پر بحیثیت مصنف بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ کا ام گرامی ہونا کتاب کے مستند ہونے کا ثبوت ہے۔ (الاماتہ اللہ تعالیٰ)

تقلید کے مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر ”الکلام المفید فی اثبات التقلید“ بعض خصوصیات کی وجہ سے اپنی ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے تقلید کی بعض قسمیں خالص شرک، بدعت اور ناجائز ہیں اور بعض قسمیں مباح بلکہ واجب ہیں۔ کون سی قسمیں خالص شرک و حرام اور کون سی قسمیں مباح بلکہ واجب ہیں؟ خود مصنف مدظلہ کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں :

”قرآن و حدیث اور اجماع کے دلائل کی موجودگی میں یا ان کے مقابلہ میں تقلید حرام

ناجائز، مذموم اور بدعت ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ لیکن اگر کسی

مسئلہ کی ان میں صراحہ موجود نہ ہو تو ایسے موقع پر کسی مجتہد کی تقلید جائز ہے اور

کسی ایک مجتہد کی تقلید سے بھی مکلف عمدہ برآ ہو جاتا ہے اور اسی کا نام تقلید شخصی

ہے جیسا کہ اس پیش کتاب میں اکی ناوال مفصل بحث موجود ہے۔ الخ (الکلام المفید ص ۱۷)

مصنف مظلہ کی انصاف پسندی ملاحظہ ہو کہ: اس میں جس طرح غیر مقلدین حضرات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے وہاں مقلدین کی اصلاح اور علمی تربیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا تاکہ افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے اجتناب کیا جاسکے۔ (الکلام المفید ص ۱۹، ۲۰ عرض حال)

غیر مقلدین | ہندوستان میں ایک نومولود فرقہ ۱۲۶۶ھ میں ظاہر ہوا جس کا بانی مہابی عبدالحق بنارس تھا اس وقت سے لے کر اب تک عبدالحق بنارسی کے مقلد پیر و کار تقلید کو حرام، شرک اور مقلدین (مذہب اربعہ) کو مشرک، فرقہ ناجیہ سے خارج کئے چلے آ رہے ہیں اور اپنا سارا زور اس پر صرف کرتے ہیں کہ: "حق مذہب اہل حدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہل حدیثوں پر واجب ہے کہ ان تمام فرقوں سے بچیں۔" بلفظ۔

دسیا حۃ الجنان بمناکحتہ اہل الایمان ص ۱ بحوالہ الکلام المفید ص ۱۱
یہ عبدالحق کون تھا؟ اور کس طرح اپنے غیر مقلدانہ عقائد لوگوں میں پھیلاتا رہا اسکی تفصیل آپ کو "الکلام المفید" کے باب ششم میں "خود کو بچانیہ" کے عنوان سے ملے گی۔ ملاحظہ فرمائیں۔
غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے استاد حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سوبانی مہابی اس فرقہ نو حادثات کا عبدالحق ہے جو چند روز سے بنارس میں رہتا۔" حضرت امیر المؤمنین (سید احمد صاحب بریلوی الحنفی المتوفی ۱۲۶۶ھ شہیداً) تہ کے باعث اپنی جماعت سے اسکو نکال دیا اور علماء حرمین نے اس کو بھاگنے وہاں سے چل نکلا۔ (الی قولہ) اپنے تئیں خلیفہ امیر المؤمنین قائم سے بتدریج مطلع کیا۔ الخ ...

ابن ص ۲، برعاشیہ نظام الاسلام طبع خورشید عالم لاہور

اکہلاتے تھے پھر اہل حدیث بن گئے۔ یہ کیسے بن گئے؟

نہیہ۔ فرماتے ہیں: اس فرقہ (غیر مقلدین کلیم) کا بانی

سے راندہ ہوا عبدالحق بنارسی تھا۔ لوگوں میں یہ فرقہ

لاتا رہا پھر سعی بلیغ کر کے یہ فرقہ اہل حدیث بنا

اس کی۔

حضرت سید احمد بریلوی

دہابی کے لفظ سے موصوم تھا لیکن وہ اس

اور جہاد کی منسوختی کی کتاب لکھ کر سرکارِ برطانیہ سے انعام اور جاگیر بھی پائی اور اس کے صلہ میں بکری کاغذات اور دفاتر سے لفظِ وہابی منسوخ کر کے اہل حدیث کا حکم صادر کرایا مگر صد حیرت کہ یہ فرقہ، مقلدینِ حضرات کو چوتھی صدی کے بعد کی بدعت کا طعنہ دیتا ہے اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جھانکنے کی ذرہ بھر تکلیف نہیں کرتا۔

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شستیر بھی

(الکلام المفید ص ۱۳۹)

کتاب میں غیر مقلدوں کے مشہور عالم مولانا نثار اللہ صاحب امرتسری کے بعض غیر مقلدانہ فتاویٰ بھی درج ہیں۔ ہجرت کے لیے اس کا پڑھنا بھی مفید ہوگا۔ مولانا نثار اللہ صاحب غیر مقلدوں کی نظر میں کیا مقام رکھتے ہیں؟ فیصلہ مکہ میں اسکی تفصیل ملتی ہے مگر مجھے جس چیز سے دل چسپی ہے وہ یہ ہے کہ جب غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ؟ "مقلدین موجود، دس دہوں سے گمراہ اور فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں جن سے مناکحت (شادی) جائز نہیں۔ وجہ اول یہ کہ موجودہ حنفیوں میں تقلید شخصی پائی جاتی ہے جو سراسر حرام اور ناجائز ہے۔" (سیاحتہ الجنان ص ۱۷۰ بحوالہ الکلام المفید ص ۱۳۹)

تو میرا ذہن اس طرف چلا جاتا ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی بھی مقلد تھا، تقلید شخصی کرتا تھا۔ فروع میں حنبلی مذہب کا پیرو تھا۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس کو پاکستان میں زمانہ حال کے غیر مقلدین نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ خود اس کی اشاعت بھی کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے: جب مہر کے ڈاکٹر محمد الہی صاحب نے وہابی تحریک کے سلسلہ میں یہ لکھا کہ: "اٹھارہویں صدی عیسوی میں محمد بن عبد الوہاب نے حنبلی مذہب پر اس تحریک کی بنیاد رکھی اور چونکہ مذاہبِ اسلامیہ میں سے ایک خاص مذہب پر اس کی اساس قائم ہے لہذا یہ اسی مذہب کی ایک شاخ ہے اور اسی کی اتباع کا کردار ادا کر رہی ہے۔" (الحركة الوہابیہ ص ۳۱)

تو جواب میں کہا گیا کہ؟ "ان الفاظ سے ڈاکٹر صاحب تحریکِ وہابیت پر حنبلی مذہب کی تقلید کا الزام لگانا چاہتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حرف گیری نہیں ہے کیونکہ جس حد تک

فقہی فروعی مسائل کا تعلق ہے۔ تحریک کی پانچویں مذہب کا اضافہ نہیں چاہتی جیسا مخالفین اس پر طعن دیتے ہیں۔ بلکہ تحریک کا اصل مقصد تو اصول عقائد کی تصحیح ہے۔۔۔ الخ“ (الحركة الوهابیہ ص ۳۱)
 کچھ آگے صاف تحریر کرتے ہیں کہ: ”ہاں یہ صحیح ہے کہ تحریک کے بانی فروع میں حنبلی تھے؛ (الحركة الوهابیہ ص ۳۲) یہ کتاب الادارۃ الاسلامیہ حاجی آباد فیصل آباد۔ پاکستان نے شائع کی ہے۔
 جمعیت اہل حدیث کے ترجمان ”الاسلام“ لاہور نے بھی لکھا ہے: ”اہل حدیث گروہ تقلید شخصی کا قائل نہیں۔ انھیں وہابی کہنا غلط ہے۔ کیونکہ وہابی (اہل حدیث نہیں، حکیم) شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے ہم مسلک اہل نجد کو کہا جاتا ہے اور وہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں۔ اس کے برعکس اہل حدیث تقلید شخصی کے قائل ہی نہیں۔“ (”الاسلام“ لاہور ۱۳ مارچ ۷۹ء بحوالہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ ص ۱۳۹۹ مطابقت مئی ۱۹۷۹ء)
 جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ھ مطابق مئی ۱۹۷۹ء

اب سوال یہ ہے کہ جب محمد بن عبد الوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اہل نجد بقول جمعیت اہل حدیث کے ترجمان کے: ”حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں“ اور جب امام احمد بن حنبلؒ سے مقلد ہوئے تو ظاہر ہے کہ تقلید شخصی کرتے ہیں تو محمد بن عبد الوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اہل نجد ”مقلد“ ہونے اور ”تقلید شخصی“ کرنے کی وجہ سے فرقہ ناجیہ سے خارج ہمشرک اور جہنمی ہوئے۔ کیونکہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوالشکور عبدالقادر حصاری لکھتے ہیں: ”حق مذہب اہل حدیث ہے اور باقی بھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہل حدیثوں پر واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں۔ بلفظہ (سیاسة الجنان بمناکحة اهل الايمان ص ۱ بحوالہ الکلام المفید ص ۱۱)

تو اب اگر ”مقلد“ ہونے اور ”تقلید شخصی“ کی وجہ سے محمد بن عبد الوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اہل نجد اہل حدیثوں کے فتویٰ کی رو سے فرقہ ناجیہ سے خارج ہمشرک اور جہنمی ہوئے ہیں تو اہل حدیث ان کو ”شیخ الاسلام“ اور ”مجدد مصلح“ کیوں کہتے اور لکھتے ہیں؟ کیا کوئی مشرک اور جہنمی بھی شیخ الاسلام اور مجدد مصلح ہو سکتا ہے؟ آخر یہ بات کیلئے؟ کہیں سعودی ریال کا زور نہیں؟؟؟

ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ ”تحریک وہابیت پر حنبلی مذہب کی تقلید کا الزام کوئی حرف گیری نہیں ہے۔“ اور دوسری طرف احناف پر حنفی مذہب کی تقلید نہ صرف حرف گیری بن جاتا ہے بلکہ شرک و حرام ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ ”بعض حد تک فروعی مسائل کا تعلق ہے تحریک

کسی پانچویں مذہب کا اضافہ نہیں چاہتی، اور دوسری طرف مقلدین مذاہب اربعہ (کیونکہ سب تقلید شخصی کرتے ہیں) کو فرقہ ناجیہ سے خارج کر کے مشرک و جہنمی قرار دے کر خود پانچواں مذہب غیر مقلدین ایجاد کرتے ہیں۔ جتنا زور، وقت، روپیہ نشر و اشاعت پر نام نہاد اہل حدیث فروعی مسائل میں تقلید شخصی کرنے کی وجہ سے احناف مقلدین کے فرقہ ناجیہ سے خارج کرنے اور مشرک و جہنمی بنانے پر صرف کرتے ہیں۔ اتنا زور، وقت، روپیہ یہ لوگ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اہل نجد، حنبلی مقلدین کو مشرک و جہنمی ہونے کی اشاعت پر کیوں صرف نہیں کرتے جبکہ تقلید شخصی کے جرم میں برابر کے شریک ہیں اگر فرقہ بے تو صرف یہ کہ احناف فروعی مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں اور محمد بن عبد الوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اہل نجد فروعی مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔ کیا اہل حدیث کے دانش ور حضرات اس معمر کو حل فرمائیں گے ؟؟؟

”الکلام المفید“ کے مباحث میں باب نہم اہل حدیث حضرات کے لیے خاص طور سے بہت سفید رہے گا۔ اپنے شیخ الکمل کی حدیث فہمی، دوزنگی اور کلمہ مکرئی سے خوب لطف اٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی بعید نہیں کہ مصنف مدظلہ کے علمی تعاقب سے اہل حدیث مصنف مزاج حضرات حقیقت کو پا جائیں اور یہی اس کتاب کی اشاعت کا مقصد ہے۔

تقلید اور اس کی شرعی حیثیت، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تابعیت، محدثین کرام میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام اور ان کے مشہور محدثین تلامذہ بعض مشہور مقلدین، محدثین اور فقہائے کرام کے اسمائے گرامی، غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات اور دیگر اہم مباحث پر مشتمل یہ کتاب ”الکلام المفید فی اثبات الثقلیہ“ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے مسلمانوں کے لیے نافع بنائے اور مصنف کو اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی کے ساتھ عمر دراز عطا فرما کر مزید دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

ہ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

محرمت سید المرسلین و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کاغذ سفید، طباعت روشن اور جلد نفیس ہے۔ فقط والسلام

عبد الدیان کلیم
۳۰ اپریل ۱۹۸۶ء

محقق وقت مناظر اسلام واعظ خوش ساین حضرت مولانا محمد امین صاحب صفہ کا خصوصی امت کاتم

نحمدہ وفصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد ! اسلام دنیا میں اتحاد و اتفاق کا پیغام لے کر آیا۔ ہمارا یہ ملک پاک و ہند جس میں اسلام لانے والے اسلام پھیلانے والے اور اسلام قبول کرنے والے سب اہل سنت والجماعت حنفی تھے اور ہزار سال سے زائد عرصہ گزر گیا کہ پورا ملک اتفاق و اتحاد کا گوارہ تھا اسلام پر بارہ صدیاں گزر گئیں۔ حدیث الایات بعد المائتین کے مطابق علامات قیامت کا آغاز ہو گیا۔ انگریز جو بغرض تجارت اس ملک میں آیا تھا اس نے ملک پر عاصبانہ قبضہ کر لیا۔ انگریز کا اپنا دین تحریف شدہ تھا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ اسلام میں بھی تحریف و تبدیلی ہو جائے چنانچہ اس نے تحقیق اور ریسرچ کے نام پر مسلمانوں میں دین بیزاری اور مذہبی بے راہ روی اور مادر پدر آزادی کی ہم کا آغاز کرایا اور مسلمانوں میں افتراق و تشدد کو ہوا دی۔ اس کی پالیسی یہ تھی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ ملکہ و کٹوریہ نے مذہبی آزادی کا اشتہار دیا تو چند لوگ تقلید مذہبی چھوڑ کر غیر مقلد بن گئے اور مسلمانوں کے گھروں اور مساجد میں فتنہ ڈال دیا۔ ہر گھر میں لڑائی، ہر مسجد میں فساد الفتنة اشد من القتل جیسی نص قرآنی کے مقابلہ میں ملکہ و کٹوریہ کے اشتہار مذہبی کو زیادہ وقیع سمجھا اور موافق حدیث پاک لحن آخر هذه الامة اولها سلف کے خلاف بدزبانی اور بدگمانی کی ہم کا آغاز کر دیا۔ ابتداء میں فقہی اختلافات کو ہوا دے کر فقہ کا انکار کیا گیا۔ پھر احادیث کے اختلاف کو اچھال کر احادیث کا انکار کیا گیا اور پھر اجماعی مسائل کا انکار کر دیا گیا۔ فقہ، حدیث اور اجماع کے انکار کے بعد قرآن پاک میں تفسیر بالرائے کا دروازہ کھولا گیا جس کی واضح مثال مولانا شار اللہ امرتسری کی تفسیر القرآن بکلام الرحمن ہے۔ فقہ اسلامی کو قرآن و حدیث کے خلاف کہا گیا اور انہی تحریفات اور ناقص آراء اور خواہش پرستی کو قرآن و حدیث کا نام دے دیا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے اس ملک میں سب اہل سنت والجماعت حنفی تھے۔ کوئی سنی تقلید کا منکر نہ تھا اور اس کا انکار ہو بھی کیسے سکتا تھا کیونکہ جس دن سے اسلام دنیا میں آیا ہے تقلید ساتھ ہی آرہی ہے۔ اسلام میں ایک دن میں بھی فتویٰ لینے اور دینے پر پابندی نہیں لگائی گئی اور مفتی کو

پابند کیا گیا ہے کہ وہ ہر مسئلہ کی دلیل تفصیلی بیان کرے نہ مستفتی پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ جب تک ہر جہتی مسئلہ کی دلیل تفصیلی کا مطالبہ نہ کرے اور اسے سمجھ نہ لے تو وہ اس مسئلہ پر عمل نہ کرے۔ حضرات صحابہؓ تابعینؓ کے ہزار ہا فتاویٰ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الانکار امام محمد، کتاب الانکار ابو یوسف اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں جن میں نہ فتویٰ دینے والوں نے ہر فتویٰ کے ساتھ آیت اور حدیث پیش کی نہ عمل کرنے والوں نے کہا کہ جب تک آپ آیت و حدیث پیش نہ کریں گے ہم ہرگز عمل نہیں کریں گے۔ یہ ہزار ہا فتاویٰ آفتاب نیمروز کی طرح واضح کر رہے ہیں کہ خیر القرون میں تقلید تواتر کے ساتھ موجود تھی۔ پھر حضرات ائمہ اربعہؒ کی فقہ مرتب ہوئی ان کے مسائل لاکھوں سے تجاوز ہیں ان میں بھی صرف مسائل ہی مرتب کروائے گئے انکے تفصیلی دلائل مرتب نہیں کروائے گئے اور عوام نے بلا مطالبہ دلیل ہر زمانے میں ان پر عمل کیا تو حضرات ائمہ اربعہؒ سے بھی لاکھوں مسائل کے ضمن میں تواتر کے ساتھ اپنی تقلید کروانا واضح ہو گیا۔ الغرض اسلام میں تقلید ہر زمانہ میں متواتر رہی ہے۔ اب بھی زبان سے یہ لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں لیکن عملاً نا اہل مولویوں کی تقلید میں مبتلا ہیں۔

دائرہ اجتہاد و تقلید مسائل فرعیہ دو قسم کے ہیں: (۱) منصوص (۲) غیر منصوص۔ پھر منصوص دو قسم میں متعارض، غیر متعارض، پھر غیر متعارض دو قسم میں بحکم، محتمل (۱) جو مسائل منصوص غیر متعارض اور محکم ہیں ان میں نہ اجتہاد کی گنجائش ہے اور نہ تقلید کی۔ (۲) مسائل غیر منصوص: مجتہد غیر منصوص جزئی کا حکم قواعد شرعیہ کے مطابق منصوص پر قیاس کر کے ظاہر کرتا ہے اور مقلد اسی حکم پر جو مجتہد نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہے عمل کرتا ہے جیسے شربے میں چیونٹی، دودھ میں بھڑ، شربت میں مچھر گر جائے تو کیا کیا جائے؟ ان کا حکم صراحۃً کتاب و سنت میں منصوص نہیں ہے مجتہد نے ان سب کو منکھٹی پر قیاس کر لیا۔ اب تکریر تقلید کا فرض ہے کہ وہ ایک صریح آیت یا صحیح، صریح غیر متعارض حدیث پیش کریں کہ غیر منصوص مسئلہ کا حکم قیاس شرعی کے موافق مجتہد کتاب و سنت سے استنباط کرے تو یہ حرام ہے اور غیر مجتہد وہ مسئلہ مجتہد سے پوچھ کر عمل کرے تو یہ حرام اور شرک ہے لیکن وہ ادھر ادھر کی باتیں تو بہت کریں گے مگر قیامت تک ایسی آیت یا حدیث پیش نہیں کر سکیں گے۔

(۳) مسائل منصوص متعارضہ میں مجتہد رفع تعارض کر کے راجح نص پر عمل کرتا ہے اور مقلد بھی مجتہد کی راہ

میں رائج نص پر ہی عمل کرتا ہے اگر یہ ناجائز ہے تو منکرین تقلید پر لازم ہے کہ ایسی آیت یا حدیث پیش کریں جس میں صراحت ہو کہ مجتہد کے لیے متعارضات میں رفع تعارض کرنا حرام ہے اور مقلد کے لیے مجتہد کی رہنمائی میں رائج نص پر عمل کرنا شرک ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ متعارضات میں جن احادیث کے موافق عمل کو خیر القرون کے مجتہد نے رائج قرار دیا اور اس وقت ہزاروں محدثین، ہزاروں فقہار، مفسرین اور کروڑ ہا عوام ان پر عمل کرتے آرہے ہیں ان پر عمل کرنے کا نام غیر مقلدین نے عمل بالرائے رکھا ہے اور جن احادیث کو خیر القرون کے مجتہد نے مرجوح قرار دیا ان پر عمل کا نام عمل بالحدیث رکھا ہے۔

(۴) مسائل مضمومہ محتملہ میں مجتہد رفع احتمال کر کے نص پر عمل کرنے کی راہ متعین کرتا ہے اور مقلد اس کی رہنمائی میں اس نص پر عمل کرتا ہے منکرین تقلید میں بہت ہے تو ایک آیت یا حدیث پیش کریں کہ محتمل نص میں رفع احتمال کرنا حرام ہے یا رفع احتمال کے بعد اس نص پر عمل کرنا شرک ہے۔ یہ ہے دائرہ اجتہاد و تقلید۔ ان تین قسم کے مسائل میں جو استنباط کر سکتا ہے (غیر مضموم کا حکم، رفع تعارض، رفع احتمال، وہ مجتہد ہے اور جو یہ اہلیت نہیں لکھا وہ اگر ان مجتہدین کی رہنمائی میں کتاب سنت پر عمل کرے تو مقلد ہے اگر نہ خود اجتہاد کر سکے نہ مجتہد کی رہنمائی قبول کرے تو اسے غیر مقلد کہتے ہیں۔

مجتہد اور مقلد کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے امام اور مقتدی کا اور غیر مقلد ایسا ہے کہ نہ امام ہو نہ مقتدی بنے۔ امام و مقتدی کو گالیاں دے یا تعلق ایسا ہے جیسے حاکم اور رعایا کا اور غیر مقلد کی مثال باغی کی ہے کہ نہ وہ خود حاکم ہے نہ حاکم کی تابعداری کرتا ہے یا ایسا کہ نہ خود ڈاکٹر ہو نہ ڈاکٹر سے علاج کو رائے بلا علاج تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہؓ، تابعینؓ، مجتہدینؓ کو غیر مقلد کہنا انہی سخت توہین ہے حضرات صحابہؓ کو غیر مقلد کہنے کا مطلب ہے کہ ان میں نہ کوئی مجتہد تھا اور نہ مجتہد سے فتویٰ لینے والا ان میں کوئی امامت کی اہلیت رکھتا تھا نہ اقتدار کی۔ اس لیے کسی کو غیر مقلد ثابت کرنے کے لیے دو باتوں کا ثابت کرنا ضروری ہے ایک یہ کہ اس میں اجتہاد کی اہلیت نہیں دوسری کہ باوجود اجتہاد کی اہلیت نہ ہونے کے وہ قیاس کو کارِ شیطان اور تقلید کو شرک کہتا ہے۔

الغرض انگریز کے دور میں مسئلہ تقلید مجتہد کا بعض لوگ انکار کرنے لگے اس انکار کی وجہ کوئی قرآن کی آیت یا حدیث نہیں تھی بلکہ ملکہ و طور کا اشتہار تھا جس کا ذکر نواب صدیق حسن خاں نے ترجمانِ وہابیہ میں کیا ہے اس مسئلہ پر غیر مقلدین نے جو دسواں پھیلا رکھے ہیں وہ اکثر انھیوں سے سرقرشہ ہیں انکے دسواں کا جزوی جواب مختلف اوقات میں علما نے لکھا۔ لیکن ضرورت تھی کہ انکے تمام دسواں کا جواب بھی ہو جائے امام العصر فقیر وقت المحقق اللہ حق حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا محمد رفیع صاحب صدر لاہور شہر فیوضِ مبارکہ علیہما السلام نے تدریس کے ساتھ ساتھ تحریر کے ملکہ سے بھی نوازا ہے نے

بادجووانتہائی مصروفیات کے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور الحمد للہ موضوع کا حق ادا فرمادیا۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ اور پندرہ ابواب ہیں۔
 مقدمہ میں تقلید کی تعریف بیان فرمائی ہے کیونکہ غیر مقلدین سب کپلا دھوکا اس میں دیتے ہیں کیونکہ تقلید کی
 دو قسمیں ہیں ایک مذموم ایک محمود تقلید مذموم یہ ہے کہ کسی کی بات محض بے دلیل ہو اس پر عمل کرنا اور تقلید محمود یہ ہے کہ
 کوئی مسئلہ نفس الامر میں تو مدلل ہو لیکن عمل کرنے والا دلیل کا مطالبہ نہ کرے محض حسن ظن اور اعتماد پر عمل کرے کہ یہ مسئلہ یقیناً
 کسی نہ کسی دلیل شرعی سے ثابت ہے غیر مقلدین تقلید مذموم والی تعریف سناتے ہیں اور تقلید محمود والی چھپاتے ہیں
 اس طرح تو مشکوٰۃ شریف سے حدیث پڑھ کر عمل کرنے والا بھی مقلد ہے کیونکہ اس میں نہ سندیں موجود ہیں نہ سندوں کی
 تحقیق ہے۔ یاد رہے کسی حدیث کا صحیح یا ضعیف ہونا یا کسی راوی کا معتبر یا غیر معتبر ہونا بھی اُتیوں کے اجتہاد سے
 معلوم ہوتا ہے ان پر اعتماد کر کے کسی حدیث کو صحیح کسی کو ضعیف کہنا یا کسی راوی کو ثقہ اور کسی کو ضعیف کہنا بھی تقلید ہے۔
 باب اول میں قرآنی آیات، باب دوم میں احادیث سے تقلید کا ثبوت پیش فرمایا ہے۔ باب سوم میں
 غیر مقلدین کے اس جھوٹ کی قلعی کھولی ہے کہ تقلید چوتھی صدی کی بدعت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں فروعی مسائل دریافت کرنے کے تین طریقے تھے۔ (۱) ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
 جو لوگ حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر رہتے تھے وہ نیا پیش آمدہ مسئلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے جو
 حضرات صحابہؓ دور ہوتے وہ اگر حضرت معاذ کی طرح مجتہد ہوتے تو اجتہاد کر لیتے ورنہ تقلید۔ حضرت کے وصال شدہ
 کے بعد سے مسئلہ اجتہاد کی لیے دو ہی طریقے رہ گئے۔ خیر القرون میں ہی دو طریقے جاری رہے بعض لوگ
 مجتہد تھے باقی مقلد۔ خیر القرون کے بعد اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہو گیا اب صرف اور صرف تقلید باقی رہ گئی۔ اس کا یہ
 مطلب بیان کرنا کہ تقلید اب شروع ہوئی، جھوٹ ہے جیسے حضور کے زمانہ میں سات لغات پر قرآن پڑھا جاتا تھا
 مگر عہد عثمانی میں لغت قریش کے علاوہ باقی لغات پر قرآن پڑھنے سے روک دیا گیا اور صرف لغت قریش باقی رہا
 اب اس کا مطلب یہ بیان کرنا کہ لغت قریش پر تلاوت نہ عہد نبویؐ میں تھی نہ عہد صدیقی میں، نہ عہد فاروقی میں،
 لہذا یہ بدعت اور ناجائز ہے محض فریب ہے حضرت نے اس باب میں کتنے مقلدین کی فرست دے کر اس
 جھوٹ کا پول کھول دیا ہے۔ باب چہارم میں چوتھی صدی کے بعد کے بڑے بڑے مقلدین کا ذکر ہے اور مشہور
 محدثین اور مؤلفین صحاح ستہ کے مذاہب کا بیان ہے۔ باب پنجم میں رائے محمود اور مذموم کا تذکرہ ہے۔
 خلاصہ یہ ہے کہ رائیں تین قسم کی ہیں۔ (۱) کتاب و سنت کی تردید کے لیے جیسے شیطان نے حکم الہی کو رد کرنے
 کے لیے رائے دی اور کافروں نے سود کو تجارت پر قیاس کیا۔ یہ مذموم ہے۔ (۲) کتاب و سنت کی تشریح اور
 تعبیر کے لیے یہ اگر اہل کی طرف سے ہو تو اجتہاد ہے اگر نااہل کی طرف سے ہو تو الحاد ہے۔ اجتہاد محمود ہے،
 الحاد مذموم۔ غیر مقلدین رائے مذموم والی روایات کو رائے محمود کے خلاف پیش کر کے کِبَحْرِ فُؤُونِ الْكَلِمَةِ عَنْ

مَوَاضِعِ پَر عمل کرتے ہیں۔ بابِ ششم میں معتبر تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ نوموود فرقہ دورِ انگریز کی پیداوار ہے اور اس کے مقصد صرف دو ہیں۔ کافروں سے جہادِ حرام، مسلمانوں میں فتنہ و فساد فرض۔ بابِ ششم میں انکی ظاہر پرستی اور سطحیت کا ذکر ہے کہ جس طرح سعدیؒ کے شعر

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشان حال و در ماندگی

پر عمل کر کے کسی نے دوست کی پٹائی کرا دی تھی۔ ایسا ہی طریقہ غیر مقلدین کا قرآن و حدیث پر عمل میں ہے۔ بابِ ششم میں اختلافِ رائے میں دوستِ نظری اور اجتہاد میں خطا پر بھی اجرا کا ثبوت پیش کیا ہے۔ بغرض مقلد کو ذرہ بھر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اسکا عمل ہر حال میں مقبول ہے اگر عملِ صواب ہے تو دواجر اگر خطا بھی ہے تو ایک اجر ضرور ملے گا۔ بابِ ششم میں ترکِ تقلید کے مفاسد کا بیان ہے کہ یہ تمام فتنوں کی ماں ہے۔ فتنہ انکارِ حدیث، فتنہ اباحت، فتنہ نچریت، فتنہ مزناہیت، فتنہ مودودیت، فتنہ ناصبیت و خارجیت وغیرہ ان سب غیر مقلدیت کی کی کوکھ سے ہی جنم لیا ہے۔ اس باب میں شجرہِ تقلید کے پھولوں اور ترکِ تقلید کے کانٹوں کا ذکر ہے۔

بابِ دہم میں اس فریبِ کا پردہ چاک کیا ہے کہ خود حضراتِ ائمہ اربعہؒ نے عوام کو تقلید سے منع فرمایا ہے حالانکہ حضراتِ ائمہؒ نے عوام کے عمل کے لیے مسائل مرتب کروائے اور وہ سب بلا ذکرِ دلیل ہیں ہاں وہ اپنے مجتہد شاگردوں کو حکم دیتے تھے کہ انکی اقوال کو بلا دلیلِ زمانیں انکی ان اقوال کو جنکے مخاطبِ مجتہدین ہیں عوام پر چپا کرنا یَحَرِّقُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِہِ کا مصداق ہے۔ بابِ یازدہم میں امامِ الائمہ مراجع الامت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خصوصیات اور فضائل کا ذکر ہے۔ بابِ یازدہم میں غیر مقلدین کے اس جھوٹ کا پردہ فاش کیا ہے کہ امامِ اعظمؒ حدیث پر قیاس کو مقدم فرماتے تھے اور مسئلہٴ مرقاۃ، اختیار مجلس، نکاح، محرمات وغیرہ مسائل کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد قیاس مذموم والی روایات کا بیان ہے۔ بابِ سیزدہم میں قرآنِ پاک کے نام سے تقلید کے خلاف جو وساوس پھیلانے گئے ہیں ان آیات کی وضاحت ہے۔

بابِ چہار دہم میں حدیث کے نام پر تقلید کے خلاف مغالطہ آفرینیوں کا جواب ہے۔ بابِ پانزدہم میں تقلید کے خلاف اجماع کے نام سے جو دھوکا دیتے ہیں اسکی وضاحت ہے۔ الغرض مسئلہٴ تقلید کے تقریباً ہر پہلو پر سیرِ محال اور باحوالہ بحث ہے اور ضمنی طور پر بے شمار مزید وساوس کی نقاب کشائی فرمائی ہے اگر کوئی غیر مقلدِ تعصب کی عینک اُتار کر مطالعہ کرے تو اسکی دلی بیماری کچھ لیے تریاق کی طرح یہ مفید ہے اور اخاف تو حضرت کے نہایت ہی ممنون ہیں کہ اپنے مسلک کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے افراط و تفریط سے ہٹ کر نہایت اعتدال کے ساتھ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو واضح فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے فائدہ کو عام اور تمام فرمائیں اور حضرت کے علوم سے ہمیں زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع دیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین و خاتم النبیین و علی جمیعہم الصلوٰت و التسلیمات

العید: محمد امین صفدر اوکاڑوی

و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین۔